

دانشنامه

عبدالله

سلسلہ نوا اور ادب
شمارہ اول

داستانِ غدر

یعنی

ہنگامہ ۱۵ء کے چشم دید حالات

مصنفہ

راقم الدولہ سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی

شاگردِ فوقِ دہلوی و داروغہ ماہی مراتب شاہ ظفر

شائع کردہ

اکادمی پنجاب، ادبی دنیا منزل۔ لاہور

اراکین اکادمی سے دو روپے آٹھ آنے

قیمت تین روپے چار آنے

عام اور تاجرانہ فروخت کے لئے سول ایجنٹس

میسرز پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ انارکلی۔ لاہور

سلسلہ مطبوعاتِ اکادمی شمارہ (۶)

اکادمی ایڈیشن، طبع اول

جون ۱۹۵۵ء

۱۲۷۸۲

شکریہ

اس کتاب کے مصارفِ طباعت و اشاعت کا ایک حصہ
وزارتِ تعلیم حکومتِ عالیہ مرکزِ یہ پاکستان نے بطورِ اعانت
عطا فرمایا ہے جس کے لئے اکادمی سراپا سپاس ہے۔

معمد اعزازی

(درکر لینٹ پرنٹنگ پریس لاہور طبع شد)



ظہیر دہلوی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱	تباہی کی پیش گوئی	۱۲	۷	۱	مقدمہ
			۱۵	۲	پیش لفظ
	دوسرا باب		۱۷	۳	تہنید از مصنف
۳۲	سلطنتِ مغلیہ کی حالت	۱۳			پہلا باب
۳۶	افواج	۱۴	۱۹	۳	الف میر کے آباد
۳۶	مغزینِ دربارِ معلیٰ	۱۵	۲۰	۴	میری ولادت
۳۶	صیغہ ہائے تقسیم تنخواہ	۱۶	۲۱	۵	تعلیم
۳۶	دربارِ شاہی کے آداب	۱۷	۲۱	۶	شاعری کا آغاز
۳۸	اہلِ کمال	۱۸	۲۵	۷	استاذہ اور معاصرین
۳۹	مرزا جواں بخت کی شادی	۱۹	۲۶	۸	والدہ کی وفات
۴۰	شاہی سواری	۲۰	۲۸	۹	معمول و مشاغل
۴۱	فنِ خوشنویسی	۲۱	۲۹	۱۰	ملازمت
۴۲	فنِ شعر، سپاہ گری، تیراندازی	۲۲	۲۹	۱۱	شادی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۵	ریڈیڈنٹ کی واپسی	۴۰	۴۳	۲۳	شمشیر زنی
۸۶	پانچ سوار	۴۱	۴۴	۲۴	فن شہسواری
۸۹	ریڈیڈنٹ کا قتل	۴۲	۴۵	۲۵	مبصری
۹۱	جھمیر و کھین کا انتظام	۴۳	۴۶	۲۶	مولابخش نامی ہاتھی
۱۰۳	قیام امن کی تدبیر	۴۴	۴۹	۲۷	اخلاق
۱۰۷	بینک لوٹ لیا	۴۵	۵۱	۲۸	راجہ اجیت سنگھ
۱۰۹	میگزین اڑا دیا	۴۶	۵۴	۲۹	شہر دہلی کی تقریبات
۱۱۲	قیدیوں کی رہائی کی کوشش	۴۷	۶۱	۳۰	شلمان مغلیہ کی رحیت نوازی
۱۱۹	قیدیوں کا قتل	۴۸	۶۲	۳۱	فریادِ شباناں
چوتھا باب		تیسرا باب			
۱۲۳	انگریزی فوج آگئی	۴۹	۶۴	۳۲	ہنگامہ غدو کا آغاز
۱۲۳	پہلی لڑائی	۵۰	۶۸	۳۳	میرٹھ میں غدو کی ابتدا
۱۲۵	دوسری لڑائی	۵۱	۷۳	۳۴	باغی سواروں کا بیان
۱۳۲	باغی قلعہ بند ہو گئے	۵۲	۷۷	۳۵	میرٹھ چھاؤنی کا حال
۱۳۴	تیسری لڑائی	۵۳	۷۹	۳۶	بادشاہ کا جواب
۱۳۵	جرنیل بخت خاں کی آمد	۵۴	۸۱	۳۷	ریڈیڈنٹ کی باریابی
۱۳۶	بادشاہ کے تاثرات	۵۵	۸۲	۳۹	ریڈیڈنٹ باغیوں کے سامنے

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
۵۶	چوتھی لڑائی	۱۴۲	چھٹا باب	
۵۷	باغیوں کا بارود خانہ اڑ گیا	۱۴۳		
۵۸	شب خون	۱۴۴		
۵۹	سیاہ برج کا نیا مورچہ	۱۴۷	۷۲	۱۹۷
۶۰	بادشاہ ہمایوں کے مقبرے میں	۱۵۳	۷۳	۱۹۹
۶۱	شہر خالی ہونے لگا	۱۵۵	۷۴	۲۰۳
۶۲	باغی فوج بھی چلی گئی	۱۶۱	ساتواں باب	
۶۳	بادشاہ کو حراست میں لے لیا گیا	۱۶۱		
۶۴	تمواری شہزادوں کا قتل	۱۶۴		
پانچواں باب			۷۵	۲۰۵
			۷۶	۲۰۶
			۷۷	۲۰۷
۶۵	ہجرت	۱۷۲	۷۸	۲۰۸
۶۶	بھج میں ورود	۱۷۶	۷۹	۲۱۱
۶۷	پانی پت پہنچے	۱۷۸	۸۰	۲۱۲
۶۸	پانی پت کا محاصرہ	۱۸۹	۸۱	۲۱۴
۶۹	پانی پت سے رخصت	۱۸۰	آٹھواں باب	
۷۰	ایک اور آفت	۱۸۳		
۷۱	ریاست رام پور میں ورود	۱۹۰		
چھٹا باب			۸۲	۲۲۴
			۸۳	۲۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۴	محرم	۲۲۰			
۸۵	حجاج کی امداد	۲۲۱			
۸۶	وفات	۲۲۱	۹۷	حیدر آباد دکن میں درود	۲۰۰
۸۷	ریاست کی آمدنی	۲۲۲	۹۸	عرس مولانا علی	۲۰۲
۸۸	نواب احمد علی خاں رونق	۲۲۲	۹۹	میر محبوب علی خاں	۲۰۵
۸۹	ملازمتی کارگزاریاں	۲۳۸	۱۰۰	آبادی شہر	۲۰۶
۹۰	قلعہ رشتہ خور	۲۴۵	۱۰۱	امرائے طبقہ اعلیٰ	۳۰۶
۹۱	کوہستان بیرائیہ	۲۴۷	۱۰۲	امرائے طبقہ دوم	۳۰۷
۹۲	شیخادانی	۲۴۹	۱۰۳	امرائے طبقہ سوم	۳۰۸
			۱۰۴	اقتصادی حالت	۳۰۸
			۱۰۵	امرا کی تمکنت	۳۰۹
۹۳	ریاست ٹونک کی ملازمت	۲۷۳	۱۰۶	اپنے طرز کلام کی وضاحت	۳۱۰
۹۴	سجاد مرزا کی وفات	۲۸۳	۱۰۷	قدر سخن	۳۱۳
۹۵	ٹونک میں شعرو شاعری	۲۹۰	۱۰۸	خاتمہ کلام	۳۱۵
۹۶	نواب ابراہیم علی خلیل	۱۹۴			

دسوال باب

نوال باب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

زیر نظر کتاب سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی نے جو استاد ذوق کے شاگرد اور
ابو المظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ثانی ظفر آخری شاہ دہلی کے داروغہ ماہی
مراتب تھے اپنی زندگی کے حالات میں لکھی تھی۔ چونکہ انہوں نے ہندوستان
میں ۱۸۵۷ء کا انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ زندگی میں گونا گون مصائب
برداشت کئے اور غدر کے بعد ترک وطن کی اذیتیں بھی جھیلیں۔ اس لئے
ان کی زندگی زمانے کے نشیب و فراز اور شکست و تعمیر کا آئینہ بن گئی تھی۔
جیسا کہ انہوں نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے انہیں احباب کے اصرار پر
آئندہ نسلوں کی معلومات کے لئے اپنے حالات زندگی قلم بند کرنا پڑے۔
ان کی زندگی چونکہ انقلاب زمانہ کا مرقع تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے
حالات میں نہ صرف اپنی نجی اور ذاتی رواد ہی لکھی بلکہ ماحول کے حالات بھی

تحریر کئے۔ چنانچہ اس کتاب میں شاہ ظفر قلعہ دہلی ۱۸۵۷ء کے غدر اور غدر کے بعد کی کیفیت۔ ریاست الود۔ ریاست جے پور۔ ریاست ٹونک اور ریاست حیدر آباد کے حالات بھی اجمالی طور سے بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے حالات وہی لکھے ہیں جو انہیں اپنے گرد و پیش نظر آئے۔ یا پھر ان حادثات کا ذکر کیا ہے جو انہیں یا ان کے عزیزوں کو پیش آئے۔

غدر کے جن واقعات سے انہیں کوئی سابقہ نہیں پڑا یا جو دہلی سے باہر دوسرے صوبوں یا ریاستوں میں رونما ہوئے۔ ان کا انہوں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ بہادر شاہ ظفر کے مقدمہ کی روداد بھی بیان نہیں کی۔ شاید اس لئے کہ وہ خود موقع پر موجود نہیں تھے۔ یا شاید اس لئے کہ مقدمہ میں حکومت مدعی تھی۔ اور مقدمہ کے موضوع پر اس زمانہ میں قلم اٹھانا جب کہ انگریز مسلمان کو بلا قصور موت کے گھاٹ اتار دینا ثواب سمجھنا تھا، جان کو جو کھوں میں ڈالنا تھا۔ تاہم میں نے مقدمہ کی مختصر کیفیت حاشیے پر لکھ دی ہے۔

سید ظہیر نے اپنے یاد دوسروں کے حالات بیان کرتے ہوئے کہیں بھی کوئی تاریخ یا سن یا مہینہ نہیں لکھا۔ حتیٰ کہ اپنی تاریخ پیدائش تک نہیں لکھی وہ لکھتے ہیں کہ غدر کے وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ اس لئے قیاس سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قلعہ کی ملازمت حاصل کرتے وقت میری عمر تیرہ سال تھی۔ اس حساب سے وہ ۱۸۲۸ء

میں بادشاہ کے ملازم ہوئے ہوں گے۔ اور انہیں ماہی مراتب کے وار و فتح کا عہدہ ملا۔ ان کے فرائض یہ تھے کہ جب بادشاہ کہیں جاتا تو وہ اپنے نائبین کو ساتھ لے کر بادشاہ کی رکاب میں چلتے۔ ورنہ دربار میں حاضر رہتے۔

ان کے والد خوش نویسی میں بادشاہ کے استاد تھے سید ظہیر الدین اور ان کے چھوٹے بھائی انور بھی خوش نویس تھے۔ ظہیر چودہ برس کے سن میں استاد ذوق کے شاگرد ہوئے۔ اور شعر و سخن کی مہفلوں میں شریک ہونے لگے۔ ان کے چھوٹے بھائی انور بھی استاد ذوق ہی کے شاگرد تھے۔ مگر ذوق کی وفات کے بعد مرزا غالب کو کلام دکھانے لگے۔ غرض میں ان دونوں بھائیوں نے بہت کلیفیں اٹھائیں۔ یہ دلی سے نکل کر جمہر۔ سونی پت۔ نجیب آباد۔ ہوتے ہوئے بریلی پہنچے۔ یہاں سے رام پور گئے۔

۱۸۶۲ء میں لارڈ لارنس کے زمانے میں واپس دہلی آئے۔ پھر لور چلے گئے۔ وہاں چار برس رہے۔ پھر ریاست جے پور میں تھانہ دار ہو گئے۔ وہاں کم و بیش ۹ سال رہے۔ والے ریاست کی وفات پر وہاں سے نکلے اور پندرہ سولہ سال ریاست ٹونک میں بسر کئے آخر عمر میں حیدر آباد دکن گئے اور وہیں پیغام اجل آپہنچا۔ ظہیر نے ۱۹۱۱ء میں حیدر آباد ہی میں وفات پائی۔ ظہیر اپنے استاد ذوق کی طرح پُرگو شاعر تھے۔ ان کا پہلا دیوان گلستانِ سخن کے نام سے آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ بعد میں دو دیوان مطبع کریم ممبئی نے شائع کئے۔ کہا جاتا ہے کہ چوتھا ان کے نواسے میر اشتیاق حسین شوق دہلوی کے پاس تھا۔ جو طبع نہیں ہوا۔ زیرِ نظر کتاب کا مسودہ بھی ان کے

نواسے ہی کے پاس تھا۔ ظہیر اگرچہ ذوق کے شاکر و تحفے مگر کلام میں مومن
کارنگ ہے۔ خود بھی کہتے ہیں سے

طرزِ مومن سے نہ آگاہ تھا جب تک کہ ظہیر
سچ تو یہ ہے کہ کبھی رنگِ غزل نے نہ دیا

کیا بنا ہی طرزِ مومن اسے ظہیر

طاق میں لاریب اپنے فن میں ہم

افسوس ہے کہ اس کتاب میں آپ نے اپنی کوئی پوری غزل نقل نہیں کی۔
سب سے شہر آشوب کے کچھ بند کہیں کہیں نقل کئے ہیں۔ اور تین چار شعر
غزل کے ہیں کہیں دیئے ہیں۔ حالانکہ ضرورت یہ تھی کہ وہ اس کتاب میں اور
خیر پور اور ٹونک کے معرکہ کے مشاعروں کی غزلیں نقل کرتے۔ ذیل میں میں آپ
کی متفرق غزلوں کے چند اشعار پیش کرتا ہوں سے

فقط اک سادگی پر شوخیوں کے ہیں گماں کیا کیا

نگاہِ شرمگین سے بے نہاں کیا کیا عیاں کیا کیا

تصویریں وصالِ یار کے سامان ہوتے ہیں

ہمیں بھی یاد میں حسرت کی بزمِ آرائیاں کیا کیا

قدم رکھتے نہیں ہیں وہ زمیں پر بے نیازی سے

بڑھا جاتا ہے یاں شوقِ سجودِ آستان کیا کیا

۱۱
عجبا زلفِ مری انداز دیکھنا

ہر ہر ادبِ مجھ کو گمانِ نظر رہا
پہمیزِ عشق سے مجھے حشتِ فردہ ہوئی
میں کچھ دوا سے اور بھی رنجور تر رہا

کیا بری شے ہے محبت بھی الہی توبہ
جرم ناکردہ خطا وار بنے بیٹھے ہیں

یہ شوخی ہے کہ تمکیں ہے الہی کیا قیامت ہے
اُبلتے ہیں دمِ زقارِ سو سو بار دامن سے

بہت ظہیر کو ہم یاد کر کے واں روئے
کبھی جو ذکرِ حریفانِ بادہ خوار آیا

ظہیر آخری دور کے بڑے نامور شاعر تھے۔ اور اپنے زمانے میں فنِ شعر اور زبان کے بڑے استاد مانے جاتے تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد تھے۔ جن میں سے نجم الدین احمد ثاقب بدایونی نے بہت شہرت حاصل کی۔ یہ پہلوانِ سخن کے لقب سے مشہور تھے۔

ظہیر اگرچہ زبان میں استادِ وقت تھے۔ پھر بھی مادری زبان کی

پیردی کرتے تھے۔ زیر نظر کتاب میں انہوں نے بعض الفاظ اسی طرح لکھے ہیں۔ جس طرح غوام بولتے ہیں۔ وہ خود تہذیب میں لکھتے ہیں۔

”میں اپنی سیدھی سادی روزمرہ کی زبان میں اپنی سرگزشت لکھ رہا ہوں۔ اخبار نویس نہیں قصہ خواں نہیں میری جو زبان ماوری ہے زمانہ شیرخواری سے جو الفاظ اپنے پالنے والوں کی زبان سے سُنے ہیں وہ میرے ذہن نشین ہو گئے ہیں۔ اور میرے استاد اور تالیق نے جو مجھے تعلیم کئے ہیں وہ نقش کا لجر ہیں میری زبان اور میرے قلم سے وہی کلمے نکلتے

ہیں۔“

چونکہ ظہیر نے اس کتاب میں کہیں بھی کوئی تاریخ یا سن نہیں لکھا۔ اس لئے یہ طے کرنا بڑا مشکل ہے کہ یہ کتاب ظہیر نے کس سن میں تحریر کی۔ چونکہ اس میں میر محبوب علی خاں اور ریاست حیدر آباد کے حالات بھی ہیں۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب حیدر آباد میں ہی قلم بند کی ہوگی۔ حیدر آباد وہ ۱۹۱۰ء میں گئے اور ۱۹۱۱ء میں وہیں فوت ہو گئے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے کتاب کا بیشتر حصہ پہلے سے لکھا ہوا ہو۔ اور حیدر آباد میں اس کی تکمیل کی ہو۔ بہر حال کتاب کسی عہد میں بھی لکھی گئی۔ اس کی زبان وہ ہے جو ذوق، غالب اور مومن کے عہد میں شہرِ دہلی کے مشرفاء کی زبان تھی۔ مثلاً انہوں نے ہر جگہ جایا جگہ کی بجائے لفظ ”جائے“

استعمال کیا ہے۔ مثلاً "روپیہ رکھنے کو جائے نہ تھی" ذوق کہتا ہے۔

سر وقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اب ہم کہتے ہیں لوٹنے کی جائے۔ شکر کا مقام ہے۔ جائے نہیں

بولتے۔

ظہیر نے اس کتاب میں ہر جگہ "برابر" کو مونث لکھا ہے۔ مثلاً فلاں

شہر جے پور کی برابر ہے۔ ہم کہیں گے جے پور کے برابر ہے۔ انہوں نے

لکھا ہے۔ "مکان کرائے کو لیا" ہم کہیں گے مکان کرائے پر لیا۔ انہوں

نے ہر جگہ لفظ "بعد" کو میں کے بغیر استعمال کیا ہے۔ مثلاً بعد ہم نے ایک

روز ہم کہیں گے بعد میں ہم نے ایک روز انہوں نے لکھا ہے۔ ہمیں کڑا

بتانا چاہا۔ ہم کہتے ہیں ہمیں عیسائی بتانا چاہا۔ انہوں نے گاڑی کو ہندی

لہجہ میں ہر جگہ گاڑی لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "خلقت نے ہماری گرویدہ

اختیار کی" ہم کہیں گے "خلقت ہماری گرویدہ ہونے لگی یا ہو گئی"۔

غرض کتاب کی زبان کم و بیش سو سال پرانی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر

مرہوم نے جیسا کہ انہوں نے تہذیب میں بیان کیا۔ دہلی سے نکلنے کے بعد ساہیا

سال تک باہر زندگی بسر کرنے کے باوجود اپنی گھریلو زبان کو قائم رکھا۔ غزل

میں ان کی زبان وہی ہے جو مرہوم یا آذرود یا حالی کی غزل کی ہے۔ لیکن نشر

میں انہوں نے نہ غالب کی نشر کا تتبع کیا۔ نہ حالی کی نشر کا۔ بلکہ نشر میں وہی زبان

اختیار کی جس میں وہ بچپن سے اپنے گھر میں اور احباب میں بات چیت کرتے تھے

اگرچہ یہ نظمیر دہلوی کی ۷۶ سالہ زندگی کی روداد ہے۔ مگر اس میں ضمنا اردو
اردو ادب، شہر دہلی اور بعض ہندوستانی ریاستوں کی تاریخ کے چند اوراق بھی
شامل ہو گئے ہیں۔ اگرچہ اب نہ شہر دہلی رہا نہ وہ ریاستیں رہیں تاہم ان کے ضمنی
ذکر سے اس کتاب کی علمی حیثیت دو چند ہو گئی ہے۔

میں نے مکرمی مولانا صلاح الدین احمد صاحب کے ایوارڈ سے اس کتاب
کی تصحیح کی۔ جاہر جا ضمنی سرخیاں اور فٹ نوٹ لکھے مصنف نے بعض جگہ
ایک ہی عنوان کے ماتحت مختلف واقعات لکھ دیئے تھے۔ اس لئے ضمنی
سرخیاں قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر مصنف کی عبارت میں نہ کوئی
کمی بیشی کی گئی نہ ترتیب بدلی۔ اس طرح اب اس کتاب کو ایسی صورت میں
پیش کیا جا رہا ہے۔ جو اس کی شان کے شایاں ہے۔

اصغر حسین خاں نظمیر رودھیالوی

لاہور۔ مورخہ ۹ فروری

۱۹۵۳ء

گزارش

ادب گزید عالم گیر کی وفات ۱۷۵۷ء سے لے کر بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی تک ڈیڑھ سو برس کا زمانہ اگرچہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت زوال کا زمانہ ہے، لیکن یہی وہ زمانہ ہے، جب وہ تمدن فروغ پذیر ہوا، جسے ہم ہندو مسلم تمدن یا آسان تر لفظوں میں زبان اردو کا تمدن کہہ سکتے ہیں اردو شاعری اور فارسی شہزادگی اس تمدن کی امتیازی خصوصیات تھیں اور مغلیہ ہندوستان کے اہل قلم اور اہل ذوق، عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، اپنی علمی ضروریات اور ادبی مشاغل کے لئے انہی دو زبانوں کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ روساد اور احرار شہزادگان اور راجگان یکساں طور پر فارسی اور اردو کے ان انشا پردازوں اور شاعروں کی سرپرستی فرماتے تھے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے بعد یہ صورت حال بدل گئی لیکن اس تبدیلی نے بھی اپنی تکمیل کے لئے کم و بیش نصف صدی کا عرصہ دیا۔ مٹی ہر گویاں تفتہ فارسی زبان کے آخری صاحب دیوان ہندو شاعر اور مہاراجہ کشن پرشاد شاد، فارسی اور اردو شعر و ادب کے آخری سرپرست ہندو امیر تھے۔

زیر نظر کتاب کے مصنف سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی نے ہنگامہ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۷۰ء تک پہلے اور نصف صدی بعد کا زمانہ پایا ہے اور اس عہد کی تبدیلیوں اور کیفیتوں کو چشمِ عبرت سے دیکھا اور اس کے گرم و سرد کو زبانِ تجربہ سے چکھتا ہے اور اپنی اس خود نوشت سوانح عمری میں اپنی معلومات اور محسوسات کو بڑی سادگی اور بے تکلفی سے بیان کر دیا ہے۔

یہ کتاب انیسویں صدی کے ایک سادہ مزاج اور راست بیان شخص کے واردات و مشاہدات پر مشتمل ہے جسے اپنے ملک میں اس صدی کا سب سے بڑا انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے نتائج و عواقب کو اپنی جان پر لیا تھا پھر سی سلسلے میں وہ ہندوستان کے دل سے نکل کر اس دور دراز گوشوں تک پہنچا اور زندگی کی متنوع کیفیتوں سے بد رجہ شدید اثر پذیر ہوا پس طرہ ظہیری حقیقت میں انیسویں صدی کی ایک لپڈیر استان ہے جسے شرفائے دہلی کے ایک خانہاں بریاد نامندے نے بڑے دل آویز پیرائے میں بیان کیا ہے اس بیان میں ظہیر کا اندازہ نظر ہمیشہ روشن اور امن خیال ہمیشہ کشادہ رہا ہے ورنہ یہی اس استان کی سب سے بری خوبی ہے۔ یہ کتاب آج سے کم و بیش چالیس برس پیشتر پہلی بار حبیب مکرم آغا محمد طاہر صاحب نیر حضرت آزاد کے اہتمام سے چھپی تھی۔ اب اردو کے کلاسیکی ادب کے ایجاد و تجدید کے ضمن میں جب اس کی دوبارہ اشاعت کا خیال پیدا ہوا، تو میں نے صاحب موصوف سے اس کی اشاعت کے حقوق مانگے اور بڑی آسانی سے حاصل کر لئے آغا صاحب نے اس تصنیف لطیف کو روشناس خلق کر کے ربان ادب پر ایک حسان پایا کیا تھا میں نے اس حسان کا محض سایہ راز کو نیکی سمی کی ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ ناچیز کوشش اہل ذوق اور اہل علم کو پسند آجائے۔

میری درخواست پر محبہ گرامی خان اسرار حسین رضا نظیر لدھیانوی اس کے مطبوعہ متن کی تصحیح و تدوین فرمائی اور ایک نظر افروز دیباچہ بھی رسم فرمایا۔ اردو کے زمانے خادموں میں آپ کا دم غنیمت ہے اور اس تجدید کے زمانے میں جو لوگ اب بھی سلا کا نام لیتے اور یاد رفتگاں کو سینے سے لگاٹے پھر تے ہیں خان موصوف میں ایک قیامی مقام رکھتے ہیں اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں متعدد حادثات پیش آئے۔ بیشمار فرمے ضائع ہوئے پھر بھی چھپائی مرضی کے مطابق نہ ہو سکی موجودہ زمانے میں بہت کم پریس اپنی کام سے لچھی لکھتے ہیں ورنہ صرف کاغذ سیاہ کرنا جانتے ہیں۔ اکادمی اب اپنے ذاتی پریس کا انتظام کر رہی ہے، خدا کرے یہ مرحلہ بہت جلد طے ہو جائے اور ہم جو محنت تدوین نگارش میں صرف کرتے اور جو زہر کیاب اچھے کاغذ کی فراہمی اور عمدہ جلد کی تیاری میں خرچ کرتے ہیں، وہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

خاکپائے رستگان صلاح الدین احمد

۱۸ مئی ۱۹۵۷ء

مہر

بعد حمد و ستائش خداوند پاک اضعف العباد فقیر حقیر سید ظہیر الدین عسکری
 ظہیر دہلوی۔ خدمت احباب کرم فرما و مخلصان بے یار و اصحاب با صفا میں گزارش
 پرواز ہے کہ عرصہ بعید و مدت مدید سے اکثر محبان با صفا و دوستان با وفا جو بامی حال
 پر احتمال اس شکستہ بال کے تھے اور کیفیت سرگزشت اس خود فراموش کی طلب
 فرماتے تھے فقیر بے سرو پا بخیال گذشت آنچہ گذشت گذشتہ را صلوات تصور کر کے
 بطائف الخیل ایام گزاری کرتا رہا۔ انجام کار جب احباب صادق الوداد کا تھا صاحب ضرر
 سے تجاوز کر گیا اور فقیر کو بجز اقبال گنجائش عذر و معذرت نہ رہی اور خطوط کا ایک فتر
 فراہم ہو گیا۔ ناچار یہ پاس خاطر چند محبان اخلاص کیش قدسے اجزائے پٹلال بسان نامہ
 اعمال سیاہ کرنے کا اتفاق ہوا اور تمامی سرگزشت بطور سوانح عمری روز ولادت سے تا زمانہ
 شیوخت راست راست بے کم و کاست بلا تصنیح و بلا مبالغہ و — بلا تصرف
 و بلا تحریف جو حوادث سر پر گزرے اور جو واقعات مدۃ العمر میں پیش آئے ہیں قلم بڑاشتہ
 بقید تحریر لائے جلتے ہیں کسی کی توہین و مذمت و ستائش و مدحت سے سروکار نہیں
 صلہ و مزوختمین و آفرین کا طلب گار نہیں۔ عبارت نگاری اور انشا پردازی سے بحث نہیں
 راست بیانی اور صدق گفتاری سے کام ہے۔ قفقہ و شیخ سے طبیعت عاری ہے۔
 ہر چند کہ میری طرز تحریر آج کل کے عبارت نگاروں کے خلاف ہے، ہوا کرے۔ مجھے

اپنے امانے مطلب سے مراد ہے کسی کی عذب البیان فی در طب اللسانی سے کیا
غرض میں اپنی سیدھی ساوی روزہ مرد کی بول چال میں اپنی سرگزشت لکھ رہی ہوں۔
اخبار نویس نہیں، قصہ خواں نہیں، میری جو زبان مادری ہے۔ زمانہ شیرخوارگی میں
جو الفاظ اپنے پالنے والوں کی زبان سے سُنے ہیں وہ میرے ذہن نشین ہو گئے
ہیں۔ اور میرے استاد و تالیق نے جو مجھے تعلیم کئے ہیں وہ نقش کا لہجہ میں میری
زبان اور میرے قلم سے وہی کلمے نکلتے ہیں اب اگر لاکھ دوسروں کی تقلید کرو
تو کیا ہو سکتا ہے، زبان مادری بدلی نہیں جاسکتی ہے۔

اکثر مکالمات اور بیانات میں جو الفاظ میں نے دوسروں کی زبان سے سُنے
ہیں مَن و مَن وہ کہے وہ ہی برقرار رکھے ہیں۔ اپنی جانب سے تبدل اور تحریف کو رد
نہیں رکھا۔ جو واقعات میری نظر سے گزرے اور بیانات کہ میں نے اپنے کان سے
سُنے اسی طرح درج صحیفہ کئے ہیں۔ دروغ برگردن لاوی۔

مثلاً ایام غد میں جو معرکہ جنگ کے حالات زبانی مردمانِ فوج باغیہ میرے
گوش گزار ہوئے وہ ہی لکھتا ہوں۔ اور باناری گپوں کا اعتبار نہیں اُن سے مجھے
احتراز ہے۔

پہلا باب

میرے آبا

شنید کے بودماند دیدہ

چھ پر سی از سر سامانیم علمیت چوں کامل
 سلسلہ نسب فقیر ظہیر حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ کر
 منتہی ہوتا ہے رستہ پشتیں جلا مجد حضرت شاہ نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی
 ہیں اور حضرت شاہ نعمت اللہ ولی سے تاحضرت امام ہمام امام رضا علیہ السلام
 بہشت پشت منتہی ہوتی ہیں اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے تاحضرت علی مرتضیٰ
 کرم اللہ وجہہ اٹھ پشت جا کر منتہی ہوتی ہیں حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے نمبرگان
 شاہ نور اللہ اور شاہ حبیب اور شاہ محب اللہ خلف شاہ خلیل اللہ ابن شاہ نعمت اللہ
 ولی زمانہ سلطنت بہمنیہ میں حسب الطلب بادشاہ بہمنیہ ہندوستان میں تشریف لائے
 اور بادشاہ بہمنیہ کے پیرو مرشد تھے۔ چنانچہ مزار مبارک بزرگوار مدوح کا شہر بیدر
 تخت گاہ شالان دکن میں اب تک موجود ہے۔

دیگر بزرگانِ فقیر دربارِ سلطین گورگانیہ آلِ تیمور میں عہدہ ہائے جلیلہ و مناصبِ
عظمت پر فائز و ممتاز ہوتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ تا اختتامِ سلطنتِ تیموریہ بادشاہِ اخیر
حضرت سلج الدین محمد ابوالنظر بہادر شاہ بادشاہِ دہلی والدِ بزرگوارِ فقیر حقیر یعنی حضرت
شاہ جلال الدین حیدر المصطفیٰ بہ خطاب صلاح الدولہ مرتضیٰ رقم خاں بہادر منصب
استادی حضرت بادشاہ عرشِ آرامگاہ پر سرفراز تھے۔ و نیز فقیر ظہیر سن دوازہ سالگی میں
بخدمتِ داروغگی فوربگی میں سرفراز کیا گیا تھا اور تمام کارخانہ جلوس شاہی مثل ماہی و مرتب
و علم و سواری و چتر فقیر کی تفویض میں تھا۔ و بصلہ خدمتگاری خطابِ راقم الدولہ داروغہ
فوربگی پیش گاہِ سلطنت سے عطا ہوا تھا۔ حاملانِ عہدہ ہائے مذکورہ بالا ماتحتِ فقیر حقیر
تھے۔

میری ولادت | حال ولادت فقیر شکستہ ہال بدیں عنوان ہے کہ والدین فقیر و
جدِ ماجد فقیر کو اولاد کی نہایت تنہائی قبل ولادت فقیر چند
اولاد والدِ ماجد تلف ہو چکے تھے۔ جب میں پیدا ہوا تو میرے بزرگوں کو نہایت خوشی
حاصل ہوئی اور غایتِ ناز و نعم سے میری پرورش ہونے لگی۔ تمام گھر کی آنکھ کی تلی
کاٹا میں تھا اور والدِ بزرگوار اس زمانہ میں لکھنؤ بدر ماہہ پیش قرار ملازم تھے اور جدِ بزرگوار
دہلی میں حضرت بادشاہ کے خطِ نسخ میں استاد تھے۔

جب میل سن چار سالگی کو پہنچا تو میری والدہ نے مجھے روزہ رکھوایا کیونکہ انہوں نے
خدا کی جناب میں منت مانی تھی۔ نہایت دھوم سے روزہ کشائی کی تقریب عمل میں آئی
نہال بعد میں ساڑھے چار برس کا ہوا تو میلِ غنہ کرایا گیا۔ اور میری مسلمانانہ اور شمیہ خوانی
کی تقریب شامل کر کے بڑی دھوم سے شلوئی بسم اللہ کی تمام شہر کے عمائد و امراء

شاہزادگان وغیرہ فراہم ہوئے تھے اور دو روز تک محفلِ رقص و سرود گرم رہی اور تمام عمائد
کے یہاں توڑے تقسیم کئے گئے۔ چند روز تک پختِ طعام اور تورہ بندی جلدی رہی۔
میں نے اپنے والدِ بزرگوار کی زبانی سنا ہے کہ تیری بسم اللہ کے روز عزیز و اقارب
وغیرہ نے تواسر فی تیرے ہاتھوں میں دی تھیں۔ ”غرض کہ میری بسم اللہ اس دھوم سے
ہوئی تھی کہ میری شادی کتھانی بھی اس دھوم سے نہیں ہوئی۔

تعلیم بعد بسم اللہ مجھے مکتب میں بٹھایا گیا اور جناب استاد شیخ صفدر علی صاحب
میری اتالیقی اور استاد پر مقرر ہوئے۔ اور بہت سے اطفالِ مہسن میرے
ہم مکتب ہوئے ہیں نے ابجد خوانی کے بعد کلام مجید شروع کیا اور ہمراہ پند نامہ سعدی۔
جب کلام مجید ختم کیا تو گلستان و بوستان بھی میں ختم کر چکا تھا اور کتب درسیہ مثل
بہارِ دانش و یوسف زلیخا و دیگر انشاء وغیرہ دیکھتا تھا۔ ابوالفضل۔ سکندر نامہ تک میں
نئے شیخ صاحب مرحوم سے پڑھا۔ اور بعد کتب دیگر بھرچھ و سہ نشر ظہوری و ملا طغرائی۔
عرفی و خاقانی۔ وقائع نعمت خان عالی مختلف استادوں سے پڑھیں۔ بعد مطالعہ کتب
فارسی کتب عربی کا مطالعہ میں نے مولانا قاری سید جعفر علی سے مدرسہ میں کیا۔ غرض کہ
سن و وارہ سنا لگی تک درس و تدریس کا اتفاق ہوا اور بعد ملازمت شاہی کے نوکری سے
فرصت نہ حاصل ہوئی کہ تحصیل عربی تکمیل کو پہنچی۔ ہدایۃ النسخہ میں نے صرف خود کھی ہے
مکڑاں کتب سیر و تواریخ مثل روضۃ الصفا و روضۃ الاحباب و تاریخ و شاہنامہ وغیرہ
میری نظر سے گزرے ہیں۔

شاعری کا آغاز ابتدا شعر و سخن کی یہ ہے کہ میں جس زمانہ میں بہارِ دانش و زلیخا
پڑھتا تھا ایک روز والدِ بزرگوار کے ایک دوست قدیم میاں

نبی بخش صاحب بنیٹہ شاہ نصیر مرحوم تشریف لائے اور میرے مکتب ہی میں دونو
 بزرگوار بیٹھے ہوئے تھے کہ میاں نبی بخش صاحب نے ایک شعر کسی استاد کا پڑھا میرے
 والد نے فرمایا کہ کیا لا جواب وعدہ مطلع کہا ہے سبحان اللہ
 وہ یہ شعر تھا ۵

ہم سے پھری چشم پار دیکھئے کتبک ہے گوش لیل و نہار دیکھئے کتبک ہے
 مطلع کا کلمہ سن کر میرے کان کھڑے ہوئے، ڈرتے ڈرتے اپنے والد بزرگوار
 سے دریافت کیا کہ مطلع کے معنی کیا ہیں اور مطلع کسے کہتے ہیں۔ والد ماجد نے پہلے تو
 مجھے مطلع و مقطع کے معنی سمجھائے اور پھر فرمایا کہ علم عروض میں اول جو شعر لکھا جاتا ہے
 اس کے دونو مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اسے مطلع کہتے ہیں اور جس کے اخیر مصرع میں
 قافیہ ہو اسے شعر کہتے ہیں اور شعر کی تعریف بیان کی۔ غرض کہ سب ارشادات جناب ممدوح
 میرے ذہن نشین ہو گئے اور میں نے فی البدیہ ایک مطلع اور ایک شعر اسی وزن پر پڑوا
 کر کے پڑھا تو والد بزرگوار اور عموی صاحب میاں نبی بخش صاحب نہایت خوش ہوئے
 اور میاں نبی بخش صاحب نے مجھے پیار کیا اور کہا کہ تو لاکھام شاعر ہو گا۔ وہ مطلع اور شعر
 یہ ہیں۔ (مطلع)

صحبت اغیار و یاد دیکھئے کتبک ہے مجھ سے یہ وار و مدار دیکھئے کتبک ہے
 غیر سے دل تیرا یار صاف ہے آئینہ وار میری طرف سے غبار دیکھئے کتبک ہے
 پس وہ تعریف اور عنایات ان بزرگواروں کی میرے حق میں بارود میں شائبہ اور
 سونے پر سہاگہ کا کام کر گئی۔ اور مجھے شوق شعر و سخن پیدا ہو گیا اور روز بروز ایسی جوانی
 کی طرح ترقی پذیر ہوتا چلا گیا اب یہ کیفیت ہوئی کہ جس کی زبان سے شعر اچھا سنا وہ

دل میں نقش ہو گیا۔ گھر کے کتب خانہ کو دیکھا تو اہل فارس کے وادین بکثرت نظر آئے
 شرائے فارس کے انتخاب بطور تذکرہ گھر میں موجود تھے ان کو دیکھنا شروع کیا اور وہی
 غزل جس استاد کی سنی یاد کر لی۔ دیوان نامہ نسخ اور آتش اور واسوخت اور ثنویاں وغیرہ لکھنؤ
 سے چھپ کر تازہ تازہ دلی میں آئی تھیں۔ شاہ روزان کے دیکھنے کا مشغلہ رہنے لگا۔
 ایک دو غزلیں بھی لڑائی پھوٹی نکھیں اور میاں نبی بخش صاحب کو دکھائیں لیکن طالب صاحب
 منع فرماتے تھے کہ تو شعر نہ لکھا کر۔ حالانکہ خود شاعر لا جواب تھے۔ شاہ نصیر صاحب کے
 شاگرد تھے۔ غرض کہ انہیں آیام میں حافظ قطب الدین صاحب مستیر شاگرد شاہ نصیر صاحب
 مرحوم نے شاہ صاحب کے مکان میں مشاعرہ قرار دیا۔ چونکہ مکان مشاعرہ میرے مکان
 سے بہت قریب تھا۔ میں شامل ہونے لگا۔ اول غزل میں نے اسی مشاعرہ میں پڑھی
 تھی۔ اور جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب ذوق خاقانی ہند کا جاکر شاگرد ہوا۔ اور آخ صاحب
 بھی شریک مشاعرہ تھے اور بہت سے نام آور شعرا موجود تھے۔ میل سن کم و بیش اُس زمانہ
 میں چودہ سال کا ہو گا۔ اس کے بعد دہلی میں ایک دو جگہ اور مشاعرے ہوئے تو میں ان میں
 شریک نہ تھا۔ طبعی طور پر طبع آزمائی کیا کرتا تھا۔ حضرت استاد مرحوم کی خدمت میں جانے
 کا اتفاق تو ہمیشہ ہوتا لیکن غزلیں اکثر ہی مکھانے کا اتفاق ہوا۔ الا فیضانِ محبت استاد
 سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ میں نے جب غزل بنا بر اصلاح پیش کی اور جناب مدرس
 نے اسے ملاحظہ فرمایا جب قطع پر نظر پڑی تو خوش ہو کر یہ شعر پڑھا۔

دیوانِ ظہیر فریابی مددِ مہدِ بندِ گریابی

اور نیز زبانِ فیضِ ترجمان سے فرمایا کہ انشاء اللہ تو شاعر ہو گا۔ اسی کلامِ معجز نظام کا
 تصرف ہے جو میری زبان سے جاری ہوا ہے۔ بعد انتقال استاد مرحوم چند قصائد اور

اکثر غزل نگاری کا اتفاق ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ سب سرمایہ ایامِ غدر میں تلف ہو گیا۔ فقط دو غزلیں کہ مشہور ہو گئی تھیں اور لوگوں کو یاد تھیں اور مجھے بھی چند شعر یاد رہے وہ باقی رہے اور سب کلام ضائع ہو گیا۔ انا نجلہ ایک دو شعر مجھے یاد ہیں۔ مطلع قصیدہ در مدح بادشاہ۔

ہولے موسمِ باراں سے کچھ بعید نہیں بنے جو خانہ گلشن نگار خانہ ہیں
نیم آہِ مستحانِ ربیّی الّا سعلے گلوں کے کان میں کرتی ہر صبح دم تھیں
شعر قصیدہ دوم در مدح ولیعہد ۵

نیم مست نکلتی ہے بوشِ مستی میں پٹ پٹ کے جوانِ باغ سے ہر پلو
اشعار قصیدہ در مدح محبوب علی خاں مختار بادشاہ ۵

سال میں ایک مہینہ رمضان کا فقیرا حکم کرتا ہے پئے صومِ خدائے متعال
اور مجھے چار مہینے متواتر گزرے آخری ماہ جمادی سے لگا تا شوال
روزے رکھوائے مجھے چار مہینے پیہم لیکن آیامیرے افطار کا اب تک خیال
ایک غزل حسبِ فرمایش ہمارا جہ جیت سنگھ عموئی ہمارا جد والی ریاست پٹیا لہ
جس کے صلہ میں ایک ہزار روپیہ کی گھڑی مجھے عنایت ہوئی تھی دوسروں پر یہ مطلع کے
اور آٹھ سو روپیہ آٹھ شعروں کے حساب سے صلہ عطا ہوا تھا۔ مطلع تھا ۵
خوں بہائے عاشقِ ناشاد کیا دلیروں کی ماد کیا فریاد کیا
دوسری غزل کے دو شعر ۵

چاہت کا جب مزا ہے کہ ہوں وہ بھی بخیر دونوں طرف ہوا گ برابر لگی ہوئی
سوائے ان دو غزلوں کے کلامِ سابقہ میں سے کچھ باقی نہ رہا +

اساتذہ اور معاصرین | بعد انتقال حکیم مومن خاں صاحب و شیخ محمد ابراہیم
ذوق مرحوم و مغفور کے مرزا اسد اللہ خاں صاحب

غالب مفتی صدر الدین خاں صاحب آزر وہ حکیم آغا جان صاحب عیش غلام علی خاں
صاحب وحشت اور نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفۃ مشاہیر روزگار مستند استاد کا
کے سرِ اُدار تھے ان حضرات کے قطع نظر ہم لوگ نوخیز دل میں تصور کئے جاتے تھے
درجہ اول پر مرزا زین العابدین خاں صاحب عارف درجہ دوم سید معین الدین
صاحب معین درجہ سوم حافظ قطب الدین صاحب مشیر مگر حافظ مرد سن اور کہنہ
مبشوق تھے۔ اُن کے شاگرد بھی بکثرت ہیں۔ اُن کو درجہ دوم میں تصور کرنا زیبا
ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مرزا رحیم الدین صاحب جیسا بھی خوش بیان اور کہنہ مشوق درجہ
دوم میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا کلام بھی پائیدار استاد سی سے ہم پایہ تھا۔ ان بزرگواروں
کے بعد چند نوجوان نوخیز نو عمر شوخ طبع با مذاق۔ جدت پسند نازک خیال معاصر
کہ زمانہ حال کے موافق اگر غور کیا جائے تو ہر ایک یگانہ روزگار تھا۔ نواب مرزا خاں

۱۔ مرزا غالب نے اس شعر میں انہیں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیں شاید

مرگیا غالب آشفۃ نوا کہنے ہیں !

۲۔ مرزا زین العابدین خاں عارف۔ مرزا غالب کی بیوی کے بھتیجے تھے۔ شاعری میں

مرزا ہی کے شاگرد تھے عین جوانی میں وفات پائی۔ مرزا غالب نے انہیں کی وفات پر

کہا تھا ۱۔ ہاں اے نیک پیر جوان تھا ابھی عارف

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرنے کا کہنی دن اور

صاحب دماغ میر محمد حسین صاحب حج و حج سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا تخلص انور مرزا قربان بگ صاحب ساک صاحب مولوی عبد الکریم صاحب سوز خلف مولوی امام بخش صاحب مہربانی حکیم غلام مولے قلین شہزادہ مرزا پیارے صاحب شہرت مرزا قادر بخش صاحب صابر میاں خدا بخش صاحب تنویر غلام احمد صاحب تصویب عبد القادر صاحب توقیر یوسف علی خاں صاحب عزیز مولوی امیر مرزا خورشید میاں نشہ صاحب آغا مرزا صاحب براء درخورد دماغ صاحب تخلص شاغل۔

اس قدر احباب ایک مکان پر وقت شام بلاناغہ ہم جلسہ ہوتے تھے اور باہم داد و سخن دیتے تھے۔ زمانہ عذر تک یہ گلزار سخن شاداب و سیراب تھا اور یہ خوشنویان چمن ایک جافراہم ہو کہ نواسنجیاں کرتے تھے فقیر بھی اُس بوستان تاراج شدہ کا ایک نخل خزاں رسیدہ ہے مہیات مہیات کیا تھا کیا ہو گیا زمانہ عذر کے بعد اُس مرقع کا شیلزہ جمعیت درہم برہم ہو کر ورق ورق منتشر ہو گیا۔

پہلے شفقت والدین کا حال معرض بیان میں آچکا ہے۔ اب والدہ کی وفات

اعادہ اُس کا فضول ہے خصوصاً والدہ فقیر کہ سبب ہمدردی سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور حضرت ظہیر مصنف کتاب ہذا کے چھوٹے بھائی تھے استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ بعد میں مرزا غالب سے بھی اصلاح لی لیکن شعر میں مومن کے مقلد تھے۔ یہ شعر انہیں ہے۔

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے

پسینہ پوتے تھے اپنی جبین سے

انور ۳۸ سال کی عمر میں بمقام جے پور فوت ہوئے (نظیر)

مجھ پر اور میرے چھوٹے بھائی امر اور ترانہ اور چچا جی و دل سے فدا تھیں اور شبانہ
 روز ہم دونوں کو مثل مردم چشم ہانکھوں میں رکھتی تھیں۔ بے ہری چرخ تفرقہ پر داز
 سے سن مہشت سالگی میں اُن کا سایہ دامنِ عاطفت میرے سر سے اُٹھ گیا اور وہ
 محدومہ ہریان مجھے اور میری بھائی کو والد بزرگوار کے سپرد کر کے داعی اجل کو لبیک کہہ کر
 رگڑائے روضہ جنت ہوئیں۔ مجھے اول وہی صدمہ ہما جرت مادرِ ہریان کا ہوا لیکن
 وقتِ رحلت میری مادرِ ہریان نے بحالتِ ہوش و حواس موجودگی اپنے جملہ بزرگان
 و عزیزان پہلے ہم دونوں بھائیوں کو گلے سے لگایا اور بہ کمالِ حسرت و یاس ہمارے والد
 بزرگوار کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا کہ آپ کو ان دونوں کی نسبت ہر دم محبتِ پدری
 تو ہے لیکن ان کی نسبت ہر مادرِ بھی ضرور ہے۔ کیونکہ اب یہ بے ماں کے ہوتے
 ہیں۔ ان کے ساتھ ہر مادرِ رکھنے والا سوائے تمہارے کون ہے۔ اگر آپ نے اُن کی
 نسبت کم تو جی کو کام فرمایا تو میں حشر میں انگیر ہوئی۔ یہ کہہ کر ادراک شہادت پڑھ کر رہی
 جنت ہوئیں لیکن والد بزرگوار نے حسبِ وصیتِ محدومہ فی الحقیقت محبتِ پدری و
 ہر مادرِ دونوں کو کام فرمایا میری پرورش اور ناز برداری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت
 نہیں فرمایا اور استادِ تعلیم و تربیت پر مقرر فرمائے۔ ہزار ہا روپیہ میں نے بیدریغ صرف کیا۔ زمانہ
 طفولیت میں تنگسار کبوتروں میں صدمہ مار پے برباد کئے مگر جنابِ ممدوح نے مجھ سے کبھی
 دریغ نہ فرمائے جو طلب کیا وہ مجھے یا جب میں کس بلوغت کے قریب پہنچا تو مجھے گھوڑے
 کی سواری کا شوق ہوا و و و گھوڑے خریدے اور اُن کو کھلایا اور تیار کیا۔ چڑھھا
 اُترے مگر یہ سب صرف اُس جناب کے ذمہ رہا۔ مجھے ایک استادِ چابک سوار
 کا شاگرد کرایا اور سواری سکھلائی۔ گھوڑے کا بنانا اور چڑھنا۔ تیار کرنا اور

عجیب و صواب سے آگاہ ہونا یہ سب باتیں میرے استاد نے بتائیں۔

معمول و مشغل میں علی الصبح قبل از نماز بیدار ہو کر نوکری میں جایا کرتا اور قبل از برآمدن حضور پر نور زیر جھر کہ شاہی جا کر حاضر ہو جایا کرتا تھا جس وقت حضور برآمد ہوتے قلمدان کمر میں لگا کر ہوادار کے ہمراہ ہولیتا تھا جو کچھ شعر اشعار منہ گام سواری موزوں ہو کرتے تھے لکھتا جاتا تھا۔ مگر جب تھوڑی دور پیادہ پا ہمراہ چلتا تھا تو ازراہ الطاف خسروانہ حکم صادر ہو جاتا تھا کہ سوار ہو لے عقب سواری مبارک دو ہاتھی رکھ کر تے تھے۔ ان میں سے ایک پر سوار ہو جاتا تھا۔ میری سواری کا گھوڑا گول میرے ہمراہ رہتا تھا۔ کبھی اس پر سوار ہو لیتا تھا۔ قصہ مختصر فوج کے بعد مکان پر واپس آ جاتا تھا۔ میری نشست کا دیوان خانہ علیحدہ تھا۔ میرا چھوٹا بھائی امر او مرزا انور اور برادر عمہ زاد امیر مرزا خورشید ہم نیند بھائی اس دیوان خانہ میں نشست رکھتے تھے فوج کے بعد دوست احباب فراہم ہوتے تھے اور اکثر طالب علم بھی ہمارے پاس سبق کو آتے تھے۔ دو گھنٹے کامل درس و تدریس کا مشغل رہتا۔ اس اثنا میں شعر اشعار کا بھی تذکرہ ہو جاتا تھا۔ دواوین فارسی اور تذکرہ جات کی اشعار خوانی رہتی تھی۔ بعد گیارہ بجے صحبت برخاست ہو جاتی تھی میں گھر میں جا کر کھانا کھاتا اور بعد تناول طعام گھنٹہ دو گھنٹے استراحت کر کے بیدار ہوتا تھا تو پھر احباب محلہ آ بیٹھتے تھے گنجہ چوسر وغیرہ کا مشغل رہتا تھا۔ پانچ بجے دن کے گھوڑے پر سوار ہو کر بازار کی سیر کو چلا جاتا تھا۔ بعد مغرب مکان پر آتا تھا۔ اور پھر احباب کا مجمع رہتا تھا۔ ہر طرح کی دل لگی رہتی تھی۔ ایک دوست نواز آ جاتے۔ ستار طبلہ وغیرہ

سے دل کو فرحت ہوتی تھی یا کسی اور شغل میں دل بہلاتے تھے کبھی ایک دو دوست متفق ہو کر کسی دل لگی کی صحبت میں چلے جاتے تھے غرض گیارہ بجے شب تک اپنی خوش طبعی میں بسر کرتے تھے کسی طرح فکر و غم لاحق حال نہ ہوتا تھا دن عید رات شب برات کی مانند بسر ہوتی تھی سوائے ہنسنے ہنسانے کے اور خوش طبعی کے کوئی رنج پاس نہ پھٹکتا تھا۔ کوئی میلہ تماشا ایسا نہ ہوتا تھا جہاں اس مجمع احباب کا گزرنہ ہوتا۔ عجیب ایک صحبت رنگین یاران خوش باش خوش معاش لطیفہ سنج بندہ گویا ظریف لطیف کی فراہم ہوتی تھی جن کو دنیا و مافیہا سے کچھ خبر نہ تھی۔ دن رات چہچہوں سے کام تھا۔ اس صحبت میں سب شریف زادے امیر زادے وغیرہ مجتمع تھے کوئی بد وضع بد پیشہ بد معاش ہماری صحبت میں باریاب نہ ہوتا تھا۔ شہر کے شرفاء میں سے ہر فن اور ہر کمال کا آدمی ہمارے پاس آتا جاتا تھا جو کسی فن کا اہل کمال دلی میں وارد ہوتا تھا۔ ایک بار میرے مکان پر بھی ضرور اس کا گزرنہ ہوتا تھا۔ غرض کہ اس خوشحالی اور فراخ البالی سے زمانہ گذر تک بسر اوقات ہوئی۔

غدر سے چار ماہ پیشتر میری شادی ہوئی۔ اس زمانہ میں میرا سن کم و زیادہ بائیس سال کے قریب تھا کہ زمانہ غدار و فلک ناہنجار نے یہ آتش فتنہ و فساد برپا کیا۔ اور سنگ حوادثِ آسودگانِ بسترِ خوابِ ناز کے سر پر برسائے شروع کئے۔ وہ صحبتیں عیش و عشرت کی سب ایک قلم و رسم و رسم ہو گئیں۔ ع
آل قدح بشکست آل ساقی مناند

اول تو والد بزرگوار ہر طرح کی ناز برداری فرماتے تھے۔ دوم میں اپنی ملازمت ذات سے بھی پچاس روپے ماہوار کا ملازم تھا۔ تیسرے باعثِ شعور

سخن راجہ اجیت سنگھ بہادر والی پٹیالہ قدروانی فرما کر میرے ساتھ مسلوک ہوتے تھے
 چہارم خرید و فروخت اسپاں میں مجھے مفاد کثیر ہوتا رہتا تھا کبھی شکایت تنگ دستی
 نہ ہونے پاتی تھی۔ چہارم راجہ اجیت سنگھ بہادر والی پٹیالہ نے صلہ غزل فرمائی
 گھڑی معہ زنجیر طلائی قیمتی ایک ہزار روپیہ۔

صلہ قصیدہ مدحیہ خلعت ووشالہ زریں وسیلا مندیل بنارسی وپارچہ قیمتی
 شش صد روپیہ عطا فرمایا۔

جب میرا سن تیرہ برس کا ہوا تو میری والدہ کے خالو مرزا خان صاحب نے رحلت
 فرمائی اور وہ لاوہ تھے۔ داروغائی ماہی مراتب کی ان کے نام تھی وہ داروغائی خانی
 ہوئی۔ اُس پر امیدواروں کی درخواستیں بکثرت گذریں۔ اس سے پیشتر میری حاضر ہائی
 حضور میں ہو چکی تھی۔ آٹھ برس کی عمر سے محل میں آتا جاتا تھا میں بادشاہ کاشاگرد
 ہو گیا تھا، اصلاح لینے جایا کرتا تھا میرے والد نے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھ کر
 حضور میں عرض کی کہ خانہ زاد کا سن قریب پیری کے پہنچ کر ہے امیدوار ہوں کہ غلام زاد
 سے نوکری لی جائے اور پیشگاہ حضور سے سب اُستاد زادگان کی پرورش ہو گئی ہے
 الا غلام ہنوز محروم ہے۔ یہ خدمت غلام زاد کے کو عطا فرمائی جائے کہ یہ ہر دو طرح
 سے مستحق اس عطیہ کبرئے کا ہے از روئے قرابت بھی اور میری جانب سے امیدوار
 پرورش ہے چنانچہ وہ درخواست مقرون اجازت ہوئی اور داروغائی ماہی مراتب
 پر مجھے سرفراز فرمایا گیا اور مقام خواجہ صاحب میں خلعت داروغائی اور خطاب اتم الدولہ
 سید ظہیر الدین حسین خاں داروغہ فوزیگی عنایت ہوا اور میں نوکری میں حاضر باش رہنے
 ملہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ سے مراد ہے۔

لگا جب سواری مبارک خواجہ صاحب میں رہتی تھی۔ میں وہیں رہتا تھا۔ دونوں وقت خواجہ کا خوان میرے واسطے محل سے آتا اور میں ایک دن بھی رکاب سعادت سے جدا نہ ہوتا تھا۔ تیرہ برس سے بائیس سال کی عمر تک نوکری میں حاضر رہا۔ غدر میں جب بادشاہ کے سب ملازموں کو جدا کیا گیا ہے۔ میں بھی جدا ہوا ہوں۔

شادی اور اسی سن سیزدہ سالگی میں میری نسبت قرار پائی مینگنی ہو گئی۔ بعد میں

سال کے میرا عقد نکاح بھی ہو گیا۔ لیکن شادی کے رسوم ادا نہیں ہوئے تھے۔ ساچق ہندی۔ برات چوتھی وغیرہ باقی تھیں۔ رخصت نہ ہوئی تھی۔ سامان جہیز وغیرہ سب امانت رکھا ہوا تھا۔ میرا آغاز شباب تھا۔ بسبب امورِ خلافِ تہذیب شادی کرنے میں مجھے تامل تھا۔ ایام گزاری کرتا تھا۔ اسی وجہ سے والدِ مہربان مجھ سے ناراض تھے۔ مجھے سلام کی اجازت نہ تھی۔ مگر میری والدہ نے مجھے لے جا کر ان کے قدموں پر ڈال دیا اور میرا قصور معاف کرایا اور میں شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ دھوم دھام سے میری شادی ہوئی۔ اور سب سومات حسبِ ستور ساچق ہندی برات ادا ہوئیں۔ رخصت بھی حسبِ مانہ تکلف سے ہوئی۔ جہیز بھی پانچ ہزار روپیہ کا لایا۔ سب باتیں منہی خوشی دل لگی کے ساتھ ہوئیں۔ بعد ان فرائع شادی سب سامان جہیز کا کوٹھوں میں داخل کر کے قفل لگا دیئے گئے۔ اپنے گھر کا سامان استعمال میں لایا گیا۔

بتہائی کی پیش گوئی بعد چار ماہ کے غدر صاحب نازل ہوئے اُس سامان میں سے ایک چھٹا بکار آمد نہ ہوا۔ وہ سب سرکار انگریزی کے نذر ہوا

اُس کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ سے زائد کاثات البیت جو زمانہ بزرگان سے اندوختہ چلا آتا تھا۔ وہ سب دستبردِ افواج انگریزی میں تاراج ہوا۔ ایسی ایسی نلیاب چمیز ملے

ہوئیں کہ جن کی نظیر طنی محال ہے۔ میں جلد کلام مجید مطلقاً مذہبِ جدِ بزرگوار کے ہاتھ کے
 اور سات کلام اللہ والد ماجد کے ہاتھ کے کاغذ یزدی کاشانی پانچ روپیہ دستہ پر اور
 بناتیاری علاوہ اور ہزار جلد کتاب ہر قسم کی وہ سب لٹ لٹا کر برابر ہو گیا۔ کوئی تین
 سو روپیہ کی کتابیں مثل تاریخِ روضۃ الصفات تاریخِ فرشتہ شاہنامہ و دیگر کتب میرے
 والد نے میرے لئے مجھی سے منگائی تھیں۔ لوٹ میں گئیں میری شادی کے ایک ماہ بعد میری
 چھوٹی بہن کی شادی قرار پائی میری بی بی اور میرے بہنوئی آغا سلطان بخشی باہم ماموں
 پھوپھی کے بہن بھائی تھے۔ اس شادی کے سامان وغیرہ میں مہینہ بیس روز صرف ہو گئے
 اس کے ایک مہینہ بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوا مجھے تو شادی کے
 دو مہینہ بعد بھی عیش و آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ ساتویں تاریخ رمضان کو شام کے
 وقت میں اور میرا بھائی امراؤ مرزا انور گھر سے روزہ پہلانے کے واسطے جامع مسجد
 کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر گزری کی سیر کو کے گھر کو واپس آنے لگے تو وقت
 تنگ ہو گیا تھا میں نے بھائی سے کہا چلو بیٹا محل میں چل کر روزہ کھولیں گے میں اپنی
 سسرال میں گید پیرے والوں نے اندر اطلاع کی۔ گھر میں سے مبارک خادمہ نے آکر
 کہا میاں آتے کیوں نہیں۔ تم سے چھپنے والا کون ہے۔ فقط تمہاری خوشدامن ہیں۔
 اور باقی سب بڑی سلیم صاحبہ کے ہمراہ بخشش جی کی شادی میں ہمان گئے ہوئے ہیں۔ فقط
 نواب صاحب اور تمہاری بھالو ہیں میں نے کہا کہ میرا چھوٹا بھائی میرے ساتھ ہے۔
 تم پردہ کرادو و غرض کہ وہ دالان میں چلی گئیں۔ چلمیں چھوٹ گئیں۔ پردہ ہو گیا۔ باہر
 مکان کے صحن میں بنگلے کے آگے تختوں کا فرش تھا۔ وہاں نواب صاحب میرے خسر
 بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اور میرے بھائی نے آگے بڑھ کر آداب کیا۔ فرمایا آؤ بیٹا

بیٹھ جاؤ میں ہنوز بیٹھا ہی ہوں۔ اور میرا بھائی میری برابر میں ہے کہ یکا یک روزے کی توپ کی آواز آئی۔ روزہ افطار کر کے نماز پڑھی گئی۔ پھر کھانے کا دسترخوان بچھا کھانا کھانے بیٹھے۔ دو لقمے کھا کر میرے خستہ مجھ سے فرمانے لگے بھئی نواب مرزا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں تلوار چلے اور خونریزی عظیم ہو میں نے عرض کی حضرت آپ بزرگ ہیں آپ یوں ہی فرمایا کرتے ہیں شہر میں تلوار چلنے کے کون سے آثار ہیں۔ نواب صاحب بیٹا تم کیا میری بات کو خلاف جانتے ہو۔ خدا کی قسم ایسا امر ہونے والا ہے جب تو مجھے یقین کامل ہوا کہ ان کی بات کبھی خلاف نہیں ہوتی۔ میں نے پوچھا کیا روس کی فوج آئے گی۔

نواب صاحب بہ اس کا علم اللہ کو ہے،

پھر میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کب تک ہونے والا ہے۔

نواب صاحب بہ کہنے والے تو یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے۔ اسی رمضان میں

ہو جائے اور بھئی دیکھو میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ میں بھی شہید ہوں گا میں نے عرض کی حضرت خدا کے لئے آپ یہ توفیق فرمائیے۔ خدا آپ کو ہمارے سر پر زندہ اور سلامت رکھے آپ ہماری سپر ہیں۔

نواب صاحب بہ۔ مشیت ایزدی سے کچھ چارہ نہیں۔

القصد ہم دونوں بھائی کھانا اور پان کھا کر رخصت لے کر اپنے گھر

آئے +

دوسرا باب

سلطنتِ مغلیہ کی حالت

جہاں کھودو وہیں بنیاد کے پتھر نکلتے ہیں
 بہت معمورہ ہستی میں اجڑے گھر نکلتے ہیں
 فَأَعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

ہر چند سلطنت تو ڈیڑھ سو برس پیشتر خاندانِ عالی شانِ تیموریہ و دمانِ الوالہم
 گورکانیہ کو ہذا فراقِ بیتی و بیک کہ کر رخصت ہو چکی تھی برائے نام بادشاہت رہ گئی
 تھی کیونکہ ایک چھوٹی سے چھوٹی ریاست ہندوستانی کے برابر بھی بادشاہِ دہلی کو
 وسعتِ قدرت و استطاعت نہ رہی تھی بقول سودا

کہ ایک شخص ہے بایں صوبہ خاوند رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کو
 فقط ایک لاکھ روپیہ ماہوار نو سو کارانگریزی سے آتا تھا اور کسی قدر پرگنائت
 و محالات و تہ بازار و کرایہ و کالین و آمدنی باغات و طیول و نزولِ خانہ غیرہ
 کی آمدنی تھی من کل الوجوہ سو لاکھ روپیہ ماہوار تصور کر لینا چاہئے مگر عظمتِ جلال
 لے سوائے مرادغل بادشاہ یعنی شاہِ عالم ثانی سے ہے عہدِ مغلیہ میں ہندوستان ۲۲ صوبوں میں منقسم تھا

شان و شوکت و نزک و احتشام و ادب و آداب دربار و انتظام سواری کو دیکھ کر
 معلوم ہوتا تھا کہ ہاں کسی زمانے میں یہ خاندان عالی شان ہنر وافر و فراز وانی ہندوستان
 جنت نشان ہوگا چل جلال مگر باوجود انحطاط و کثرتِ قتل و قتلِ معاش و وامر حیرت خیز
 و تعجب انگیز ایسے نظر سے گزرے ہیں کہ مجھے آج تک، ورنہ حیرت میں ڈال رکھا
 ہے۔ لہٰذا تو خدائے عالم نے اُس لاکھ روپیہ میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ وہ
 خیر و برکت و دست و استطاعت کروڑوں روپیہ کی ریاستوں میں بھی نہ دیکھی ہے
 شریف اگر متضعف شود خیال مبند کہ پالگاہ بلندش ضعیف خواهد شد

چار روپیہ کا سپاہی ہے وہ بھی خوشحال ہے اور پیش قرار درماہہ وار ہے وہ بھی
 مال مال ہے۔ گردش روزگار کا کسی کوشاکی نہ پایا۔ یہ ثمرہ خوش نصیبی تو نتیجہ علوتی ہے۔
 دوم قرائن دربارِ سلطانی و سطوتِ جہانیاں جو دربارِ شاہی میں دیکھے۔ وہ کسی
 ریاست میں نہ پائے خرچ و اخراجات شاہی پر جو نظر مغائر ڈالی جاتی ہے تو
 عقل حیران رہ جاتی ہے کہ یا الہی یہ کیا معاملہ تھا۔ اتنی برکت خزانہ شاہی میں
 کہاں سے آگئی تھی کہ ان اخراجات کو ملتی ہوتی تھی۔

شاہی کارخانہ جات خانہ کلاں خاصہ خورد۔ آبدار خانہ۔ دواخانہ۔ توشہ خانہ
 جواہر خانہ۔ اسلحہ خانہ۔ خاندانِ سامانی۔ قیل خانہ۔ صیقل گنجی خانہ۔ توپ خانہ۔ شتر خانہ۔
 رتھ خانہ۔ کارخانہ جلوس شاہی۔ مراتب درچہ و علم، بخشی خانہ۔ فوج۔ کتب خانہ۔ کبوتر خانہ
 داروغہ نذرشار۔ داروغہ فراش خانہ۔ پاکلی خانہ۔ داروغہ کہارایاں۔ داروغہ
 خاص بردارایاں۔ جمعدار۔ صیدیان۔ نواب ناظر۔ افسر خواجہ۔ ہرایاں۔ کارخانہ داران کے
 نام بنظر طوالت قلم انداز کئے گئے۔

افواج | سپاہ پلٹن - اگر کی پلٹن - بچہ سیرہ پلٹن - خاص برداران -
رسالہ سواران -

معززین دربار عالی | وزیر اعلیٰ - پیر و مرشد استادان علماء حکماء - شاہزادگان -
نواب ناظر بخشی فوج - برداران کسان کمیدان - کامیلین

پرفتن ہستمان کارخانہ جات عرض بیگیان -

صیغہ ہائے تقسیم نخواستہ | نخواستہ محلات و شاہزادگان - صیغہ سرکار قدیم - صیغہ عدالت -
بخشی گری - صیغہ روزیہ داران - تعلقہ نظارت -

معززین دربار - ملازمان فوج -

دربار شاہی کے آداب | جو قرینے دربار سلاطین دہلی کے تھے سوئے
سلطنت ایران کے کسی سلطنت یورپ میں مروج

نہیں۔ دیوان خاص کے وسط میں تخت طاؤس نصب ہوتا تھا اور بالائے تخت نمگیرہ
زریں چوہائے نقرہ ملمع طلائی پر نصب کیا جاتا تھا۔ تخت طاؤس کے برابر چار
گوشوں پر چار طاؤس طلائی مینا کار نصب ہوتے تھے اور ان کی منقاروں میں بٹے
بٹے موتیوں کی بالائیں جن میں زمر کے گچھے ہوتے تھے آویزاں ہوتی تھیں۔ تخت
طاؤس میں مسند تکے لگائے جاتے تھے جب بادشاہ دربار فرماتے تخت طاؤس کے

دونوں پہلوؤں میں دو طرفہ دو صفیں دربارداروں کی دست بستہ استادہ ہوتی تھیں
سب نیچی نگاہیں کئے کھڑے رہتے تھے خاموش مجال کیا ہے کہ کوئی کسی طرف دیکھ
ے یا کھجائے یا مسکرائے یا بات کرے دربار کے دونوں گوشوں پر دو قطار کھڑی
بردار و لکڑیاں سرخ لئے کھڑے رہتے تھے۔ ذرا سی کسی سے بے اعتدالی ہوتی

اور گردن میں لکڑی ڈال کر دربار سے باہر کیا گیا۔ اور روسائے ہند کا مسافر بار نہ تھا
 دیوان خاص کے مقابل لال پرے کا دروازہ تھا وہاں سُرخ بانات کا پردہ کھارہتا تھا۔ جو شخص
 دروازہ میں سے اخل دیوان خاص ہوتا تھا پہلے لال پرے کے آگے آکر سلام گہہ پرا کرتا دیتا تھا
 آداب تسلیمات بجالاتا تھا اور تین سلام مودب بہت جھک کر بجالاتا اور نقیب لال پرے کے
 برابر سے آواز لگاتا ملاحظہ آداب کے آداب بجالاؤ جہاں پناہ بادشاہ سلامت عالم پناہ بادشاہ
 سلامت۔ بعد اُس کے شخص سلامی پہلو میں ہو کر عقب حمام کی جانب کے زینہ سے دیوان خاص کے
 چبوترہ پر چڑھتا اور نعلین خالی کرتا اور دیوان خاص میں جا کر دوبارہ دوسری سلام گاہ پر آداب بجالاتا
 اور نقیب دربار بطورِ اول آواز لگاتا اور سلام کرتا اگر نذر گزرائی ہے تو سیدھا تخت
 کی طرف جا کر نذر پیش کرے گا اور بادشاہ نذر اٹھا کر نذر شار کے داروغہ کو دے دیتے
 نذر شار کا داروغہ تخت کے پہلو میں استادہ رہتا تھا اور ایک متصدی لکھتا جاتا تھا۔
 مگر نذر دے کر پھر کچھلے قدموں بہت کر سلام گاہ تک جاتا اور بقاعدہ اول پھر اسی طرح آداب بجا
 لاتا اور جہاں جا ملتی صف دربار میں جا ملتا تھا۔ تخت کے عقب میں خواص لوگ عہدے
 سے کھڑے رہتے تھے وہ بال ہما سے لگس رائی کرتے تھے۔ اگر کچھ عرض معروض کرتی ہی
 تو عرض ہیگی دو صفوں میں دربار کے سرے پر کھڑے رہتے تھے۔ عرضی اُن کو دے دیتی جاتی
 تھی اور وہ عرضی لے جاتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے عرضی کو کھول کر ملاحظہ کر دیتے تھے
 پشت عرضی عرضی کی جانب ہوتی تھی۔ بعد ملاحظہ عرضی خواص قلمدان پیش کرتا تھا۔ اور وہ
 بنسورت آئینہ گھر کے جوف تھا۔ اُس میں قلم ہر طرح کے رکھے رہتے تھے۔ عرضی کو
 اُس پر رکھا گیا اور بادشاہ نے نپسل سے دستخط فرما دیے جس محکمہ کے نام حکم ہوا فوراً تعمیل
 ہو گئی یہ قواعد دربار شاہی کے تھے۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل کمال جو کالمین جس علم و فن کے ملازم سرکار بادشاہی تھے وہ فرد کمال اور انتخاب روزگار تھے۔ اُن کی نظیر اور مثال بجائے دیگر غیر ممکن اور محال اگر بغرض محال تھے بھی تو اُسی سرکار ذوی الاقدار کے وظیفہ خواہ شمار کئے جاتے تھے۔ اگر کسی دوسرے جائے نوکری بھی ہو جاتے تو کھوڑا بہت دہاں سے بھی روزینہ پائے رہتے تھے برس چھہینے میں آکر آستانہ بوسی کر جاتے تھے بعد بربادی قلعہ سعلے اکثر اشخاص خانہ ویراں ہو کر اطراف و جوار میں ہندوستان میں منتشر و پریشان ہو گئے۔

رحاشیہ صفحہ ۳۷۷، ابو اللفظ محمد سراج الدین ظفر خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ اکبر شاہانی کے بیٹے اور شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے ۱۶۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۶۸۳ء میں اکبر شاہ ثانی کی وفات پر بہادر شاہ ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے حکومت انگریزی سے اپنے وظیفہ میں اضافہ کے لئے درخواست کی تھی اور رام موہن رائے مشہور بہ موہما ج لیڈر کو راجہ کا خطاب دے کر وظیفہ میں اضافہ کے مقدمہ میں وکالت کے لئے انگلستان بھیجا تھا۔ مگر حکومت نے یہ درخواست منظور نہ کی۔ ظفر کے عہد میں انگریزوں نے بادشاہ کی رہی سہی اہمیت بھی ختم کر دی۔ اسی میں گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف ہند کی طرف سے بادشاہ کو نذر دینے اور اپنے تقرر کی تصدیق کرانے کا طریقہ بھی چھوڑ دیا گیا۔ بلکہ کمپنی کی حکومت شاہی خاندان کو قلعہ سے نکالنے اور ظفر کے بعد دہلی کی برائے نام مغل شہنشاہی کو بھی ختم کر دینے کے درپے تھے۔ کہ غدر ہو گیا۔

ظفر ایک قادر الکلام اور خوش گو شاعر تھے۔ شعراً اور اہل کمال کے قدردان تھے، استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ اُن کی وفات کے بعد مرزا غالب کو کلام دکھانے لگے۔

مرزا جواں بخت کی شادی | ہر چند کہ تقریبات بسیار ریاستہائے ہندوستان
ایں نظر سے گزری ہیں، مگر جیسی شادی بازیٹ

تجمل شانزادہ میرزا جواں بخت بہادر مرحوم کی ہوئی ایسی رنگین محفل و تقریب و ضرب
باجاہ و شہ اس دریا دلی کے ساتھ کہیں نظر سے نہیں گزری۔ بیان تکلفات رسوم ساجی
و ہندی و برات و آرائش شہر و روشنی و نقار خانہ جات و غیرہ فضول جانکر قلم انداز کیا جاتا
ہے۔ البتہ دو امر قابل نگارش ہیں۔ ایک یہ کہ قریشہ محفل سب سے جداگانہ تھا دیوان
کی بارہ درمی میں جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئیں تھیں۔

ہر درمیں ایک طائفہ جدا قص کرتا تھا۔ شانزادگان کی محفل جدا ملازمین معززین
کی انجمن جدا فرقہ سپاہ کی بزم جدا شاگرد پیشہ کے لئے جدا اسی طرح ہر فرقہ کی محفل جدا
تھی۔ ہر شہر کے لئے حکم عام تھا کہ آئین اور تماشاے قص و سرود سے محفوظ ہوں قاصان
پیری پیکر ہر طرف سرگرم ناز و انداز تھیں اور مہ جبینان ناہید نواز زمزمہ پرہ واز۔ دس بارہ
روز تک محفلیں گرم رہیں۔ کل ملازمین شاہی و رؤسائے شہر کے واسطے تورہ جات
کا حکم تھا جس کا جی چاہے نہ نقد پاس روپیہ تورے کی قیمت لے خواہ تورہ لے،
جتنے قلم کے نوکر تھے نام بہ نام سب کو تورے تقسیم کئے جاتے تھے مثلاً میرے والد کا
تورہ جدا میرے نام جدا میرے چھوٹے بھائی کے نام جدا وہ بھی نوکر تھا میری والدہ کے
نام جدا۔ کیونکہ ایک تنخواہ ان کے نام بھی تھی میں نے ہتھمال تورہ بندی سے کہلا بھیجا
تھا کہ آٹھ روز کے بعد ایک تورہ بھجوا دیا کرو اس دریا دلی سے تقسیم تورہ جات کی ہوئی
تھی جس روز تورہ آتا تھا تمام عزیز واقارب دوست احباب کے گھر کھانا تقسیم ہوا
کرتا تھا۔ ایک تورہ میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل شکم سیر ہو کر کھائے میرے

مکان کا تمام دالان بھر جاتا تھا ایک ایک طباق میں پانچ پانچ سیر کھانا ہوتا تھا چار چار
پانچ پانچ طرح کے پلاؤ رنگ رنگ کے میٹھے چاول، سرخ، سبز، زرد، اور دسے پانچ
سیر کی باقر خانی ایک شیریں ایک نمکین اور کئی قسم کے نان غرضکہ اقسام خوردنی سے کوئی
شے باقی نہ رکھی گئی تھی مختصر یہ کہ کسی ریاست میں ایسی پر تکلف کوئی تقریب نظر سے
نہیں گزری جو اس نئی نوری سلطنت میں دیکھنے میں آئی۔ اس کے علاوہ جن شراف نے قصا
تہنیت اور سہرے وغیرہ لکھے تھے۔ باوجودیکہ ملازم تھے مگر سب کو صلے و خلعت و
انعام عطا ہوئے۔ شاگرد و پیشہ کو جوڑے تقسیم کئے گئے۔

بادشاہ کی سواری کی گاڑی میں سولہ گھوڑے لگائے جاتے
شاہی سواری تھے اور نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی سواری میں آٹھ گھوڑے

لگائے جاتے تھے۔

کہاں وہ خسرو عالی نظر بہادر شاہ کہاں وہ سرور نیکو سیر بہادر شاہ
کہاں وہ بادشاہ داد گر بہادر شاہ کہاں وہ داور والا گہر بہادر شاہ
کہاں سے باغی بے دین آگئے ہئے ہئے
کہ نام اُس کا جہاں سے مٹا گئے ہئے ہئے

لے مرزا جواں بخت ہی کی شادی پرمزاعاٹب اور اُستاد ذوق نے سہرے کئے تھے۔
ذوق نے اس موقع پر ایک طویل قصیدہ بھی کہا تھا جس کا مطلع ہے۔

پائے نہ ایسا ایک بھی دن خوشتر آسمان
کھلے اگر نیاز برس چسکرا آسمان!

کیسی آتش فتنہ لگائے ظالم جہاں میں ایک قیامت مچائے ظالم
 غرضکہ نام خلافت اٹھائے ظالم سبھوں کو مٹنے سے پہلے مٹائے ظالم
 کسی پہ ہر خدا کا نہ آفت آئی تھی !

یہ خاندان مگر قیامت آئی تھی

حضرت بادشاہ کیوان بادشاہ حق آگاہ معرفت و تدکاہ جامع الکمال و مورد افضال حضرت
 ذوالجلال تھے۔ سوائے رتبہ اعلیٰ سلطنت دنیوی تصفیہ باطنی سے بھی موصوف تھے۔
 اکثر تصرفات حضرت کے سُننے میں آئے ہیں۔ چنانچہ زانجلہ ایک یہ بھی تکیہ کلام حضرت کا
 تھا کہ میری اولادِ حق آرزو سلطنت کی رکھتی ہے۔ یہ کارخانہ آگے کو چلنے والا نہیں ہے
 مجھ ہی پر خاتمہ ہے از تمور تا ظفر چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا حضرت کو بیت میاں
 کمالے خاں صاحب نبیر مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ سے ہے اور مریدان حضرت بھی بیا
 از بسیار تھے۔ اس کے علاوہ جمیع علوم و فنون عجیبہ میں دستگاہ تام رکھتے تھے +

خط نسخ میں حضرت بادشاہ ظل اللہ میرے جدِ بزرگوار میر نام علی
 شاہ صاحب مرحوم کے شاگردِ رشید تھے۔ میرے دادا نے

فن خوش نویسی

میرے والدِ اجدادِ بادشاہ کو برابر بتایا تھا۔ دولہ بزرگوار خوش نویس لاثانی تھے۔ دہلی میں چلنے
 اس فن کے خوش نویس تھے میرے والد کے یا بادشاہ کے شاگرد تھے ایک بار ایک قصیدہ
 عربی سلطانِ روم کی مدح میں خلیفہ مصر کی جانب سے ولایت کر بھیجا گیا۔ اور ولایت
 سے دہلی میں آیا۔ طامس صاحب پرنسپل ڈپٹی نے میرے والد سے کہا کہ آپ اُسے
 لکھ دیجئے۔ والد نے جواب دیا میں بغیر اجازت حضور کے نہیں لکھ سکتا۔ آپ اجازت حاصل
 کیجئے میں لکھ دوں گا۔ طامس قصیدہ کو لے کر حضور میں گئے اور تمام کیفیت عرض کی

حضور نے والد کو بلوا کر حکم دیا خلیفہ تم لکھ دو میرے والد نے اس کی صحت کرا کے لکھا
کہ طامس صاحب نے بہت سا سونا چڑھا کر اسے تیار کرایا اور پھر وہ ولایت کو
بھیجا گیا۔

فن شعر و سخن حضرت بادشاہ شاعر لا جواب و زبان دانِ کامل تھے۔ کوئی محاورہ
زبان کا باقی نہیں چھوڑا۔ پانچ دیوان موجود ہیں۔ شاہ نصیر مرحوم اور
شیخ ابراہیم ذوق خاقانی ہند کے شاگرد تھے۔

فن سپاہ گری بندوق ایسی لگاتے تھے کہ باید و شاید۔ بال بنید نشانہ اڑا
کبھی نشانہ خطا ہی نہ کرتا تھا۔ بارہا ایسا دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ
جانور اُڑتا ہوا جاتا ہے ہوا دار پر بندوق دھری ہے اٹھانی اور جھونک دی۔ چھتیا نے
کی حاجت نہیں لوٹ پوٹ ہوا اور ہوا دار میں آ رہا۔ دریا میں مچھلی یا مگر نے منہ نکالا اور
گولی منخرن پر پڑی اور چت ہو گیا

فن تیر اندازی فن تیر اندازی میں بادشاہ آپا سنگھ سکھ کے شاگرد تھے۔ بادشاہ
کی کثرت تیر اندازی کا حال میں نے اپنے والد کی زبانی سنا ہے
کہ بادشاہ زمانہ ولیمہ دی میں جوان تھے۔ تیر اندازی کی مشق بڑھانے کو دیوان خاص میں
ایک جرِ ثقیل لگا رکھی تھی تین بن جنوں کی پوٹ نیچے لٹکتی تھی جرِ ثقیل کے ذریعہ سے اُسے
چسکی سے کھینچا کرتے تھے تیس ٹانگ کمان کھینچنے پر قادر تھے۔ اچھی کمان کو کبادہ بنا کر

لہ کبادہ۔ محنت مشقت۔ رخ کھینچنا۔ اصطلاح میں اس کمان کو کہتے ہیں جو بہت نرم ہوتی ہے۔

اور اس میں کئی جگہ چاک لگا دیے جاتے ہیں تاکہ نرم ہو جائے۔ اور تیر کھینچنے میں کمان کو زیادہ زور سے

کھینچنا پڑے اور اسی طرح کمان کھینچنے کی مشق ہو۔ کبھی اس کا چلہ زنجیر کا ہوتا ہے (باقی حاشیہ)

پھینک دیتے تھے۔ ایک دن سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں
 مرزا فتح الملک بہادر ولیچہد ثانی کا باغ تھا وہاں سے کچھ شور و غل کی آواز آئی تھی۔
 فرمایا اقل کیسا ہے۔ عرض ہوئی مرشا زاد سے تیر لگا رہے ہیں۔ حکم ہوا سواری اُدھر لے
 چلو۔ غرض وہاں پہنچے۔ سب آداب بجالائے فرمایا تیر لگاؤ۔ سب تیر لگا نے لگے۔
 فرمایا تیر کمان اُدھر لاؤ۔ کمانوں کی کشتی پیش کی گئی ان میں سے ایک کمان اٹھالی ماور
 تین تیر کھینچ لئے اور استاد پر باقاعدہ کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا۔ تیر تو وہ میں پوست ہوا
 ایک بالشت باہر اسب نے تحسین آفرین کی۔ دوسرا تیر اور لگایا۔ وہ اس سے زیادہ
 تو وہ میں داخل ہوا تیسرا وہ بالکل سب مفروق تھا فقط لب سرفا رہی باہر رہے اور تمام
 تیر غرق تھا۔ نعرہ تحسین و آفرین بلند ہو گیا۔ یہ میری چشم دید بات ہے۔

شمشیر زنی

ہمیشگی کے فن میں بادشاہ میر حامد علی صاحب کے شاگرد تھے میر حامد علی
 و میر اشرف علی دو زبانی استادِ کامل تھے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے
 رئیس ان کے شاگرد تھے۔ علی مدنی کسرت جو حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی ایجاد سے ہے
 وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی۔

میں نے اپنے والد کی زبانی یہ سنا ہے کہ بادشاہ قن تنہا آٹھ آدمیوں کے مقابل
 یکدم کسرت کرتے تھے اور آٹھ آدمی براہِ بزن پہ چوٹ کرتے تھے اور بادشاہ سب کے وار
 روکتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے۔ اس قدر مشق بہم پہنچانی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) ہندوستان میں اس کمان کو لیزم کہتے تھے۔ استاد ذوق نے کہا ہے ۵

خبر کر جنگِ نفل کی تو مجنوں اہل ناموں کو !

کبادہ تا صبا کچھو اسے شاخِ بید مجنوں کو

فن شہسواری

مشہور روضہ کار ہے کہ ہندوستان میں ڈھائی سوار تھے ایک بہادر شاہ

دوسرے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر جنہوں نے انگریزوں سے شرط

بدرالہ آباد کی خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا۔ اب
سن مبارک رستی برس سے تھلوز کر گیا تھا لیکن اب بھی جس دن گھوڑے پر سوار ہو جاتے
تھے اپنی شہسواری دکھا دیتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم
کر دیا ہے۔ ایک روز حضرت نظام الدین اولیا کو سوار می مبارک جاتی تھی تسبیح خانے
میں سے جب برآمد ہوئے تو ہوادار میں تو سوار نہ ہوئے۔ سامنے خالصوں کی لہین لگی ہوئی
تھی۔ آگے چابک سوار کھڑے تھے۔ مجربیک کی طرف نگاہ الطاف ہوئی وہ آگے حاضر
ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ دامالی گھوڑا تو خرید جو تہاری تفویض ہوا ہے وہ دامالی
سواری ہے۔ مجربیک نے لائق باندھ کے عرض کی حضور کے اقبال سے تیار ہے۔
فی الفور گھوڑا آگے آیا حضور سو اچھے۔ سب ملازم رکاب سعادت میں ہمراہ ہوئے۔
آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نقارہ خانہ کی فلیر مٹی سے باہر ہو کر تپو لہیہ کے پتری پر
پہنچے۔ گھوڑا گرین جھکائے ہوئے دانہ سے کھینٹا ہوا اپنے کو بناتا ہوا جھومتا چلا جاتا
ہے۔ وہاں جا کر مجربیک نے نظر بچا کر گھوڑے کے پچھلے لائق سے چھپکا دیا اور گھوڑا
فراچھکا چونکہ یہ سکار بند کھڑے ہوئے گھوڑے کے ساتھ بیٹھے چلے آتے تھے۔ بادشاہ
نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا کیا کرتا ہے میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں۔
گھوڑے کی چال کی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ لے دیکھ تو بس ذرا زلوں میں مسکا ہے کہ
گھوڑے نے بچے بھرنے شروع کئے۔ ایک پلہ بھر سی طرح اڑتا ہوا ہو گیا ہے۔ جیسے
کوئی پرند اڑتا ہے یا ہرن چمڑیاں پھرتا ہے بعد تھپکی ٹھٹکی سے کہ گھوڑے کو چکار

ایا پھر سب لوگوں کو سواری کا حکم دیا۔ سب اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دو گامے قدم پر لگا دیا اور گھوڑے نے کلانیاں مارا کر اور جھوم جھوم کر دو گامہ چلنا شروع کیا۔ اسی طرح تین کوں شہر سے درگاہ ہے اسی طرح پہنچے اور دروازہ درگاہ پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے۔ واپس آتی دفعہ مولا بخش ٹالھتی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لائے۔

حضور انور جیسے شہسوار تھے۔ اسی درجہ مبصر بھی تھے۔ گھوڑے کے غیب و
مبصری حساب و قوم دور سے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ اور ہر قوم کی عادت سیرت سے آروئے تجربہ آگاہ تھے۔ شہر میں جو سوداگر پیش قیمت گھوڑا لے کر آتا تھا۔ اول حضور کو ملاحظہ کرایا جاتا تھا۔ اس کے بعد شہر کے رئیس دیکھتے تھے جو گھوڑا اچھا قوم دار آتا وہ حضور لیتے تھے۔

حضور نے ایک نکتہ بطور قاعدہ کلیہ تعلیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سو برس سلطنت رہتی ہے اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ کا وزیر اور شناخت ان کی یہ ہے جس رنگ کا بادشاہ ہوتا ہے سو برس تک اس رنگ کا گھوڑا شیریں نہیں ہوتا۔ بلکہ وفا ور ہوتا ہے اور اس کی پیالیش بکثرت ہوتی ہے اور وزیر کی شناخت یہ ہے کہ اس کی عادت بادشاہ سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بطور شاہانہ ایک دو شیریں بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی پیالیش نسبت بادشاہ قدرے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ پورے کی سلطنت ہے اور سبز کے کی وزارت اور بعد سبز کے کی سلطنت ہوگی اور پورے کی وزارت۔

گھوڑے کی اقوام میں سے ایک قوم ہے پیر یا اس کا خواص یہ ہے کہ وہ نہ چشتیہ

کے روز روزہ دار رہتا ہے اور اپنے تھان پر نہیں اور غلیظ آدمی کو مثل خاکروب وغیرہ کو نہیں آنے دیتا۔ اور اگر آجاتا ہے تو فوراً اس پر چوٹ کرتا ہے۔

ایک بار میں دربار میں موجود تھا ولایتی سو داگر گھوڑے لے کر آئے۔ دس بارہ گھوڑے تھے لال پردہ کے آگے گھوڑوں کی صفہ استاد تھی اور حضور دیوان خاص کے بیچ کے در میں تشریف رکھتے تھے اتنے فاصلہ سے دیکھ کر فرما دیا کہ ان گھوڑوں میں موہ گھوڑا اچھا ہے بشرطیکہ شریہ نہ ہو۔ غرض کہ موہے کو آگے طلب کیا گیا۔ واقعی گھوڑا شکل و صورت کا بہ نسبت کاروان اچھا تھا۔ حکم ہوا۔ سواری دکھی جائے۔ ایک چابک سوار کو سوار کرایا گیا۔ چابک سوار نے چال باگوں کو پھیر کر دکھائے۔ گھوڑے نے باگ پر لے کر شرارت شروع کی کھڑے ہو کر تالی بجائی اور نیچے اتر کر اچھی پھینکی۔ موزے پر منہ ڈالا سوار بڑا تھا ڈر گیا مارا نہ گیا جان بھائی مشکل ہوئی اسے اتار دیا گیا۔ دوسرے سوار چڑھا اور اس نے مارنا شروع کیا۔ گھوڑا اڑ کر فرار خانہ کے مالان میں جا پڑا۔ اکثر سامان کا نقصان ہوا۔ سوار نے وہاں سے مار کر کو دیا آبدار خانہ میں لے گھسا۔ وہاں سے بھی مار کر نکالا۔ وہاں سے چڑیا خانے میں جا پڑا وہاں سے مار کر باہر لایا دو گھنٹے برابر سوار کی اور گھوڑے کی لطافتی رہی۔ اب گھوڑے کا یہ حال ہو گیا کہ پیٹنے میں شراب اور تمام رازوں کے ٹکڑے ہو گئے۔ جا بجاسے خون کی فصدیں کھل گئیں اور خون بہت بہ گیا۔ اور گھوڑا انڈھا ہو گیا۔ اب سوار بدھ کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے۔ کیا مجال کہ سرتابی کرے اور بادشاہ کے آگے ناک پھیر کر دکھلا دیا اور سلام کر کے اتر پڑا۔ اسی وقت بادشاہ نے ایک شالی رمال چابک سوار کو عطا فرمایا۔

مولا بخش نامی لاکھتی | مولا بخش نامی ایک قدیمی لاکھتی معمر تھا۔ کئی بادشاہوں

کی سواری دی تھی اس ہاتھی کی عادتیں بالکل انسان کی تھیں۔ قد و قامت میں ایسا
 بلند بالا ہاتھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ تھا اور نہ اب ہے۔ یہ ہاتھی بیٹھا ہوا اور
 ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا۔ خوبصورتی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ دوازدہ ہاتھ
 رہتا تھا کسی آدمی کو مولے ایک ہاتھی کے پاس نہ آنے دیتا تھا جس دن بادشاہ کی
 سواری ہوتی تھی اس سے ایک دن پیستیر بادشاہی چوبدار کا حکم سنا دیتا تھا۔ میاں
 مولائیش کل تہاری نوکری ہے ہشیار ہو جاؤ۔ ہنادم ہو کر تیار ہو رہو۔ اسی وقت سے
 ہوشیار میں فیلبان تہان سے کھول کر جنبا میں لے گئے اور لے جا کر ٹاڈا اور بانوں
 بے میل چھڑانا شروع کیا پھر دوسری کوٹ لٹا کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے
 نقان پر لائے نقاش نے مستک پر نقش و نگار کھینچ دیئے۔ وقت سواری گدیہ کس کر
 کارخانہ میں لے گئے گھنا پھنیا بھولی ٹوالی غامری کسی نقارخانہ کی ڈیڑھ سی پر لاکر استاد
 کر دیا۔ برابر اٹھتوں کی قطار کھڑی جس وقت ہوا دار سواری بادشاہ نقارخانہ کے دروازہ
 سے برآمد ہوا پیچ مار کر تین سلام کئے اور خود ہی بیٹھ گیا۔ جس وقت تک بادشاہ سوار نہ
 ہوئیں اور خواص نہ بیٹھ لے کیا مجال کہ جنبش کر جائے۔ جب بادشاہ سوار ہوئے۔ اور
 فرجدار نے اشارہ کیا فوراً استاد ہو گیا۔ ایک خوبی اور تھی کہ وقت سواری دوکانیں اس
 کے دونوں کانوں میں پہنائی جاتی تھیں وہ ترکش نیزوں کے کانوں کے نیچے آویزیں کئے
 جاتے تھے اور بہت بڑی سپر فولادی مستک پر نصب کی جاتی تھی اور بہت بڑا حقہ چاندی
 کا مہ چلم و چنبرہ اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور چوپان کی شک فرجدار خاں اپنے کندھے
 پر رکھتے۔ بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے اور سواری رواں ہوتی تھی۔ کیا مقدوس ہے
 کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گرے ایسا سب نقار تھا بڑی منجھولی نقار تھی۔ قصہ مختصر جب

سواری سے فرصت پائی۔ پھر ویسا ہی مست ہے جیسا تھا۔ یہ کمال اُس ہاتھی کو حاصل تھا۔ اس کے علاوہ ایک وصفت اور تھا کہ تمام دن خود سال جو بارہ برس کے سن سے کم سن بچے محصور ہوتے تھے اُس کے گرد بیٹھے رہتے تھے۔ ان سے کھیلا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے گنوں کی پوریاں توڑ کر صاف کر کے ان کو دیا کرتا تھا۔ دن بھر بچے اُسے گھیرے رہتے تھے۔ بچے اُسے کہتے تھے مولا بخش نکی آوے تو وہ ایک اپنا اکلا اٹھ زمین سے اٹھا لیتا تھا اور ہلایا کرتا تھا اور بچے جتنی دیر کی تعداد لگا دیتے اور کہہ دیتے کہ گھڑی بھر پاؤ گھڑی اُسی قدر ہاتھ اٹھائے رکھتا تھا۔ جب بچے کہتے ٹیک دو ہاتھ ٹیک دیتا۔ پھر آپ توں کہتا بچے ایک پاؤں سے کھڑے ہو جاتے اگر وہ گھڑی بھر سے پیشتر کہتے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو سر ہا دیتا بھی نہیں ہوتی ہے اور جب گھڑی پوری ہو جاتی تو خود ہی قول کہہ دیتا۔ بچے پاؤں ٹیک دیتے تھے جس دن بچے نہ آتے تو چھین مار کر ہلا لیتا تھا۔ بچوں کو گنے کھلاتا۔

جب فیلیخانہ شاہی اور اصطلیل پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اسپر ہدم اور مولا بخش ہاتھی نے دانہ پانی چھوڑ دیا۔ اسپر ہدم بہت بڑا شاندار گھوڑا دور کا بہ نہایت خوش رنگ اور خوبصورت تھا۔ سواری میں سب کو تلوں سے آگے چلتا تھا زانہ ولیم ہدی سے ہارٹا کی سواری میں تھا۔ اب اُس کی عمر چالیس سال کی ہوئی تھی۔ تمام جسم اُس کا منقش تھا اور چھوٹے چھوٹے گلاب کے پھول کی برابر سرخ رنگ کے پھول تھے۔

جب ان دونوں نے آپ ودانہ ترک کر دیا تو مولا بخش کے فیلیبان نے جاکر سائڈس صاحب کو اطلاع دی کہ ہاتھی نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ کل کلاں کو نیکی بدی ہو جائیگی تو سرکار مجھے پھانسی دے گی۔ سائڈس صاحب کو باوند نہ آیا فیلیبان کو گالیاں دیں اور

صلاح و تقویٰ طہارت و عبادت کی جانب مائل تھا۔ ایام شباب میں بھی ترکِ مہنہ نہ
و ممنوعات شرعیہ نہ ہوئے۔

خوش بیان اس درجہ تھے کہ اگر پہلوں بیان فرمائے جائیں تو دل کو سیری نہ حاصل
ہو۔ صد افسانہ لکھے لطیفہ و حکایات عجیبہ و غریبہ لوگ زبان تھیں۔
اکثر تذکرہ جات عالم شاہزادگی و زمانہ سلطنت حضرت شاہ عالم بہادر مرحوم بیان
فرمایا کرتے تھے۔

جائے افسوس و مقامِ عبرت ہے دنیا ناپا مار و بے وفا و زمانہ فدا کا کیا اعتبار
کیسی پرانی سلطنت کس زمانہ کی سلطنت معرضِ زوال میں آئی ہے۔ کیسے کیسے بادشاہان
اولوالعزم کشورستان صاحبِ اقبال اس خاندان والا دو دمان میں گزرے ہیں۔ جن
کے رایت جہانگیر کا پھر پھر قیصرِ روم و خاقانِ چین و زارِ روس کے سروں پر پہرتا تھا۔
بزورِ شمشیرِ غرب سے شرق تک کشورستانی کا ڈنکا بجا دیا بہفتِ اقلیم میں رعیب و اب
کا سک بٹھا دیا۔ شاہزادیِ التقویٰ سے لے کر بہادر شاہ بادشاہِ دہلی تک پانچ ہزار سال
سے زیادہ سلطنت خاندانِ مغلیہ میں رہی ہے۔

امیرِ تمور کشورگر کی ہمت و جرأت کو غور کیا جائیے کہ بہفتِ اقلیم میں قبضہ جما دیا۔
اور بڑے بڑے سرکشوں کو کتے کی کھوپڑی میں پانی پلوا دیا۔ سلطانِ روم کو لوہے کا پنجرہ
جھکا دیا۔ یابر کی علو مہنتی کو دیکھنے تن تنہا بجانِ واحد گھر سے نکل کر سرحدِ کابل سے تا
دریائے شور اپنا قبضہ جمالیا۔ بادشاہِ اکبر نے حکمتِ عملی سے تمام ہندوستان کے
کان میں کوڑی ڈال دی۔ عالمگیر تو اسمِ باستے پرے پرے عالمگیر ہی ہوئے۔
باون برس کپڑے کے خیمہ میں بس کر کے تمام ہندوستان پر قابض و متصرف ہو گئے۔

ایسی قدیم سلطنت کو زمانہ نامہنجا رو بہ وفانے ایسا نیست و نابود کیا کہ تواریخ تک میں
درج کرنے کو نام و نشان باقی نہ چھوڑا اور کچھ پاسِ قدامت نہ کیا۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

تو نگری بدل است نہ بسال

سجیاں ز اموال برے خوردند نجیساں غمِ سیم و زرے خوردند

راجہ ایچیت سنگھ

ان کے واقعات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ راجہ صاحب موصوف رئیس ریاست
ٹیپالہ کے چچا تھے ایامِ شباب میں واردِ وطن ہوئے تھے۔ ولی کے عیش و عشرت ایسے
مغربِ طبع ہوئے کہ پھر وطنِ مالوت کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ ڈیڑھ دو لاکھ کے جاگیردار
تھے جس وقت آپ کی جاگیر کا روپیہ آتا تھا کل سامانِ امارت از سر نو درست کر کے راجہ
بن بیٹھتے تھے۔ مکان کی آرائش شیشہ آلات۔ جھاڑ فانوس گاڑی۔ بگھی۔ سامانِ پوشاک
لباس وغیرہ وغیرہ سب از سر نو خرید کیا جاتا تھا اور جب داد و پیش وغیرہ پر کمر باندھ جاتی
تھی۔ تو چند روز میں سب کو دے دلا۔ فقیر ہو بیٹھے تھے ایک بوریا ایک کبیل رکھ لیتے
تھے اور کہتے تھے "اسیں تو فقیر ہیں" بعد قرض و دم پر گزر کرتے تھے۔ سال بھر میں
دو لاکھ روپیہ کے مقروض ہو جاتے تھے۔ جب وہ تین سال میں پانچ چار لاکھ قرض ہو
جاتے تاشیں ہوتیں ڈگیاں جاری ہوتیں۔ یہ خبر ٹیپالہ میں پہنچتی رئیسِ ٹیپالہ بنجیال بدنامی
ریاست روپیہ بھیج دیتے اور سال بھر میں ان کے واسطے پانچ چھ گھوڑے پیش قیمت
معہ سائیکل و نقرہ ایک دوزخیر فیل برائے سواری بھیجتے رہتے تھے اور یہ ہر سال لگوں

کو بخشش کر دیتے تھے۔ ایک سال ایک فیل دادہ محمد زیور نقرہ و جمہول زر و وزی و حوضہ
نقرہ و یک ہزار روپیہ خوراک موئن خاں صاحب کو عطا کی تھی۔ اور ایک زنجیر پانچ فیل
داغ صاحب کو عطا ہوا تھا۔

راجہ صاحب موصوف کو دو باتوں کا شوق از حد تھا۔ ایک شعر و سخن کا دوسرے
ساق مزامیسر۔ کا جتنے ارباب نشاط تھے سب دیار میں بارہ بیٹے حاضر
رہتے تھے۔

جس شخص کو سن لیتے تھے کہ شعر کہتا ہے گھر سے بلوا کر اس کی قدردانی حد سے
نائد فرماتے تھے۔ صبح کے نو بجے حوائج ضروری سے فارغ ہو کر دربار کرتے تھے۔
دربار میں مصاحبین شعر و غیرہ دوست احباب فراہم ہوتے تھے۔ اور بزمِ رقص و
سود گرم ہوتی تھی۔ رات کے دس بجے تک صحبت عیش و عشرت میں ہر طرح کی دل
لگی رہتی تھی۔

پوشاک نہایت عمدہ و لطیف پہنتے تھے اور اہل صحبت کو بھی خوش پوشاک کھتے
تھے۔ اور ہر روز داد و دہش فرماتے رہتے تھے جو شاعران کے پاس پہنچ گیا اور دس
پانچ شعر اس کے سُن لئے خالی نہ جانے دیتے تھے اسی وقت اس کو خلعت نقد
وغیرہ عطا کرتے تھے۔

برسات میں یہ کیفیت ہوتی تھی کہ بیس مجلس خیا ط بیٹھے ہوئے ہیں اور تھان پر
تھان پارچہ اور گوٹہ کناری وغیرہ کے چلے آتے ہیں اور سیلے منڈیلیں بناری اور
دو شالے وغیرہ خریدے جا رہے ہیں اور جوڑے تیار ہو کر سب کو ایک رنگ تقسیم
ہو رہے ہیں۔ بیس بیس ہزار روپیہ میں نے ایک جلسہ میں تقسیم کرتے ہوئے دیکھا ہے

غرض کہ چند روز میں زر نقد تقسیم ہو جاتا تھا بعد تو شے خانہ تقسیم ہوتا تھا بعد سواریاں
بخشش کی جاتی تھیں۔ پھر سامان مکان تقسیم ہوتا تھا۔ جب سب کچھ دے چکے
تھے تو بستر تک اٹھا کر بورسیہ پر ہو بیٹھتے تھے۔

اس دل گروے کا فیاض بے شک امیر نظر سے نہیں گزرا۔ یہ انتہا کی سخاوت ہے
اگر کوئی صاحب ملک اس درجہ سخی ہو تو عجب نہیں۔ اس کم بضاعتی پر دیا دل ہونا
تعجبات سے ہے ایک بار ایک گھوڑا تین ہزار روپیہ کی قیمت کا گیسٹیا لہ نے
بھیجا اور اپنی قسم لکھی کہ تم اس گھوڑے کو ضائع نہ کرنا یہ نایاب ہے اور کارداروں کو
تاکید لکھی کہ اگر یہ گھوڑا کسی کو دیا جائے گا تو تمہارے لئے بہتر نہ ہوگا۔ خیر کاردار حفاظت
کرتے تھے۔ ایک روز یہ غوٹیں دروازہ میں اُس پر سوار چلے آتے تھے کہ ایک فقیر نے
سوال کیا کہ راجہ جیت سنگھ تمہارا نام سنکر دوسرے آیا ہوں کہ راجہ صاحب بڑے
سخی ہیں جب میرا سوال پورا کرو۔ تو میں جانوں۔

راجہ صاحب ۱۔ تیرا کیا سوال ہے۔

فقیر ۱۔ یہ گھوڑا مجھے دے دو۔

راجہ صاحب گھوڑے پر سے اتر پڑے۔ گھوڑی کی باگ اُس کو دے دی
اور کہا کہ میں جانتا تھا کوئی بڑا سوال ہوگا کہ مجھ سے پورا نہ ہوگا۔ یہ تو کچھ بھی سوال
نہ تھا۔ غرض کہ فقیر گھوڑا لے کر لہا ہی ہوا۔ یہ پیادہ پاسکان پر پہنچے۔ کارداروں نے
سنا کہ گھوڑا دے آئے وہ تلاش کر کے فقیر کے پاس پہنچے اُس سے دریافت کیا
گھوڑا بیچتا ہے اُس نے کہا اہل کامدار نے کہا کیا لے گا اُس نے کہا ایک ہزار
کارداروں نے فی الفور گھوڑا کھول لیا۔ مکان پر لاکر ہزار روپیہ اُسے دے دیا۔

جب تو وہ گھوڑا بچ رہا بعد چھ ماہ کے کسی اور کو دے دیا +

شہر دہلی کی تقریبات

دہلی میں یوں تو سب میلے مثل عیدین اور بارہ ذواتیں اور ہشتیوں اور حضرت نظام الدین اولیا کی سترھویں بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھیں اور تمام شہر کی خلعت کا اثر و عام عام ہوتا تھا۔ مگر سیر گنفر و شاں عجب پر تکلف اور رنگین میلہ تھا ایسا میلہ میری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔ ہر چند کہ بڑے بڑے میلے ہندوستان کے مثل ہروا اور ٹبیر اور بکتیر میں نے دیکھے ہیں۔ مگر تو یہ لاجل و لا قوۃ پھول والوں کی سیر کی کیفیت اور تکلفات سے کیا نسبت ہے۔ ان میلوں میں گنواروں فرام ہوتا ہے یہ تعلق بن کہا اول تو وہ منظر ہی ایسا خوش نما اور فرحت افزا کہ صد ہا صحرادرغزار کو ہمارے چشمہ سار میری نظر سے گزرے ہیں ایسا پرفضا پر بہار کہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہ ایسا خوبصورت تالاب نہ ایسے درختان گنجان سایہ دار نہ ایسا نازنین نگار۔ یہ میلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہوتا ہے مزار مبارک دہلی سے سات کوس کے فاصلہ پر جانب جنوب موضع مہرولی میں واقع ہے۔ یہ موضع زمانہ سلطنت راجہاں ہندوستان میں دار الخلافہ ہندوستان تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ راجہ پرکھتھی راج فرماؤا ہندوستان اسی مقام پر اورنگ آباد کے سلطنت تھا۔ اس کی بنیاد قلعہ اور محلات اور مسجد کتبہ و شکستہ و ریختہ عالی الان موجود ہیں اور نیز بنیاد مسجد نیم تیار بادشاہ قطب الدین فاتح ہندوستان بھی اسی محل پر مسمار شدہ یادگار رعدگار ہے۔ بیت خانہ لہ سلطان قطب الدین ایک۔ جن کا مزار لاہور میں ایک رعد پر ہے۔

ٹوٹا جاتا تھا اور مسجد تعمیر ہوتی جاتی تھی نصف بت خانہ ٹوٹا تھا اور نصف مسجد تعمیر ہوتی تھی کہ بادشاہ اسلام نے وفات پائی مسجد کی تعمیر ناتمام رہ گئی ۔

کار دنیا کے تمام کردار اس میں شک نہیں کہ اگر یہ مسجد تیار ہو جاتی تو روئے زمین پر اس تعمیر کا نظیر نہ نکلتا۔ اس مسجد کا ایک مینار تیار ہو گیا تھا اور دوسرا منور ناتمام تھا فقط ایک کھن آٹھنے پایا تھا مسجد کے مالان کے نصف تعمیر ہوئے تھے مینار مسجد کا ارتفاع اسی گز کا ہے۔ سات منزلیں اسی کی قرار دی گئیں۔ وہ مینار کی عمارت مٹھن کمر کی نہایت خوش بنا و مطبوع ہے اور پششش عمارت سنگ مرخ سے ہے اور اس پر کلام مجید چار انگل کے جلی قلم سے کندہ کیا ہوا ہے حروف ابجڑاں میں لیکن کس خوشنویس کے ہاتھ کی تحریر ہے کہ آنکھوں سے لگانے کو جی چاہتا ہے علیٰ ہذا القیاس مسجد کے دروں اور محرابوں پر بھی اسی قلم سے کلام اللہ ثبت ہے اس مسجد کے صحن میں وہ بت خانہ ٹکڑے ہے بت خانے کی عمارت سب عمارت سے جدا گانہ ہے فقط پتھروں پر پتھر چن دیئے گئے ہیں مگر کس ترکیب سے چنے گئے ہیں کہ آج تک برقرار میں بت خانہ کے صحن میں وہ ستون آہنی جس کو کہلی کہتے ہیں وہ نصب ہے اور اس پر پختہ شاستری کچھ عبارت کندہ ہے اس کی کیفیت اس طور پر ہے کہ پر تھی راج کو منجھوں نے خبر دی تھی کہ تیرے مہلات کی زمین میں راجہ باسک جو زمین کا راجہ ہے اس کا گزر ہو گیا ہے تو اس کے سر پہ کہلی بٹونک دے۔ کہ وہ یہاں سے جانے نہ پائے پھر تیرا راج اٹل ہو جائے گا۔ قیامت تک قری اولاد میں سے سلطنت نہ جانے پائے گی منجھوں کو زمین و آسمان کی تو خبر تھی۔ مگر خدا کے گھر کی خبر سے بخیر تھے ۔

شانِ قدرتِ دم کے دم میں کیا سے کیا پیدا کرے

جو نہ ہو وہم و گمان میں بدلا پیدا کرے

غرض کہ حسبِ ہدایتِ موسیٰ آہنی گاؤں میں تیار کرانی گئی اور بموجبِ نشانِ دم ہی
میں گھاٹ زمین میں ٹھونکی گئی۔ جب زمین پر نصب ہو گئی راجہ کو منجھان کے قتل کا اعتبار
نہ آیا کہ اس لاش کو باہر کھینچ لو کہ میں اپنی نظر سے دیکھ لوں۔ ہر چند برہمنوں نے
منع کیا اور سر شیکاگر راجہ کب ماننا تھا۔ مثلِ ہندی ہے راجہ ہٹ تریا ہٹ ہانک
ہٹ ایک نہ سنی اور کیلی کو اکھڑا کر دیکھا تو ایک لاش کیلی خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔
حکم دیا پھر اسی جا پر نصب کر دے۔ منجھوں نے کہا اب کیا ہوتا ہے وہ کہیں کا کہیں پہنچا
وہ پتال کا راجہ ہے کیا اب تک یہاں بیٹھا رہا ہزاروں کوں پہنچ گیا۔ غرض کہ وہ کیلی
آج تک اُسی جا موجود ہے۔ اسی محل سے آبادی موضعِ مہرولی شروع ہوئی ہے اور
مقام چھترہ اور اولیا مسجد پر جا کر ختم ہو گئی ہے اور اسی مسجدِ ناتمام کے گوشہ شمال
و مشرق میں سنگِ سرخ کا مجرہ ہے اس میں بادشاہِ علاؤ الدین کا مزار ہے۔ موضع
مہرولی کی آبادی بالائے سطحِ کوہ ہے یہ پہاڑ چنداں بلند نہیں ہے بلکہ زمینِ دوند
ہے اسی عمارتِ سمار شدہ کے آگے بڑھ کر عمارتِ موارِ مبارک خام ہے۔ مزار کا
چوڑا چار گز سے چار گز مربع ہو گا۔ ارتفاع ایک بالشت سے کم پر چوڑا کیا، ایک حد
بندی مزار ہے۔ موار پر مٹی کی ٹوکریوں کے اور جدا جدا نشانِ تاج و تہنوز موجود ہیں حالانکہ
ہزار بار شمسِ ہوتی مگر یہ تصرفِ حضرت کا ہے کہ ان ٹوکریوں کے نشانات کو تبدیل اور
تغیر نہ ہوا۔ حضرت نے قبلِ وفات مریدان کو وصیت فرمائی تھی کہ میرا مزار زمین و وزیرِ میر
آسمان رہے۔ یسقف اور گنبد وغیرہ کی تکلیف نہ کرنا۔ وہ گاہ اسی کے ملحق عمارتِ محلات

بادشاہاں ہے اور سامنے کے رخ کو جانب مغرب مکانات رعایا و امیراں ہیں اور بازار
 ہے اور آبادی ہے اور سرائے پختہ ہے اور دورویہ مکانات اور کمرہ جات اور دکانیں
 وغیرہ تعمیر ہوتی ہوئی چھرنے تک چلی گئی ہیں۔ آبادی کے گوشہ مغرب اور جنوب میں
 تالاب عظیم الشان ہے اور وسط تالاب میں ایک پختہ چوڑہ ہے اور اس پر ایک برج نما
 مکان ہے اس کے درمب کھلے ہوئے ہیں وہ تالاب حوض شمس کے نام سے موسوم
 ہے اس کو بادشاہ شمس الدین التمش نے کندہ کرایا ہے۔ یہ روایت اس طور پر مشہور
 ہے کہ بادشاہ شمس الدین کو خواب میں جناب سرور کائنات کی زیارت ہوئی اور اس
 نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہیں اور اس محل پر تشریف رکھتے ہیں
 اور ارشاد ہوا کہ شمس الدین یہاں حوض بنوادے۔ چنانچہ بادشاہ جب خواب سے بیدار
 ہوا اور اسی موقع پر پہنچا اور دیکھا کہ گھوڑے کے چاروں طرف کے نشان موجود ہیں۔ اسی
 وقت وہاں چوڑہ اور برج تیار کرانے کا حکم دیا اور گرد اس کے حوض کرا دیا۔ پہاڑ کا
 پانی جانب مغرب سے موسم برشگال میں بہہ کر اس میں فراہم ہوتا ہے اور مشرق کی جانب
 پشتہ پر عمارات دکانیں بازار و مکانات ہیں اور بازار کے عقب میں جانب
 مشرق نشیب ہے اور تالاب کے جنوب میں درختان گنجان اہم کے ہیں جو امریوں کا اندیرا
 باغ مشہور ہے۔ بازار کے اختتام پر جانب مشرق نشیب ہے اس کا ارتفاع قریب دس
 گز کے ہوگا اس محل پر چھرنے کی عمارت ہے۔ تالاب کے کنارے کی جو سڑک ہے اس کے
 نیچے ہی چھرنا ہے۔ چونکہ زمین تالاب کی پانی چھر کر چھرنے میں جاتا ہے چھرنے کے نشیب
 پر دیوار پشتہ ہے اور پشتہ سے ملحق ایک والان سنگ سرخ کا ہے اور دونوں پہلوں میں زمین
 ہے۔ اور آگے اس والان کے ایک حوض چوڑا چکلا قد آدم سے زیادہ عمیق ہے۔ اور

محسن وسیع پختہ چبوترہ کا ہے اور حوض میں سے ایک نہر رواں ہے کہ حوض میں پانی
چل کر نہر میں جاتا ہے اور نہر میں سے پانی کی چادریں چلتی ہیں اور چبوترہ پر سے نیچے
گرتا ہے اور سامنے اُس چبوترہ کے ایک پہاڑ کا ٹکڑا ہے کہ وہ ڈھلوان ہے اور اُس کے
پہلو میں زمین ہے اُس پر آدمی چڑھ کر اُس پہاڑ کے ڈھلان پر بہتے ہیں تو پھسل کر نیچے
زمین پر آ رہتے ہیں اُسے پھسلنا پتھر کہتے ہیں اور جھرنے کے مالان کے دونوں جانب
شمال اور جنوب میں عمارت کے دو مکان مالان و درمالان ہیں اور ان مکانات اور
محسن جھرنہ پر درختان انہ سائہ دار ہیں جھرنے کے حوض میں پانی تالاب کا بکثرت جھرا
کرتا ہے اور جھرنے میں چھلک کر نہر میں جاتا ہے اور نہر میں چادریں چھلک کر بہ جاتی ہیں۔
میلہ کے ہنگام میں اس مقام پر عجب کیفیت ہوتی ہے کہ قابل دید ہے۔ ہزار آدمی جھرنے
کے مالان کی سقف پر سے حوض میں کودتے ہیں اور تیر کر باہر نکلتے ہیں اور پھر چڑھتے
ہیں اور پھر کودتے ہیں ایک تار بندھا ہوا ہے بعضے پہلوان پانچ آدمی کو لے کر کودتے
ہیں اور پھسلنے پتھر سے سینکڑوں آدمی پھسلتے ہیں۔ جھرنے کے مکانات میں پھول والے
بیٹھے ہوئے چکھاتیاں کرتے ہیں ادھر تاشائیل کا وہ ہجوم ہوتا ہے۔ پانی کا اک شور
ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز نہیں آتی ہے ہزار ہا آدمیوں کا اثر و حام اس محل پر فراہم ہوتا
ہے۔ راہ چلنے کو خالی نہیں ملتی۔

۱۔ یہ پتھر اس بلا کا چکنا اور پھسلنا ہے کہ ذرا کئی اس پر بیٹھا اور پھسلا پھول والوں کی سیر میں لوگوں کا اس
پر چڑھنا اور پھسلنا تاشا ہو جاتا ہے استاد ذوق نے اس مطلع میں اسی پتھر کا حوالہ دیا ہے ۵

میں کہاں شگِ دریا سے ٹل جاؤں گا

کیا وہ پتھر ہے پھسلنا کہ پھسل جاؤں گا

یہ میلہ ساون کے مہینے میں ہوتا ہے۔ جمعرات کے دن پنکھا پڑھتا ہے چار روز برابر یہ میلہ رہتا ہے تمام شہر کی خلقت ہندو مسلمان امیر غریب اونٹنے اعلیٰ شہر سے سب چلے جاتے ہیں شہر میں دکان کوئی شاذ و نادر کھلی رہتی ہے ورنہ تمام حلوائی۔ نانہائی۔ طباق۔ کبابی سب خواجہ صاحب میں جا کر دکانیں لگاتے ہیں۔ حلوائیوں کی دکانوں کا ہجوم العظمیٰ اللہ ایک ایک دکان سولہ سولہ گز زمین مربع میں لگائی جاتی ہے۔ دکان کے اندر بڑے بڑے کڑاؤ گھی کے چڑھے ہوتے ہیں اور کچوریاں پوڑیاں۔ بیوریاں شیرینی وغیرہ تیار ہوتی ہے بازار کی جانب آٹھ آٹھ بیچنے والے بیٹھ جاتے ہیں۔ تاہم وار نہیں آتا ہے۔

مکانوں کا کرایہ سینکڑوں روپے ہو جاتا ہے جا بجا ڈیرے خیمے اتار دے ہو جاتے ہیں۔ شہر کی خلقت شبانہ روز ناچ رنگ دکھتی ہے اندھیری بارغ میں جھولے پڑ جاتے ہیں۔ شاہدانِ بازار اُس میں جھولتی ہیں۔ ملہار کی تانیں اڑاتی ہیں جھل اور پہاڑ سب سبز ہوتا ہے ابر تیرہ قنار چھایا ہوتا ہے۔ ہلکی ہلکی بوندیاں پڑتی ہوتی ہیں۔ عجب کیفیت ہوتی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔

دن کے دو بجے جھرنے پر سے پنکھے اٹھتے ہیں۔ آگے آگے تو اور اقوام اہل حرفہ کے پنکھے ہوتے ہیں اور سب کے پیچھے پھول والوں کا پنکھا ہوتا ہے اُس وقت کا اثر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اگر سیر میں کسی آدمی کا پاؤں زمین سے اٹھ گیا تو آدمیوں کی چپقلش میں سو سو قدم تک ادھر چلا جاتا ہے ہر پنکھے کے آگے روشن چمکی بجتی جاتی ہے۔ اور جا بجا کھتے جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ پنکھا روانہ ہوتا ہے۔ نفیری والے ستم کرتے ہیں۔ ایسی سرلی نفیروں میں ملا رکاتے ہیں کہ آدمی بے اختیار اور سہو سہو

جاتے ہیں کچھ ہوش تن بدن کا نہیں رہتا ہے اور عالم بے اختیاری میں جو ہاتھ میں آیا پھینک دیتے ہیں۔ کوٹھوں اور مکانوں پر سے صد ہا روپیہ برستا ہے۔ نفیری والے برس دن کی روٹی پیدا کر لیتے ہیں۔ ہر کمرہ کے نیچے دس دس پندرہ پندرہ منٹا توقف کرتے تھے رات کو نو بجے جا کر درگاہ میں نپکھا پہنچتا تھا۔ دو گھنٹی کامل تو بادشاہی محل کے نیچے نفیری بجاتے تھے اور محل کی چلوں میں سے روپے اشرفیاں ابد بڑے برستے تھے۔ بعدہ جا کر درگاہ میں نپکھا چڑھاتے تھے۔ نپکھے کے دوسرے وزجمہ کو سب خلقت بدستور جی رہتی تھی اور جھرنے کی کیفیت اور میلے کے تماشے میں اور خرید و فروخت اشیاء تحفہ جات میں مشغول رہتی تھی۔ درگاہ کے دروازہ کے آگے نیا بازار لگایا جاتا تھا۔ ہر قسم کا سوداگری مال موجود ہوتا تھا خصوصاً سادہ کاری ہاندی سوئے کا ہلکا زیور بہت فروخت ہوتا تھا۔ بسا طیوں کی دکانیں بکثرت ہوتی تھیں لاکھوں روپیہ کی خرید و فروخت ہو جاتی تھی۔ دو تین شب تک شہر کے بازار میں مرو کا نام تک نہ ہوتا تھا۔ شہر کی مستورات پردہ نشین شب کو بازار میں نکلتی تھیں اور مسجد جامع میں جا کر سیر کرتی تھیں۔

ہفتہ کے روز خواجہ صاحب کی درگاہ سے خلقت رخصت ہو کر شہر کو آتی تھی۔ رات کو سب تک برابر خلقت کا تانا بندھا رہتا تھا اور جا بجا دکانیں لگی ہوئی تھیں اور کھلونے والے بیٹھے رہتے تھے۔ اب لوگ گھر کو آتے وقت گھر والوں کے واسطے انگوٹھی چھلے بچوں کے واسطے کھلونے لیتے جاتے ہیں اور چلتے جاتے ہیں۔ حضرت بادشاہ موسم بارش میں چار ماہ کامل یہیں رہتے تھے۔

۱۰ پھول داوں کے میلے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بنڈیڈنٹ سٹین صاحب (باقی حاشیہ بندھو)

شالانِ مغلیہ کی رعیت نوازی

یہ امر بھی خاندانِ تیموریہ پر ختم ہو گیا۔ جیسی رعیت پروری سلطنتِ مغلیہ نے کی ہے کسی تاریخ کی رو سے کسی عہدِ سلطنت میں نہیں پائی گئی رعیت کو بجائے اولاد سمجھا گیا ہے چنانچہ ایک ہاتھ ہندو نے اہلکارانِ سرکار انگریزی سے ساز باز کر کے شہر سے اخراج گاؤ قصابان کا حکم جاری کر دیا۔ اور سرکار سے دکانداران کا و قصاب پر تاکید کید ہوئی تھی کہ تم اپنی دکانیں شہر سے باہر لے جاؤ۔ اور تمام شہر کی دکانیں بند کرادی تھیں۔ ان غریبوں نے جب سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ دیکھا تو سب کے سب فرار ہو کر اپنے بال بچوں کو اور تمام گھربارا اپنا ہمراہ لے کر محل شاہی کے نیچے زیر جھروکہ آکر ڈنڈا ڈیرا ڈال دیا اور جھروکہ کے نیچے جا کر فریاد مچائی کہ ہم اپنا گھر چھوڑ کر شہر سے کہاں جائیں۔ بادشاہ رعیت پناہ نے بھروسے نہ لے کر ان غریبوں کے حکم دیا کہ ہمارا ڈیرہ خیمہ بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) پر شاہزادہ جہانگیر نے گولی چلا دی تھی۔ بدیں وجہ الہ آباد میں قید کر دیئے گئے۔ بلکہ ممتاز محل نے منت ماننی کہ جہانگیر رہا ہو کر آئیں تو حضرت خواجہ بختیار کاظمی کے مزار پر پھولوں کی مسہری چڑھاؤنگی۔ چنانچہ شاہزادہ جہانگیر جب رہا ہوئے۔ تو ملکہ نے بڑی دھوم دھام سے منت چڑھائی۔ تقریب میں شہر بھر کے ہندو مسلمان شریک ہوئے۔ قطب میں کئی روز میلہ لگا رہا۔ پھول والوں نے جو مسہری بنائی اس میں خوبصورتی کے لئے پھولوں کا ایک پنکھا بھی لگا دیا۔ بادشاہ کو یہ میلہ بہت پسند آیا۔ حکم ہوا کہ ہر سال بھادوں کے شروع میں یہ میلہ ہوا کرے مسلمان و گاہ شریف پر پنکھا چڑھائیں۔ ہندو جوگ بابا جی پر چڑھائیں۔ اس طرح اس میلے کی بنیاد پڑ گئی۔ بادشاہ اور شاہزادے قطب جاتے۔ وہاں رہتے اور میلے میں شریک ہوتے۔ (نظیر)

ریتی میں لب وریائے جمن اُن کے برابر لگا دو۔ جو حال رعیت کا وہ ہمارا۔ شاگرد پیشگان
 نے بجز و اصدار حکم ہار کا۔ سلطانی لے جا کر لب دیا استادہ کروئے۔ یہ خبر صاحب رزیدنٹ
 بہادر کو ہوئی وہ خبر سنتے ہی بادشاہ کی خدمت میں دوڑے ہوئے آئے اور حضور میں
 عرض کی کہ حضور یہ کیا کہتے ہیں۔ حضور کے ہمراہ تمام رعیت شہر سے نکل کھڑی ہوگی!
 بادشاہ سلامت بھئی جہاں میری رعیت وٹاں میں۔ رعیت میرے بال
 بچے ہیں میں اُن کو کیوں نکالنے سے جُدا کر دوں کہیں گوشت سے ناخن بھی جُدا ہوئے ہیں
 آج تو قصابوں کو شہر بدر کرنے کا حکم ہوا ہے کل کسی اور قوم کو ہوگا پرسوں کسی اور قوم
 کو ہوگا پرسوں کسی اور قوم کے واسطے حکم جاری کیا جائے گا رفتہ رفتہ سب شہر خالی کر لیا
 جائے گا۔ اگر تم صاحبوں کو شہر خالی کرنا منظور ہے تو صاف مجھ سے کہہ دو میں شہر کی
 رعیت کو ہمراہ لے کر خواجہ صاحب میں جا بیٹھتا ہوں شہر کا تم کو اختیار ہے جو جی چاہے
 وہ حال کرو۔

صاحب رزیدنٹ بہادر۔ حضور ہرگز ہرگز ایسا خیال نہ فرمادیں اسی وقت ان
 فریادیوں کی داد سی کرتا ہوں اور سب کو شہر میں آباد کئے دیتا ہوں۔ حضور اپنا خیمہ ڈیرہ
 اٹھوا منگائیں۔ صاحب رزیدنٹ بہادر نے اسی وقت زیر جھروکہ جا کر قصابان کو حکم دیا
 کہ جاؤ اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو اور ڈیرہ خیمہ بادشاہ کا اٹھوا دیا۔

فریاد شباناں | ایک بار گھوسویوں کو سرکار انگریزی نے حکم فرمایا کہ تم لوگ اپنی گائیں
 بھینسیں لے کر شہر سے نکلو اور بیرون شہر پناہ جا کر آباد ہو جاؤ۔

تمام شہر میں ایک غلغلہ برپا ہو گیا تمام گھوسے اپنے بال بچوں کو اور مویشی کو لے کر ریتی میں آ
 پڑے۔ اب یہ حال ہوا اور صر تو مویشی حیران پریشان گھبراتے ہوئے ادھر فریادیوں کے

بال بچوں کی گریہ و زاری کی پکاریے حال دیکھتے ہی بادشاہ رعیت پناہ کو کہاں تاب تھی۔
 کہ یہ زیادتی دیکھ سکیں بطور سابق پھر اپنا خیمہ ریتی میں بھجوا دیا۔

پھر اسی طرح رینڈینٹ بہاؤ آئے اور عرض معروض کی اور گھوسیوں کو حکم بھیجا کہ
 جاؤ بدستور قدیم شہر میں جا کر آباد ہو۔

اس کے بار بادشاہ سلامت نے صاحب رینڈینٹ سے کہا کہ دیکھو بھئی میری
 موجودگی میں تم رعیت کو گھر سے بے گھر نہ کرو اور بعد میرے تم کو اختیار ہے ولی کی اینٹ
 سے اینٹ بجا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا کابلی دروازہ سے لے کر قلعہ تک اور دریہ
 سے لے کر قلعہ تک اور جامع مسجد سے لے کر دہلی دروازہ تک بلاتی بیگم کا کوچہ خانم کا
 بازار۔ خاص بادار خان دوران خاں کی حویلی سے دریا گنج تک ہزارا مکانات منہدم اور
 مسمار کر کے دلی کا چہرہ بنا دیا گیا۔ اور چٹیل میدان کر دیا گیا۔

تیسرا باب

ہنگامہ غدر کا آغاز

ماہ رمضان کی پہلی

انقلاب دہرنے دکھائیں وہ نیرنگیاں

جب زباں پر لائے اپنا نیا افسانہ ہے

اُف اُف کس قیامت کی گرمی ہے کہ جگر کباب ہو جاتا ہے الحفیظ الامان

دھوپ کی تیزی اعظمۃ اللہ آسمان سے آگ برستی ہے گویا آفتاب سوانیزہ پر اتر آیا ہے۔

پیاس کے مارے زبان کل کل پڑتی ہے جلق میں کانٹے پڑے جاتے ہیں زمین کا طبقہ کوٹا

ہو رہا ہے وقتاً رُبّاً عذاب النار منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ ٹونجے سے ٹٹیاں چھڑکی

جاتی ہیں چکھا کھینچتا ہے مگر پسینوں میں شراب ہوئے جاتے ہیں۔ دن کیا ہوتا ہے۔

عشر کا دن ہوتا ہے۔ پہاڑ کی طرح کانٹا پڑتا ہے ہونٹوں پر جان آ جاتی ہے رات

کی گممس اللہم احفظنا من کل بلاء الدنیا۔ چھڑکاؤ ہوتے ہیں۔ پنکھے جھلے جاتے ہیں

پنک ترکے جاتے ہیں۔ تاہم کسی طرح نیند نہیں آتی۔ کروٹیں لیتے لیتے صبح ہو جاتی

ہے۔ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار۔

ابھی سلامتی سے جھپٹھ کے ۳ دن گزرے ہیں۔ بندہ روزے پندرہ برس کی برابر تصور کرنے چاہئیں۔ خدا خدا کر کے سوہویں شب نصیب ہوئی۔ رات کے دو بج چکے ہیں تیسرے کا عمل ہے ہوا میں کسی قدر خنکی آگئی ہے جس قدر صبح قریب آتی جاتی ہے رات بھینی بھینی ہوتی جاتی ہے۔ روزہ فار سحری کو بیدار ہو کر خورد و نوش میں مشغول ہیں۔ پچھلا پہرہ ہاں وقت ہے۔ مسجد جامع کا تقارہ گونج گونج کر بیدار باش کی آواز لگا رہا ہے خفتہ گانِ خواب غفلت کو جگا رہا ہے۔ چوکیدار گھر گھر جاگو کی آواز لگاتے پھرتے ہیں محلے محلے جگاتے پھرتے ہیں۔ سوہویں رات کا چاند وسط سما سے ڈھل کر قریب غروب پہنچ گیا ہے۔ روزہ فاروں کے گھروں میں عجب چہل پھل ہے۔ گھر گھر اچکے کا سامان نظر آتا ہے۔ اب وہ وقت قریب آتا جاتا ہے کہ روزہ دارانِ شب بیدار روز کی نیت باندھ کر خورد و نوش سے دست بردار ہوں۔ گھڑی دو گھڑی بسترِ راحت پر مداز ہو کر استراحت فرمائیں۔ تناولِ طعام سے فارغ ہوں پان کی گولیاں کٹوں میں دبا کر قلیان کے گھونٹ کھینچ رہے ہیں۔ اکثر جوان شر شر سلفوں کے دم لگا رہے ہیں۔ آنکھوں میں نیند کا خار ہے۔ پیٹھے پیٹھے اونگے جا رہے ہیں۔ اوصرا سمان کا رنگ بدلنے لگا ہے۔ آثارِ صبح منظر ہوتے جاتے ہیں صبح کا تارہ برآمد ہو چکا ہے مگر چاندنی کھل کھل کر اپنا روپ دکھا رہی ہے۔ دامِ تزویر پچھا رہی ہے عاشقانِ جمال کبریا با وضو ہو کر سر سجاوہ بحال خشوع و خضوع تسبیح و تہلیل حمد الہی میں محو حال و قال میں ہیں کہ یکایک توپ کے زنائے کی آواز کا لہلہ میں آئی تین منٹ تک برابر زنا مارا۔ جلدی جلدی پان بھوک کر غلرے کئے۔ حانت مانجھے اور البیوم غدا من شہرِ رمضان المبارک کہہ کہہ کر لٹنگوں پر دراز ہوئے

اپنی کسی کو یہ خبر نہیں کہ صبح کو قیامت نمودار ہونے والی ہے۔ مصنف

نہ رکھو آج کی کل پر کہ کل کس کو خبر کیا ہو۔ مریض جاں بلب کو صبر امید سحر کیا ہو۔

اب مشرق کی جانب سے سفیدی کے بادل آسمان پر پھیلتے چلے آتے ہیں مطلع شہید
کا رنگ جو گیا شجر فی ہوتا جاتا ہے قرص بہتاب لب بام پہنچ کر تانبے کی تھالی کی طرح قلبی
نظر آنے لگا ہے۔ جھاڑ فانوس کی روشنی جھللی جھللی نظر آتی ہے۔ چرخ سحری بیمار جاں
بلب کی طرح ٹٹماتا ہے۔ دروازہ شہر میناہ کے دیدہ حیرت کی طرح نگراں ہیں کو جہ بندی
کے پیارک چشم انتظار کی طرح حیراں صبح کا ترکا نور ظہور کا وقت سہانا سماں ادھر گجر
کی آواز ادھر سجدوں میں اذانوں کا شور ادھر مندروں سے ناقوس کی پکار نقار خانوں
سے دھیمی دھیمی نوبت کی ٹکڑیوں میں شہنائیوں کی سہاتی بھروس کی دھنیاں جی کو بیکل آئے
دیتی ہے نیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے نرم نرم چل کر جانے والوں کو تھپاک
تھپاک کر سٹار ہی ہے۔ بیگم کے باغ کے ہوا کے جھونکے بناس کی پتی خوشبو میں لیٹ لیٹ
کر عطر مجموعہ کے نخلنے سونگھا رہی ہے۔ پوکیا رشب بیدار دوکانوں کے چوبتروں پر
مردوں سے شرط باندھ کر بے خبر سو رہے ہیں۔

پو صبح از دم گرگ بر زور بان بختق در آمد سگ و پاسباں

خروس غنودہ غرو کوفت ہال دل زن بز و برتسیرہ دوال

لاہوری دروازہ سے گرموت کے گھاٹوں تک حسن کا دریا ہر س لے رہا ہے۔

چاندنی چوک کی سڑک کہکشاں بنی ہوئی ہے۔ ہزاروں چاند کے ٹکڑے ستیاریوں کی

طرح جگمگاتے چلے۔ آتے ہیں جس کو دیکھو آفت کا پر کالہ ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ

ہے سینکڑوں پرستان کی پریاں۔ سوتلاں نقشے چاند سے چہرے۔ چہرے بدن

تازک اندام۔ گلفام سرقامست سیاہ تپلی سیاہ بال ابھرے ابھرے ہوئے سینے مرگ
کیسی آنکھیں جھپٹے کیسی کمریں۔ سر سے پاؤں تک چاندی سونے میں لدی پھندی چلی آتی
ہیں۔ کامدانی اور تن زیب کے دھیرے دوپٹوں میں سے کندن سی بدن کی زنگت پھوٹی
پڑتی ہے ۵

کیا تن نازک ہے جاں کو بھی حد جس تن پہ؟ کیا بدن کانگ ہے نہ سہکے پیرا میں ہے
ادوی اور مسرخی اطلوسوں کے گھیر وار ہنکے۔ چوڑی چوڑی ٹہپے کی سجات۔ پور پور مٹلائی
انگوٹھی جھلے تارک نازک پتلی پتلی خانی انگلیوں میں پھولی چھوٹی گنگا جلیاں ۵

کیا جانیے انہیں سر انگشت بر حنا جس بیگنہ کے خون میں چاہیں ڈوبیاں

گوری گوری پیشانیوں پہ کچھ کچھ کبھرے ہوئے بال۔ نیند بھری آنکھوں میں پھیلا ہوا
کاجل پتلے پتلے سرخ سرخ ہونٹوں پر بھکی پھکی کٹی کی دھڑکی لاکھ لاکھ بناوڑے ہی ہے
یہ شہر وہ ہے کہ غنچہ تھا حسن والوں کا یہ شہر وہ ہے کہ تختہ تھا تو ہالوں کا
یہ شہر وہ ہے کہ مجمع تھا مہ جالوں کا یہ شہر وہ ہے کہ مرجع تھا ذی کمالوں کا

یہ وہ زمیں ہے زمیں جس کی زرا گلتی ہے

یہ خاک وہ ہے کہ اکیرا تھ ملتے سے

دیرائے جن میں نازنینان گلبدن کے جھگھٹوں سے تختہ چمن نظر آتا ہے۔ دیرا میں
دوسرا دیرا ہے پر نور موجیں مار رہا ہے۔ چاند دیرا کی موجوں میں جھکے لے رہے
ہیں آسمان کے تارے بانی میں دکھائی دے رہے ہیں۔ دیرا کی موجیں شوق ہیکنداری سے
بتاب دوڑی ہوئی چلی آتی ہیں۔ دیرا کے حباب چشم بن کر ایک ایک کی صورت کو تاک
رہی ہیں۔ ہزاروں آسمان خوبی کے ستارے مہین مہین ریشمی ساڑھیاں اوڑھے ہوئے

کمر اپنی میں غوطے لگا رہی ہیں۔ اکثر شوخ کم سن الٹے بچے کے من آپس میں جھپٹتے
 جھپٹتا ہو رہی ہیں ۔

کچھ نرالا ہے جوانی کا بساؤ شوخیاں زیور میں اس میں کیلئے
 کوئی پری سکریمہ جمال جہاں کا اشران کر کے کھڑے کھڑے بالوں کو مروڑی دے کر
 پھوڑ رہی ہے۔ کوئی خشک ساڑھی باندھ کر گیلی ساڑھی کو مروڑی دے رہی ہے ۔
 فشر و نیچے مر جاں زباں مروارید قرمز جیب شب اشکبار پیدا شد
 گھات میں ایک مصری مہاراج مٹے تانے چوڑے چکے تنگ و صرنگ ٹانگوں میں
 لنگوٹی سر پہ چوٹی جڑا لشکائے توند بھیلے آلتی پالتی مادے ہوئے براجم رہے ہیں
 ایک پتھر کے چھوٹے سے چکے پر ایک ماتھہ سے صندل گھستے جاتے ہیں۔ ایک جانب
 مہادیو کی بٹیا دھری ہے۔ مقابل میں اس کے گورا پاربتی کی صورت رکھی ہے ۔ اور
 سنگ مرمر کا ایک ادیابیل بیٹھا ہوا ہے۔ ایک کمل کے آسن پر کچھ پوجا پتری کا سامان
 شکھ وغیرہ دھرا ہوا ہے۔ مہادیو پر کچھ دودھ کچھ پانی لٹھا ہوا ہے۔ کچھ پھولوں کی
 پنکھڑیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ایک جانب گڑھی میں سیول کا ڈھیر ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک جانب
 اناج کا اتار ہے۔ نازنینان پری ہیکر ہوا دھوکہ دار منے نکلتی ہیں تو لباس پہن پہن
 کر پہلے آکر مہادیو کے درشن کرتی ہیں اور مصر جی مہاراج کو پالاگن کہتے ہیں ۔

مصر جی ہمارا ج ایک ماتھہ کی انگوٹھی سے پیشانی پر صندل کا ٹیکہ
 لگا دیتے اور ایک پنکھڑی فلسی کی منہ میں دے دیتے اور وہ روانہ ہوتی جاتی ہیں ۔

میرٹھ میں غدر کی ابتداء | مسیح ہوئی۔ گجر بجا مرغ سحر کا غل ہوا
 کرنے لگے چمن چمن مرغ چمن نواگری

مسجد و خانقاہ سے شور اٹھا مسلوٰۃ کا
ویر میں جا کے برہمن کرنے لگے ہری ہری

مرغان خوش الحان درختوں پر بیٹھے ہوئے حمد الہی چہا رہے ہیں۔ پٹری کے
بانچے میں چڑیوں کے چوں چوں کا وہ غل شور ہے کہ کان پٹری آواز نہیں آتی۔ مستان
بادۂ توحید عالم و جد میں جھوم رہے ہیں۔ عجب کیفیت کا وقت ہے۔ سرخی شفق آفت
آسمان پر پھولتی چلی جاتی ہے۔ مطلع نور شید گلناری ہوتا جاتا ہے۔ طمان سفیدہ چاک
ہو کر آسمان کی زنگت نیلی نظر آنے لگی ہے۔ سورج کی گنگا جمنی کر میں نہرے رو پہلے
تاجدار کی طرح پھیلی جاتی ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں قلعہ معلے کے بلند منظر وں کے سہرے
کلسوں پر پڑ پڑ کر اپنی چمک دمک دکھا رہی ہے۔ بیٹھک کا سنہری برج عکس شفق سے
سنہری نظر آتا ہے۔ اس برج کو شن برج کہتے ہیں۔ یہ بادشاہان نیموریہ کی خاص شستگاہ
ہے اس کے نیچے چھت بھی اور چھت میں سیڑھیاں ہیں۔ اعد دیوان خاص میں سے نیچے
دریا کی طرف رستہ اترتا ہے اور نیچے اتر کر دریا کے کنارہ پر بطور پشتہ ایک چوترہ ہے
جس کو پٹری کہتے ہیں اس پر باغیچہ ہے جس کو پائین باغ دیوان خاص کہنا چاہیے جس کا
عرض تخمیناً بیس پچیس گز کے قریب ہوگا۔ سطح دریا سے پانچ چار گز کا ارتفاع ہے۔ شن
برج وقت طلوع آفتاب مباری آفتاب میں مشرق کی جانب سے آفتاب دیگر کے قریب
نظر آتا ہے۔ بالوں کہنا چاہیے کہ چودھویں تاریخ کا چاند وقت غروب طلوع آفتاب کے
مقابل میں دوسرا آفتاب ہو جاتا ہے۔ یہ برج اندر سے بہت چوڑا چکلا ہے۔ اور پشت پہل
ہے۔ اس لئے اس کا نام شن برج رکھا گیا ہے جس کو اب شن برج کہتے ہیں۔ بادشاہ شاہجہاں
بعد نماز صبح اسی کے چھہ وکوں میں بیٹھ کر درشنیوں کو درشن دیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ

قاعدہ مستمرہ آج تک جاری ہے۔ اُس کے شمالی، شرقی، جنوبی طرف کو پرتگلف نفیس خوش نما غرنے ہیں اُن کو جھروکے کہتے ہیں نیچے داہنی جانب کو ایک جنگلہ ہے جس میں میر فتح علی داروغہ کہا روں کا نشین ہے اور برابر میں دوسرا جنگلہ ہے اس میں حمید خاں رامپوری جمعدار خاں بردار کا قیام ہے اور اُس کی برابر میں چھوٹا چھپراوہ ہے اُس میں سیدی قمر جمعدار حبشیوں کا اور اُس پٹری کا طول قلعہ معلیٰ کی طول کو برابر ہے۔ اس پر پہرہ داروں کے خس پوش مکان بنے چلے گئے ہیں حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ ثانی فریضہ صبح سے فارغ ہو کر جھروکوں میں بیٹھے ہوئے وظیفہ پڑھ رہے ہیں سواری کی تیاری ہے تخت روال جس کا سنہری مودا ہے۔ اور چار ڈنڈے ہیں اُس پر زربفت کی مسند تکیے لگے ہوئے ہیں۔ اور کاشانی مغل کا غلاف پڑا ہوا ہے وہ تبیع کے صحن میں پڑا ہے۔ ڈیڑھ سی کے دروازہ پر بانائی پروہ پڑا ہے تبیع خانہ کے صحن میں خواجہ سرا اور خواص بادشاہی وغیرہ اور چند معززین و بار حاضر ہیں انتظار برآمد حضور ہے تبیع خانہ کے چبوترہ کے نیچے پچاس ساٹھ کہا رجن کی لکوری ہے سرخ بانات کو دریاں اور سرخ پگڑیاں باندھے ہوئے کمر بستہ استاد ہیں۔ شن برج کے نیچے پٹری پر کوئی دو سو خاص بردار مسرئی دستار اور مسرئی شپکے باندھے ہوئے بغلوں میں تلواریں دبائے دست بستہ کھڑے ہیں ایک جانب کو میس جوان حبشی نو عمر گراں ڈیل سرخ مخواب کی وردیاں سرخ مندلیں سرخ شپکے باندھے دست بستہ مردب کھڑے ہیں نیچے پٹری کے پار سالہ سواروں کا ہرا جائے ہوئے استاد ہے ہمدیوں کے تختہ میں میر فتح علی اور حمید خاں اور شبیدی قمر سراج دست بستہ کھڑے ہیں۔ جھروکے کی جانب سب کی نگاہ ہے کہ یکا یک بالائے جھروکے سے ہکارے کی آواز آئی میر فتح علی

اتھ جڑ کر آگے بڑھا۔ اشارہ سہا بہ سے دریائے پل کی جانب ایسا ہوا اب جو دریا کے
 پل کی جانب نگاہ کی تو دیکھا کہ دریا پار جو میر بجری کا جنگل ہے اس میں آگ لگ رہی ہے
 اور شعلے اٹ اٹ کر آسمان کو جاتے ہیں۔ دریا کا کنارہ گرد و غبار اور دودھ آتش سے ہواں
 دار و تیرہ تار ہو رہا ہے۔ میر فتح علی نے رسالہ دار کو حکم دیا کہ سوار بھیج کر خبر منگاو کہ یہ روشنی
 کیسی ہے۔ رسالہ سے نکل کر دو سواروں نے جو کھوروں کی باگیں لیں تو گرد باد ہونے کے
 گھڑے زمین سے لیٹ گئے آفاقاً میں یہاں تھے یاد اں تھے۔ ہنوز یہ موقع واردات
 پر نہ پہنچے تھے سلم گڑھ کے نیچے پل پر پہنچے تھے کہ دیکھا اُدھر سے بے تحاشا لوگ
 اور سارح پل کے چلری بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں۔ سوار میں خبر تو ہے کیا آفت
 ہے جو اس طرح سرسبز شہر کو اس بھاگے آتے ہو۔ چلری۔ اجمی جناب خیر تو بخیر فوج
 اتر آئی میر بجری صاحب کو مار ڈالا۔ جنگلہ کو آگ لگا دی۔ مال کا صندوق اور گولک لوٹ
 لی۔ ہم لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے ہیں سواران باو شاہی نے یہ سننے ہی الٹی باگیں پھیر
 دیں۔ کوئی پانچ منٹ میں واپس آکر خبر دی کہ کوئی غنیمت دلی پر چڑھ گیا ہے۔ اس کی فوج
 نے تاخت و تاراج پر کمر باندھی ہے۔ جنگلہ پھونک دیا۔ میر بجری کو مار ڈالا۔

۱۷۵۷ء کی جنگ آزادی کے آفاق سے بہت پہلے دہلی میں انقلاب کی پیش گوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔
 لیکن اس انقلاب کی تفصیل سے کوئی شخص آگاہ نہ تھا تاہم عام طور سے یہ خیال تھا کہ اس انقلاب کا
 نتیجہ انگریزوں کے حق میں برا ہوگا۔ کوئی کہتا تھا ایران ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ ایک مرتبہ شورا تھا کہ ایرانی
 ہمت تک آچکے ہیں۔ پھر افواہ پھیل گیا کہ ایرانی فوج درہ بولان کے راستے سے آرہی ہے۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ
 فارس پانچ ہشت سے فوج اور سامان حرب تیار کر رہا تھا کہ ہندوستان کو فتح کرے اور کہ نادر دوس
 شاہ ایران کا ساتھ دے گا۔ ایک طرف شاہ نعمت اللہ دلی کی مشہور پیش گوئی کا چرچا تھا۔ (باقی آئندہ)

ہمشاہہ حضور پر نور سے امیر فتح علی اور حمید خاں کو حکم ہوا کہ اپنی جمیعت لیجاؤ
پل توڑ دو کشتیاں کھینچ لو کہ فوج اترنے نہ پاوے۔ دروازہ شہر پناہ کے بند کرادو
سواروں کو روانہ کرو کہ بری صاحب کو لے کر جلد حاضر ہوں اور تمام ملازمان شاہی ان کو
تاریفہ کو حکم حضوری دربار پہنچ جائے۔ کہ تو اہل شہر کو حکم پہنچے کہ دروازہ شہر کا پورا پورا
بند و بست رکھے۔ کلکتہ دروازہ پر بذات خود حاضر ہے۔ قلعہ دار صاحب کو حکم پہنچا
دو کہ دروازہ قلعہ کی پوری پوری حفاظت رکھیں۔ سوار کو رخصت نہ کری وائے جلد گھوٹے
دو اگر شہر میں داخل ہو کر دروازہ راج گھاٹ محمود کرادیں۔

حسب الحکم تفاشیم فوراً تعمیل حکم ہو گئی۔ سوار جا بجا روانہ ہو گئے مگر یہاں سے جو
جمیعت شکست پل کے واسطے روانہ ہوئی تھی اس کو حصول مطلب میں ناکامی حاصل
ہوئی اور بے نیل ارم واپس آنا پڑا۔ ہرنویہ سلیم گڑھ کے نیچے تھے کہ سامنے ملک الموت
کی طرح سوار آئے دکھائی دیئے۔ یہ پل تک نہ پہنچے پائے اور وہ پل کے ادھر اتر آئے
وہاں سے ہزار خرابی اُفتاں و خیل گریزاں سواران باغیہ کے آتے آتے انہوں نے
جھروکہ کی ڈیڑھی کا دروازہ لیا چھتہ میں داخل ہو کر دروازہ ڈیڑھی محمود کر دیا اور دیوان
خاص اور تسبیخانہ میں حاضر ہو گئے مگر حضرت قدرت ظل اللہ بادشاہ رعیت پناہ
کمال جرات و تہور کو فرما کے نہایت اوسان اور استقلال سے بجائے خود جس طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱) مارچ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو بھی شبہ ہوا کہ اہل قلعہ کا تعلق شاہ فدا
سے ہے۔ انہیں ایام میں جامع مسجد دہلی کے دروازے پہلے ایک اشتہار چپا کیا گیا جس میں شاہ فارس
کے حملہ کی اطلاع دی گئی تھی۔ اشتہار دہندہ کا نام محمد صادق لکھا تھا اخبارات میں اس اشتہار کا بہت چرچا
اٹھا۔ آخر مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں بہت جوش پھیل گیا (تظہیر)

بیٹھے تھے بیٹھے رہے ہرگز جنبش نہ کی اور محل کی مستورات اور سراحات عصمت میں
ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا مگر حضرت بنفس نفیس سب کو کلمات صبر و تسکین فرما کے
تسفی دیتے رہے۔

ادھر سواران باغیہ کشتیوں کے پُل پر سے اتر کر سلیم گرہ کے نیچے ہوتے ہوئے
زیر جھروکے پہنچے اور مردمان آئندہ و دوندہ گریزاں ہو کر کلکتہ دروازہ میں داخل ہوئے
دروازہ والوں کو اطلاع دی کہ دروازہ معمور کر دو۔

ادھر مگنہ موہر دروازہ پر خبر ہو گئی ہناتے دھونے والے گرتے پڑتے بھاگ
کر شہر میں داخل ہوئے۔ وہ دروازہ بھی معمور ہو گیا۔ اسی اثنا میں محبوب علی خاں
خواجہ سرا مختار بادشاہی اور حکیم احسن اللہ خاں آکر حاضر ہوئے حضور انور نے محل میں
یاد فرمایا کہ یکایک سواران نیکو حرام بلائے آسمانی کی طرح نازل ہوئے اور زیر جھروکے
آکر پراجا کراستادہ ہو گئے۔ اور حسب قاعدہ سلامی ادا کی حضور لامع الثور نے حکیم
احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے دریافت کرو کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں
سے آتے ہو اور کس کے نوکر ہو۔ اور یہاں کیوں آئے ہو۔

حکیم احسن اللہ خاں نے بموجب حکم تسبیح خانہ میں آکر سواران باغیہ سے استفسار
حال کرنا شروع کیا۔ چند افسر سواران گھوڑوں پر سے اتر کر پٹری پر آکر کھڑے
ہو گئے اور زیر جھروکے سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرنا شروع کیا۔

حضور جہاں پناہ سلامت آپ دین و دنیا کے
باغی سواروں کا بیان | بادشاہ ہیں حق تعالیٰ نے آپ کو بائیس سو روپے کا

نہ یہ سوار ار مٹی کے گڑے کو دہلی پہنچے تھے۔ (تظہیر)

مالک کیا ہے تمام ہندوستان آپ کا محکوم و فرمانبردار ہے ہندوستان کی رعیت
 آپ کی رعیت شمار ہوتی ہے۔ آج تک ہندوستان میں جو منادی پھرتی ہے تو یہی بیان کیا
 جاتا ہے خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کمپنی کا۔ انگریز لوگ آپ کی طرف سے مالک و
 مختار ہیں۔ ہم لوگ آپ کے پاس فریادی آئے ہیں۔ امیدوار انصاف ہیں۔ ہم لوگ ملازم
 انگریزی ہیں ہمیں لوگوں نے اپنی جانیں بیچ کر اور سرکٹو اکڑ کھاتے سے لگا کر کابل کے
 ڈیرے تک شتخ کر کے چودہ سو کوس میں عملداری انگریزی قائم کرادی۔ اور ہمیں لوگوں
 کی استعانت و امداد سے تمام ہندوستان پر تسلط ہو گیا۔ یہ ولایت سے کوئی فوج
 ہمراہ لے کر نہیں آئے تھے سب ہندوستانی فوج کی کارگزاری ہے شہادت کے
 واسطے ہمارے پاس تیغ موجود ہیں۔ اب چونکہ تمام ہندوستان پر قبضہ اور تسلط انگریزوں
 کا ہو گیا اور کوئی سرکش باقی نہ رہا۔ اب سرکار کی نیت میں فتور واقع ہوا اور ہمارے
 دین و مذہب کے درپے تخریب ہوئے اور چاہا کہ تمام ہندوستان کو عیسائی کر
 لیں۔ اور ابتدا اس کی فرقہ فوج سے ہونی چاہئے۔ چنانچہ باہم صلاح کر کے یہ تجویز
 قرار پائی کہ ایک قسم کی بندوق ایسی ایجاد کی گئی کہ جس میں ٹوٹا یعنی کارتوس دانتوں سے
 کاٹ کر بندوق کے منہ میں دینا پڑے اور اس ٹوٹے کو جانوروں کی جھلی سے منڈھ لیا
 گیا۔ اب نہ معلوم وہ جھلی دراصل کس کس جانور کی ہے۔ وہ بندوقیں ہم لوگوں کو دی
 گئیں کہ تم کارتوسوں کو دانتوں سے کاٹ کر بندوقوں میں ڈالو ہم لوگوں نے بالاتفاق
 ہندو اور فرقہ مسلمان نے تعمیل حکم سے انکار کیا کہ ہم ہرگز ہرگز ایسا امر نہ کریں گے خواہ
 سرکار کو رکھے یا نہ رکھے فرقہ ہندو کو تو کائے کی جھلی کا اشتباہ واقع ہوا اور اہل اسلام کو سور کی
 جھلی کا۔ وائے ازیں ہندو نے یہ عذر کیا کہ ہم لوگوں میں اکثر برہمن چھتری وغیرہ اعلیٰ قوم کے

لوگ ہیں وہ کسی جانور کے گوشت کو منہ نہیں لگاتے مسلمانوں نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ ہم
سوائے حلال جانور کے مردار کو منہ نہیں لگاتے خدا جانے یہ حلال جانوروں کا پوست
ہے یا مردار ہمارے مذہب میں ہرگز جائز نہیں ہم ہرگز تعمیل حکم سرکار نہ کریں گے۔ اس
پر سرکار کو یہ خیال ہوا کہ فوج نے عدول حکمی کی اگر ان پر تشدد نہ کیا جائے گا تو ضعف حکومت
سرکار متصور ہے سطوت شاہی میں فرق آتا ہے اور ہم لوگوں کو خیال دین و آئین منکر
ہوا۔ نزاع بڑھ گئی۔ مقدمہ طول کھینچ گیا۔ چار مہینہ سے یہ تنازعہ درپیش ہے حکام
میں کمیٹیاں ہو رہی ہیں اور ہم لوگوں میں بھی سوار سپاہیوں کی چھاؤنیوں میں جا بجا
چھٹیاں دوڑ گئی ہیں کہ یک قلم کل فوج انکار کر جائے اور نوکری چھوڑ دے اور
زیادہ تشدد ہو تو ایک دن ایک تاریخ بالاتفاق تمام ہندوستان میں غدر مچا دو
پھر دیکھو یہ کیا کر سکتے ہیں چنانچہ مفسدہ کا ظہور اب آکر ہوا اور تمام فوج یک قلم
جادہ اطاعت سے منحرف ہو گئی۔ اور بنا اس بغاوت کی اس طور پر واقع ہوئی کہ حکام
کی کمیٹیوں میں یہ بات قرار پائی کہ پہلے بسم اللہ میرٹھ سے ہونی چاہئے کہ یہ مقام صدر ہے
اور بہت بڑا بھاری کمپو بیٹاں مقیم ہے اور پرانے بھروسہ کی فوج کی اسی جا پر چھاؤنی ہے۔
جب یہ کمپو ٹوٹا کاٹ لے گا تو کسی اور فوج کو مجال سربازی کی نہ ہوگی چنانچہ حسب صلاح بالا
ایک روز اور ایک تاریخ مقرر کر کے پریٹ پر فوج گورے کی جمائی گئی اور سولجروں
کا توپ خانہ اور رسالہ کھڑا کیا گیا۔ اور تیسرے رسالہ خاص ہندوستانی کو بلوا کر
پریٹ پر استادہ کیا گیا اور افسران رسالہ کو بند و قیں اور کارتوس دے کر حکم سنایا گیا
کہ تم اس ٹوٹے کو کاٹو۔ افسران نے معذرت کی کہ سرکار معاف فرمائیے۔ ہم دین سے
بے دین کبھی نہ ہوں گے۔ خواہ سرکار ہم کو توپ سے اڑا دے جب افسروں نے

انکار کیا تو پھر دوبارہ ان کو حکم سنا دیا گیا کہ تم کو ٹوٹا کاٹنا پڑے گا پھر بالافتاق رہنے
 اسی طرح انکار کیا انجام کو سہ بارہ یہی حکم صادر ہوا اس جانب سے وہی جواب صاف
 ملا اس وقت حکم ہوا کہ ہتھیار دے دو۔ ہم لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر حکم ہوا کہ
 گھوڑوں سے اتر پڑو ہم گھوڑوں سے اتر پڑے۔ پھر حکم ہوا کہ افسر لوگ فوج سے
 علیحدہ ہو جائیں۔ ہم چوراہی افسر چھپ کر رسالہ سے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے
 پھر حکم ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔ جب بھی عدول حکمی نہ کی خوشی
 خوشی ہتھکڑیاں پہن لیں کچھ عذر نہ کیا پھر حکم ہوا تم لوگوں کو عدول حکمی کی سزا دی جاتی
 ہے۔ تم جیل خانے جاؤ۔ ہم سلام کر کے جیل خانہ کو چلے گئے۔

تدبیر سے تقدیر مٹائی نہیں جاتی
 بگڑی ہوئی قسمت کی بنائی نہیں جاتی

۱۸۵۶ء کے غدر کی بڑی وجہ یہ تھیں کہ لارڈ ڈلہوزی نے جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک
 ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کے گورنر جنرل رہے۔ بہت سی اصلاحات کیں
 وہ تمام دیسی ریاستوں اور دہلی کی مغل شہنشاہی کو ختم کرنا چاہتے تھے اگرچہ کمپنی نے انکی اس تجویز کو نہیں
 مانا تاہم ڈلہوزی کی الحاق کی پالیسی سے تمام دایان ریاست ناراض ہو گئے تھے انہیں یہ فکر ہو گیا تھا
 کہ ان کی ریاستیں جاتی رہیں گی فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ مغل بادشاہ کی وفات کے بعد شاہی خاندان
 کو قلعہ سے نکال کر قطاب میں آباد کیا جائے۔ جھانسی کی رانی کی کوئی ادلاو نہ تھی۔ اس نے کسی کو متنبی
 بنانے کی اجازت مانگی جو نہیں دی گئی۔ باجی راؤ کے متنبے نانا صاحب کو پیش دینے سے انکار کر دیا
 گیا۔ یہ ایسی باتیں تھیں جن میں دایان ریاست کو اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ اسی زمانے
 میں ایک فوجی قانون منظور کیا گیا جسکی رو سے غوج کو دنیا کے ہر حصے میں لڑائی کیلئے روانہ کیا جاسکتا تھا۔
 (دہلی کے صحنہ)

میرٹھ چھاؤنی کا حال | بیک گردش چرخ نیلوفری بند نادرجا ماندونے نادری

جب ہم داخل جیلخانہ ہوئے تو کمپ میرٹھ میں تہلکہ
عظیم برپا ہو گیا اور گھر گھر کچڑی پکنے لگی اور باہم صلاح و مشورہ ہونے لگے خصوصاً

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) ہندوؤں کے مذہب میں سمندر پار جانا گناہ تھا اس لئے ہندو اس قانون کو
مذہب میں مداخلت سمجھتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو برے عہدے نہیں
دیئے جاتے تھے حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے ملک میں انگریزوں کے خلاف عام
نفرت پھیل رہی تھی اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ انگریز رعایا کو زیر دستی اپنا غلام اور عیسائی بنا رہے
ہیں چونکہ مغلوں کے عہد میں ہندوئیوں کو اعلیٰ ترین عہدے دیئے جاتے تھے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل
تھی ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی تھی سمندر پار نہیں جاتی تھی مغل اس ملک کو اپنا ملک سمجھتے تھے
اس لئے انگریز حکومت کے مقابلے میں لوگوں نے مٹی ہوئی مغل سلطنت کو زندہ کر نیکاراؤ کر لیا

غدر کی ابتدا مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ہوئی جیسا کہ باغیوں نے اوپر بیان کیا ہے
بعد ازاں بغاوت کی آگ دوسری چھاؤنیوں میں بھی پھیل گئی۔ اور جہاں جہاں موقع ملا باغیوں نے
انگریزوں کو قتل کر دیا۔ کانپور اور لکھنؤ باغیوں کے مرکز تھے لکھنؤ میں نواب واجد علی شاہ کے
خاندان کے ایک شاہزادے کو باغیوں نے بادشاہ بنا دیا۔ ایک سال پیشتر انگریزوں نے نواب واجد علی شاہ
سے اودھ کی حکومت لے کر انہیں میاں برج دہلی میں نظر بند کر دیا تھا۔ باجی رائے سابق پیشوا کا
میتے نانا صاحب انگریزوں کا جانی دشمن تھا اس نے باغیوں کی قیادت اختیار کی اس کے مقابلہ کے
لئے جنرل ہیولک کو بھیجا گیا جس نے نانا صاحب کو شکست دی اور وہ روپوش ہو گیا۔

لکھنؤ میں سرکارن کیمیل نے باغیوں کو شکست دی۔ باغیوں کا اصلی مرکز دہلی تھا انگریزوں نے
دہلی کا محاصرہ کرنے کے لئے دہلی میں رہنے والے نانا صاحب کو شکست دی اور پنجاب سے فوجیں منگائیں جنرل نکلسن دہلی میں

فرقہ مستورات میں ہمیشہ سے ناقص العقل کو تہ اندیش ہوتے آئے ہیں ان کو سرگزنہ اپنے
 انجام پر نظر نہیں ہوتی۔ اُن میں اکثر عورتیں تھیں کہ جن کے ورثا محبوس ہوئے تھے۔
 انہوں نے زبان طعن و تشنیع سے بچھا جھل جھل کر نائرہ فتنہ و فساد کو بھڑکانا شروع کیا
 اور اُن کی چرب زبانی آتش فساد پر روغن کا کام کر گئی۔ اس محل پر دیوانہ رہ گئے
 بس است کا مفہود صادق آیا۔ ان عورات نے مردوں کو طعن دینے شروع کئے کہ
 تم لوگ مرد ہو اور سپاہ گری کا دعویٰ کرتے ہو مگر ہنایت بُز دلے اور بے عزت اور بشیر
 ہو تم سے تو ہم عورتیں آچھیں تم کو شرم نہیں آتی کہ تمہارے سامنے تمہارے افسروں
 کے ہتکڑیاں پٹریاں پڑ گئیں۔ اور تم کھڑے کھڑے دیکھا کئے اور تم سے کچھ نہ ہو سکا۔ تو
 یہ چوڑیاں تو تم ہیں لو اور ستھیا رہم کو دو ہم افسران کو چھوڑا کر لاتی ہیں۔ ان کلمات فتنہ
 انگیز نے اور شتعال طبع پیدا کیا اور تمام فوج کے دلوں میں جوش و خروش مردی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷) باغیوں کو شکست دی تاہم وہ خود اس لڑائی میں کام آیا۔ رانی جھانسی اور
 تانیا توپی نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ رانی تو میدان جنگ میں لڑتی
 ہوئی ماری گئی۔ تانیا توپی کو گرفتار کر کے ۱۸۵۹ء میں پھانسی دے دی گئی۔

بہٹی اور مدراس کی فوجوں کا مقابلہ سیندھیا اور بلکھ کی مرہٹہ فوجوں سے ہوا۔ جیسے
 مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ اور انگریزوں نے کسی قلعے فتح کر لئے مگر سیندھیا اور بلکھ نے
 انگریزوں سے صلح کر لی۔

غدر کے ایام میں پنجاب میں امن رہا بلکہ پنجاب کی سکھ فوج کی امداد سے جنرل
 نکلسن نے دہلی کو فتح کیا۔ اور ہزاروں بے گناہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا خون
 بہایا۔

اور مردانگی کی آگ بھڑک اٹھی اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ اور باہم یہ صلح قرار پائی کہ شب کو چل کر جیل خانہ توڑ کر افسران فوج کو چھوڑا لاؤ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ وقت شب افواج پیادہ و سوار متفق کر بندی ہو گئی اور جیل خانہ پر چڑھ گئے اور جیل خانہ توڑ کر چوراسی افسر جو قید تھے ان کو قید سے نکال لائے اور ان کی ہتکڑیاں اور بیڑیاں سب کاٹ لیں اور ان کے ہمراہ جو اور بد معاش بد پیشہ چونٹے اٹھائی گئے ڈاکو، خونی اٹھگ وغیرہ وغیرہ جو جیل خانہ میں قید تھے سب کو رہا کر دیا۔ اور بیڑیاں سب کی کاٹ دیں۔ اب تمام شہر میں غدر مچ گیا اور ہنگامہ جہاں وقتال گرم ہوا۔ سرکار کی جانب سے گوروں کی کر بندی ہوئی اور سو بھروں کا توپ خانہ لا کر لگا دیا گیا۔ اب دائیں و بائیں توپ کے فیر ہونے لگے اور ہماری طرف سے جواب میں بند و قوں کی بار جھپٹنے لگی۔ تمام شب گوروں کی اور ہماری جنگ ہوتی رہی۔ صبح کو ہم لوگ دہلی کو روانہ ہوئے۔ شبانہ روز میں تیس کوس کی مسافت طے کر کے آج اس وقت ہم یہاں پہنچے ہیں۔ بادشاہ سلامت ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں۔ اور ہمارا انصاف فرمادیں۔ ہم دین پر گجڑ کر آئے ہیں۔

سنو بھائی مجھے بادشاہ کون کہتا ہے میں تو فقیر ہوں ایک
بادشاہ کا جواب | تیکہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لئے بیٹھا ہوں۔ بادشاہیت

تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی۔ میرے باپ دادا بادشاہ تھے جن کے قبضہ میں ہندوستان
 تھا۔ سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی میرے جد و آبا کے نوکر چاکر
 اپنے خاندانِ نعمت کی اطاعت سے جدا گانہ رئیس بن بیٹھے۔ میرے باپ دادا کے
 قبضہ سے ملک نکل گیا۔ قوتِ لایوت کو محتاج ہو گئے۔ خصوصاً میرے جد بزرگوار

حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کو جب غلام قادر نمک حرام نے قید کر کے نابینا کیا
ہے تو پہلے مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اس نمک حرام کو کیفر کردار
کو پہنچایا۔ حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا۔ چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے
مختار رہے مگر بادشاہ کے صرف مطیع کا بندوبست بھی نہ کر سکے۔ لاچار ہو کر میرے
نے بجانب سلطنت برطانیہ رجوع کی اور انگریزوں کو بلو کر اپنے گھر کا مختار فرمایا۔ اور
ملک ہندوستان ان کے تفویض کیا اور ان لوگوں نے حسبِ دل خواہ اخراجات شاہی کا
بندوبست کر دیا اور ملک میں امن و امان کا ڈنکا بجا دیا۔ اس روز سے آج تک ہم لوگ
بعیش و عشرت تمام بسر کرتے چلے آتے ہیں ہمیں کسی طرح کا فکر و اندیشہ و اٹلگیر
نہیں اور کمال خوشحالی و فارغ البالی و عیش و عشرت سے بسر اوقات کرتے ہیں
لڑائی جھگڑے سے کچھ کام نہیں اس کا انسداد اور انتظام انگریز لوگ خود کر لیتے ہیں
میں تو اک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے ستانے کیوں آئے میرے پاس خزانہ نہیں کہ میں تم کو تنخواہ
دوں گا میرے پاس فوج نہیں کہ میں تمہاری امداد کروں گا میرے پاس ملک نہیں کہ تحصیل
کر کے تمہیں نوکر رکھوں گا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھ سے کسی طرح سے توقع
استعانت کی نہ رکھو۔ تم جانو یہ لوگ جانیں ہاں ایک امر میرے اختیار میں ہے البتہ وہ
ممکن ہے کہ میں تمہارے درمیان میں ہو کر انگریزوں سے تمہاری صفائی کر سکتا ہوں
تم ابھی یہیں ٹھہرے رہو میں نے صاحبِ زبڈنٹ کو بلوایا ہے۔ وہ میرے پاس آنے والے
ہیں پہلے میں ان سے دریافت کر لوں ان کی زبانی مجھے حالِ فتنہ و فساد معلوم
ہو جائے گا۔ اور خدا چاہے تو میں اس فساد کو رفع دفع کر ا دوں گا۔ غرض
کہ یہ گفتگو منور نام تمام تھی کہ فریادِ صاحبِ زبڈنٹ بہر اہی قلعدار صاحبِ داخل

دیوان خاص ہو گئے۔ خواجہ سرا جا کر آداب کورنش بجایا اندر سے حکم آیا کہ دو نو صاحب محل میں حاضر ہوں اس وقت صاحب ریڈیٹنٹ بہادر قلعہ دار صاحب اور احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں ہر چہاں اسخاص محل شاہی میں داخل ہوئے۔

ریڈیٹنٹ کی باریابی ^{حضور پرورد} کیوں بھئی۔ یہ کیا فتنہ و فساد برپا ہو گیا۔ یہ مذہب کا جھگڑا کیسا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ مقدمہ دین آئین کا ہے

تقصیب مذہبی بہت بڑی شے ہے۔ اس میں اکثر سلطنتیں معرض زوال میں آ گئی ہیں۔ لاکھوں آدمیوں کا گشت و خون ہو گیا ہے۔ اس فتنہ کا جلد انسداد ہونا واجب ہے۔ سرچشمہ شاید گرفتار ہو جائے۔ چوپڑے شاید گزشتن پیل مبادا فتنہ و فساد ہندوستان میں عالمگیر ہو جائے اور لاکھوں آدمیوں کا گشت و خون ظہور میں آئے اور انتظام مالی و ملکی میں فرق واقع ہو۔ بنا بنایا کام بکھڑ جائے جہاں تک ممکن ہو نرمی اور آشتی سے کام نہ لایا جائے۔ یہ لوگ جاہل ہیں۔ فرقہ سپاہ جاہل ہوتا ہے۔ ان سے تشکیک کر کام نہ لانا چاہیے اور ان کو ہدایت کرو کہ یہ لوگ اس فتنہ و فساد سے باز آئیں۔ جائے تعجب ہے کہ تم کو اس معاملہ کی اب تک خبر نہیں۔

صاحب ریڈیٹنٹ بہادر حضور غلام کے پاس شب کے گیارہ بجے سوار نے چٹھی لا کر دی مجھ کو چونکہ اس وقت نین کا غلبہ تھا میں سمجھا کوئی معمولی چٹھی ہے اس وقت کچھ خیال نہ کیا۔ پاکٹ میں ڈال کر سو رہا صبح کہ جب حضوری سوار میرے پاس پہنچے اس وقت میں نے چٹھی پڑھی تو حال معلوم ہوا حضور کچھ اندیشہ فرمائیں۔ غاظر جمع رکھیں۔ بلوائی لوگ ہے کیا کر سکتا ہے حضور کے اقبال سے سب دفع دفع

ہو جائیں گے۔ غلام باہر جا کر ابھی اُن کو فہمائش کرتا ہے۔ خدا چاہے تو فساد بڑھتے نہ
 پائے گا۔ یہ عرض کر کے صاحب ریڈنٹ بہادر محل سے برآمد ہوئے۔ تبسج خانہ کے
 صحن میں کھڑے کے برابر کھڑے ہوئے حاضرین دیوارِ شاہی سب برابر صفت
 باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ دیوار کی جانب سب کا رخ ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں
 بہادر کے لڑکے استاد قلعہ اور صاحب بھی موجود ہیں۔

ریڈنٹ باغیوں کے سامنے | صاحب ریڈنٹ بہادر۔ کیوں بابا لوگ
 یہ کیا فتنہ و فساد تم نے برپا کر دیا۔ ہم

لوگوں نے تم لوگوں کو دھماکے سے پونچھ کر تیار کیا ہے۔ ہم کو یہ دعوئے تھا کہ اگر روس
 ہندوستان کی طرف پاؤں بڑھائے گا۔ تو ہم سرحد پر اس کا سر توڑیں گے اور اگر
 ایران پیش قدمی کرنے کا ارادہ کرے گا۔ تو ہم اس میں پیسا کھینچیں گے۔ اگر کوئی سلطنت
 ہندوستان کی طرف رخ کرے گی تو اس کو دنداں شکن جواب دیں گے یہ خبر نہ
 تھی کہ ہماری فوج ہمارے ہی مقابلہ کو تیار ہوگی۔ کیوں بابا لوگ شرطِ نمک خواہی
 یہی تھی کہ آج تم ہمارے مقابلہ کو تیار ہوئے ہو۔ ہم نے تم کو اسی واسطے کروڑ ہزار روپے
 صرف کر کے تیار کیا تھا۔

سوارانِ فوج باغیہ غریب پڑے حضورِ مسیح فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں سرکار
 نے ہم لوگوں کو اسی طرح پالا اور پرورش کیا ہے سرکار کے حقوق نمک ہم نہیں بھولیں گے
 مگر ہم لوگوں نے آج تک سرکار کی کوئی نمک حرامی نہیں کی۔ جہاں سرکار نے ہم کو
 جھونک دیا ہم انکھیں بند کر کے آگ میں پانی میں کود پڑے کچھ خوف جو کھوں کا نہ کیا
 سرکھوانے میں کہیں دریغ نہیں کیا۔ کابل پر ہمیں لوگ گئے۔ لاہور ہمیں لوگوں نے

فتح کیا۔ کلکتہ سے کابل تک ہمیں لڑے بھڑے سرکڑائے جانیں دیں۔ اور حق
نک ادا کیا۔ اب جبکہ تمام ہندوستان پر سرکار کا قبضہ ہو گیا تو سرکار ہمارے
دین آئین کے درپے ہوئی ہمیں کرسٹیان بنانا چاہا۔ ہم سے ٹوٹا کٹوانے کو کہا تو ہم
لوگ اپنے دین آباؤی کو چھوڑ کر کس طرح بیدین ہو جائیں ہم کو مر جانا قبول ہے مگر
دین سب سے بڑے دین نہ ہوں گے۔ اب سرکار جو چاہے ہمارا کرے۔ ہم سب مرنا پر
تیار ہیں اور ہم اپنے کو اس وقت تک مردہ تصور کر چکے ہیں کہ جس وقت شیل خانہ توڑ
کر افسرین کو برآمد کیا۔

صاحب رزیدنٹ بہادر مسعود خان یا لوگ تم اس خیال کو جانے دو اور ہمیں مارنے
سے باز آنا اب تم کو کوئی نہیں مارے گا۔ ہم بیچ میں پڑے ہیں اور ضامن ہوتے ہیں
اور خدا کو گواہ کرتے ہیں اور خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم سے وعائد کریں گے اور تمہارے
حق میں انصاف کریں گے اور ان لوگوں کو سزا دلوائیں گے جنہوں نے یہ فتنہ برپا کر یا
ہے اور وہ لوگ سزا پا ب ہوں گے اور سب کے سب ٹھیک کئے جائیں گے۔ اب
تم مار کٹائی ترک کرو اور لوٹ مار سے باز آؤ۔ اور بادشاہ سلامت کا بھی یہی حکم ہے
کہ تم لوگ دین پر پھرے ہو۔ ہم تمہارے دین کا بندوبست کر دیتے ہیں تم کشت و خون
سے باز آؤ اور بادشاہ صاحب خود درمیان میں پڑے ہیں (فوج باغیہ) غریب پرور
ہم کو سرکار کے قول کا بھروسہ نہیں معلوم ہوتا۔ سرکار نے اکثر جاسے دھوکہ دے کر
ملک گیری کی ہے۔ آج تو ہم سرکار کی اطاعت قبول کریں کل سرکار ہم کو کچا کر پھانسی
پر کھینچ دے۔ ایسی حالت میں ہم کو بھنگی کے اٹھ سے پھانسی کھانے سے تلوار کے
منہ سے مرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ریڈیٹنٹ بہادر نہیں نہیں تم لوگ ایسا ہرگز خیال نہ کرو ہم انجیل پر
 لکھ دھڑکے کہتا ہے کہ ہم تم سے ہرگز ہرگز وفانہ کرینگے اور بادشاہ صاحب کا بھی
 فرمانا یہی ہے۔ اس میں اکثر جو سمجھدار تھے۔ انہوں نے کہا ہاں صاحب بہادر سچ تو فرماتے
 ہیں جس طرح صاحب بہادر فرمائیں قبول کرنا چاہیے۔ مگر بعض بے جاں فہم جن کے
 سر پر مظالم کا بھوت سوار تھا اور موت و امنگیں تھی وہ بولے کہ اگر یہ لوگوں کے قول و
 قسم کا اعتبار نہیں۔ یہ لوگ قول دے کر پھر جاتے ہیں۔ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ان میں
 باہم تکرار ہونے لگی۔ آدھے تو یہ کہتے تھے میاں صاحب کا کہنا مان لو۔ آخر یہ بھی کلم
 وقت ہیں دلی کے مالک ہیں یہ کبھی ہم سے فریب نہ کرینگے اور آدھے اس بات پر اڑے
 ہوئے تھے کہ ہم ہرگز ہرگز نہیں مانیں گے۔ آخر ایک مالٹن سپاہی بولا کہ لو ہم فیصلہ ہی
 کئے دیتے ہیں۔ جھٹ بندوق چھتیا کر صاحب ریڈیٹنٹ بہادر پر فیر کر ہی دیا۔ مگر اس
 وقت قضا نہ تھی۔ وہ بندوق کی گولی صاحب بہادر اور حکیم حسن اللہ خاں کے برابر
 سے نکل کر تسمیع خانہ کے ستون پر جا کر لگی اور سنگ مرمر کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا وہ ستون
 آج تک ٹوٹا ہوا موجود ہے حکیم حسن اللہ خاں نے صاحب بہادر کا ہاتھ پکڑ کر
 اپنے پیچھے کر لیا اور کہا یہ لوگ ہرگز نہ مانیں گے جو حق نہائش تھا وہ ہو لیا اب اور
 تجویز کرنی چاہیے۔

صاحب ریڈیٹنٹ بہادر نے پھر محل میں جانے کی اجازت طلب کی اور محل
 میں جا کر بادشاہ سے عرض کی کہ جو حق سمجھانے کا تھا سمجھا لیا گیا۔ مگر یہ لوگ نہیں
 مانتے ہیں۔ ان لوگوں کے سر پر قضا سوار ہے ابھی جا کر ان کا بندوبست کرتا ہوں
 ابھی ان کو اکٹا دیا جائے گا ان کے انفصال کو نجدبان کو توالی کی پٹنیں کافی ہیں۔

اٹھارہ سو نجیب ہے بہت ہے ۔

بادشاہ سلامت ۔ اچھا جو میرے آدمی موجود ہیں اپنی حفاظت کو ہمراہ لیاؤ ۔
صاحب رینڈینٹ بہادر مسکرا کر ۔ دربار کی سو بھاس کے آدمی ہیں ڈیڑھ سی کی حفاظت
کو رہنے دیجئے حضور کا اقبال کافی ہے حضور خاطر جمع رکھیں حضور پر گندہ خاطر
نہ ہوں بندوبست ہوا جاتا ہے ۔

صاحب رینڈینٹ بہادر محل سے برآمد ہوئے ۔
رینڈینٹ کی واپسی | قلعہ دار صاحب اور صاحب بہادر لال پردہ کے دروازے

سے نکل کر بخشی گری کے چوک میں ہوتے ہوئے جالی کے دروازہ میں آئے اور دیوان
عام کا چوک طے کر کے نقار خانہ کے باہر آکر گہی پر سوار ہوئے قلعہ دار صاحب ہمراہ
میں یہ دونو صاحب گہی پر سوار ہیں اور نقار خانہ کے آگے کا چوک طے کر کے قلعہ کے
چھتہ سے گزر کر قلعہ کے دروازہ سے باہر ہوئے اور کہو کس میں گہی کو روک کر
دروازہ کی کمپنی کو کمر بندی کا حکم دیا اور کہا کہ تم کہو کس کی دیوار پر بندوبستیں بھر کر
تیار رہو اور جو باغی لوگ دروازہ پر آئیں ان کو اڑا دو اور کارتوس تو شان میں بھڑاؤ
کلکتہ دروازہ کے بندوبست کو جاتے ہیں ۔ خبردار ہو دروازہ کہو کس کا بندوبست ۔
کھڑکی کھلی رہنے دو ۔ یہ کہہ کر دونو صاحب گہی پر سوار کہو کس کے دروازہ سے باہر
آئے کلکتہ دروازہ پر پہنچے وہاں جاکر دیکھا کہ دروازہ معمور ہے کو تو الی شہر اور تھانید
اور مجاڑ و سپاہی سب مستعد ہیں ۔ شہر پناہ کے ڈنڈے پر کلکتہ دروازہ سے موت
دروازہ تک نجیب لین جمائے کھڑے ہیں ناکوں پر بھی موجود ہیں تکہ موت دروازہ اور
کلکتہ دروازہ کے مابین جو ایک برج چھوٹا سا شہر پناہ کا ہے اس پر ایک توپ

پڑھی ہوئی ہے۔ اور اس کا رخ پل کی طرف کے دروازے میں سے پل کی طرف ہے
اب احتمال یہ ہے کہ آخر فوج باغیہ جو دریائے جمن سے عبور کر کے آئے گی تو اسی
دروازہ سے آئے گی۔ اس انتظار میں ساری فوج نجیبان کی جی کھڑی ہے یہاں
تو انتظام ہو رہا ہے۔ سب کیل کانٹے سے درست ہیں۔ جنگ کا سامان ہے گشتگی
تقدیر کی کسی کو خبر نہیں ہے۔

کہن چرخ مشعبہ حقیقہ باز است پلے آزار مردم حیلہ ساز است
صاحب ریڈنٹ بہادر تو اور ہر خست ہو کر آئے چرخ مشعبہ باز
پانچ سوار | نے اور تازہ بادی آغاز کی۔ سواران باغیہ واپس ہو کر کلکتہ دروازہ
کی طرف تو گئے نہیں انہوں نے راج گھاٹ دروازہ کی طرف رخ کیا اور راج گھاٹ
دروازہ پر پہنچے۔ ایسا روایات مختلفہ گوش گزار راقم ہوئی ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ دروازہ
بند تھا اور نجیب دروازہ پر موجود تھے۔ جتنا کہ اشران کرنے والے بہت سے منتظر
تھے کہ دروازہ باز ہو تو ہم جا کر اشران کریں مگر دروازہ بند تھا پانصد کے قریب آدمی
جمع ہو گئے تھے۔ دروازہ والوں سے بحث کر رہے تھے کہ دروازہ کھول دو تو ہم
جا کر اشران سے فارغ ہوں تو روٹی ٹکڑا کریں۔ دروازہ والے انکار کرتے تھے۔ کہ
ہرگز دروازہ بے حکم مسکار نہیں کھلتا ہے آخر نوبت زدو کو ب کی پہنچی اور گولوں نے
بلوا کر کے پتھروں سے قفل دروازہ توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ یا یہ کہ دروازہ دراصل پہلے
سے کھلا ہوا تھا مگر یہ بھی قمرین قیاس نہیں دروازے شہر کے سب محصور ہو چکے ہیں
اور جب کلکتہ دروازہ پر تو اتنا بندوبست ہے تو اور دروازے کیسے کھلے رہ
سکتے ہیں۔

غرض کہ اس روایت کی تحقیق پوری طور پر قائم کو نہیں کہ دروازہ کیونکر کھلا۔
 قصہ مختصر سواران باغیہ راجگھاٹ کے دروازہ سے شہر میں داخل ہوئے اور
 دروازے کی سڑک جو کہانی چوبلی دریا گنج کی چوڑائی میں سنہری مسجد کے سامنے جا کر
 تمام ہوتی ہے۔ وہاں سنہری مسجد کے نیچے چوراہہ ہے ایک سڑک تو لال قلعہ کے
 نیچے ہوتی ہوئی لال ڈگی کو جاتی ہے اور ایک راستہ خاص بازار کو جاتا ہے اور
 یہیں سے قلعہ کے نیچے کامیدان شروع ہے اور جنوب کے جانب ہیں وہ سڑکیں
 برابر ملی دروازہ کو جاتی ہیں۔ ہر مانل سے اور ایک سڑک گوشہ جنوب اور مشرق
 میں دریا گنج کو جاتی ہے۔ اس میں اول ہی سڑک کے سرے پر پادری صاحب کا
 بنگلہ ہے۔ یہ پادری صاحب اول تو ہنود تھے پھر عیسائی ہو گئے تھے اول انہیں
 پر چوٹ ہوتی۔ پہلی بسم اللہ گشت و خون کی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔
 سواران باغیہ بنگلے کی قطع دیکھ کر بنگلہ کی غلام گردش میں آ کر کھڑے ہوئے
 سواران باغیہ۔ ختم کون۔

پادری صاحب۔ پادری۔ سواران باغیہ مسلمان یا ہندو۔
 پادری عیسائی۔ یہ سنتے ہی ایک سوار نے پستول کا گھڑا دیا اور ہنر پنچہ کی آواز
 ہوئی اور ادھر سرخ روحنے آسمان کو پرواز کی۔ پادری صاحب تو غلام گردش
 میں دروازہ ہوئے اور دست غارتگری فراز۔ سواران بنگلہ کو آگ لگا کر آگے روانہ
 ہوئے۔

لال ڈگی کے سرے پر پہنچے اور ہسپتال میں داخل ہو کر ڈاکٹر صاحب کی مزاج
 پرسی کی۔ چمن لال ڈاکٹر ذات کے کالیستہ تھے تھوڑے عرصہ سے وہ اور ماسٹر

رام چند دونوں عیسائی ہو گئے تھے۔ اُس وقت شفا خانہ میں سوار جا کر نکیرین
 کی طرح چھاتی پر سوار ہو گئے اور سوال کیا کیا دین رکھتے ہو ڈاکٹر صاحب نے
 کہا۔ عیسیٰ مسیح کا فرقہ باغیہ نے اُن کو بھی ایک ضرب طینچہ میں پاوری صاحب کے
 پاس پہنچا دیا۔ شفا خانہ توڑ پھوڑ کر سب برابر کیا۔ ان دونوں شخصوں کے مارے جانے
 کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور تمام بد پیشہ بد معاش چوٹے اٹھانی گیر سے کر کی ہڈی
 بازار مال مروجہ خور جو ایسے موافقات کے منتظر رہتے تھے گھروں سے نکل نکل کر
 اُن موجود ہوئے اور ایک جم غفیر اور اڑدھام کثیر فرقہ باغیہ میں شامل ہو گیا۔ اب ایک
 سوار ہے سپاس بد پیشہ اُس کی اردلی میں دوڑے جاتے ہیں سوار کسی پر دست
 درازی کرتے ہیں بد معاش لٹ کھسوٹ کرنے لگتے اور سامان توڑ پھوڑ کر برابر کرتے
 ہیں۔ جو شے آتی ہے اُسے لے بھاگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ زبیت پنچھی کہ سواران باغیہ
 قلعہ کے لاہوری دروازہ تک جا پہنچے۔ کوئی ان کا سد راہ نہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر فرقہ
 باغیہ نے دریا نیت کیا کہ لاکرین لوگ کہاں ہیں کسی نے کہہ دیا کہ لاکرین لوگ اور تمام
 تھانہ دار کو توال بھیاں وغیرہ سب کلکتہ دروازہ پر جمع ہیں۔ یہ سُننے ہی سواران باغیہ
 میں سے پانچ سواروں نے کلکتہ دروازہ کی جانب گھوڑوں کی باگیں اٹھا دیں اور
 سرپٹ گھوڑے بگٹٹ دال سے روانہ ہوئے۔ باقی سوار تمام زیر دیوار قلعہ لب خندق
 لال ڈوگی کی سڑک پر کھڑے رہے۔ یہ پانچ سوار جو اندھی گولے کی طرح سے گڑ بڑ
 گڑ بڑ کرتے ہوئے بلا تماشا قریب کلکتہ دروازہ پہنچے اور اُن کے گھوڑوں کے
 ٹاپوں کی آواز محافظان دروازہ جو بالائے دیوار شہر سپاہ روزنوں میں بندوبست کئے
 ہوئے سواروں کے انتظار میں کھڑے ہوئے پل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے

کان میں پہنچی۔ اور ٹپٹ پھیر کر جو سواروں کو آتے ہوئے دیکھا یکبارگی سب کے
 اوسان خطا ہو گئے اور کسی کے منہ سے نہ نکلا کہ اے وہ تو یہ آگئے پس کہنا غضب
 ہو گیا ڈنڈی پر اور ڈنڈی کے نیچے جتنے انگریز اور کوتوال اور تھانہ دار بحیب کھڑے
 ہوئے تھے سب کے پاؤں اٹھ گئے۔ اُس وقت ایسا ہیرو اور نامردی طبیعتوں
 پر مستولی ہوئی کسی کی جرأت اور ہمت نہ پڑی کہ ان پانچ سواروں پر حملہ کرے۔ اور
 ان پانچ سواروں کا رعب ایسا غالب ہوا کہ ڈنڈے پر سے کود کود کر سب بھاگ
 مود دروازہ کی جانب فرار ہو گئے اُس وقت اگر یہ لوگ مٹھی مٹھی بھر خاک ڈال دیتے
 تو وہ دب کر رہ جاتے مگر استغفر اللہ کس کی جرأت تھی کہ اُن کے مقابل ہوتا جیسے
 بھریوں میں شیر اُن پڑ بھاگئے کے سوا کوئی چارہ نہ سوچا۔ اب میدان صاف ہو گیا۔ رہ
 گئے بے چارے ریزڈینٹ بہادر اور قلعہ دار صاحب اُن کے سوا چڑیا تک کا نام و
 نشان نہ پایا۔

اُن پانچوں سواروں نے صاحب ریزڈینٹ بہادر کی نگھی کو آگھیرا مگر واہری
 جرأت و ہمت صاحبِ حمد و ح کی کہ اُس وقت سبکی میں ذرا انتشار طبیعت اور
 اضمحلالِ خاطر کو دل میں نہ آنے دیا اور بہ استقلال تمام نگھی کو گھوڑے کی باگ قلعہ
 کے دروازہ کی جانب پھیر دی اور چابک مار کر گھوڑے کو تیز کر دیا اور سوار بھی ساتھ
 کے ساتھ شمشیر برہنہ کئے ہوئے بارادہ قتل چلے آتے تھے کہ ایک سوار نے
 گھوڑا بڑھا کر چاہا کہ تلوار کا وار کرے۔ صاحب ریزڈینٹ نے جیسی طینچہ نکال کر
 اُس پر پسر کیا اور پینچہ کی گولی سوار کے سینہ پر کارگر ہو گئی اور اس کا کام تمام کیا۔ باقی چار
 سواروں نے کہا کہ اب تو تم نے ہمارا ایک سوار بھی گرا دیا۔ اب ہم تم کو ہرگز جیتا

نہ چھوڑیں گے غرض کہ جوں توں کر کے دروازہ قلعہ تک پہنچے اور گھبی میں سے
جلدی جلدی کود کر کھڑکی کی راہ سے دروازہ قلعہ میں داخل ہوئے اور کھڑکی پر
بھی قفل ڈلوادیا اور کمپنی کو حکم دیا کہ ہاں کیا دیکھتے ہو ان باغیوں پر فیر کیوں نہیں کرتے
یہ کہہ کر دونوں صاحب قلعہ کے چھتے میں داخل ہوئے اور چھتے سے گزر کر زینے پر
چڑھتے تھے قلعہ دار صاحب تو دروازہ پر جہاں ان کی سکونت کا مکان تھا جا
پہنچے اور بڑے صاحب چونکہ حسیم تھے ہنوز راہ میں ہیں۔

سواران باغیاں نے نگہبانان دروازہ سے آکر کہا کہ تم لوگ دین کے ساتھی
ہو کہ ان کے؟ نگہبان دروازہ؟ دین کے۔ سواران تو دروازہ کیوں بند کر رکھا
ہے؟ سپاہیان دروازہ نے فوراً چوپٹ دروازہ کھول دیا۔
سواران صاحب کہاں گئے؟ نگہبان دروازہ۔ بالائے دروازہ۔
سواران باغیہ فی الفور گھوڑوں پر سے کود کر گھوڑوں کو تو سپاہیان
دروازہ کے حوالہ کیا اور چھتے میں روانہ ہوئے اور زینہ کی راہ میں بڑے صاحب
بہادر کو جایا۔

رینڈیٹ کا قتل

افسوس صد افسوس کہ باغیان کو زندہ نہ کرنے کے لیے کچھ حق نہ تھا
پر خیال نہ کیا اور اس حاکم ذوی الاقتدار بھفت شہا
کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور بضر بات شمشیر ان کا کام تمام کیا اور اوپر دروازہ
کے منگہ پر جا کر قلعہ دار صاحب اور قلعہ دار کی بیوی اور ان کے بچوں کو مارے تلواروں
کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔

دنیا الحق مقام عبرت ہے اس لئے اہل اللہ جن کو خداوند عالم الغیب نے

چشم بصیرت اور نگاہ معنی مگر عطا فرمائی ہے۔ وہ ہرگز ہرگز اس عروس گندم نامے
جو فروش کے حسن ابد فریب پر مائل نہیں ہوتے ہیں اور اس کے نقش و نگار ظاہری
و بہارِ عارضی کے دام فریب پر التفات نہیں فرماتے ہیں ۷

دو در وادیں باغِ آراستہ در و بندازیں ہر دو بر خاستہ
ورہا ز در باغ و بنگرہ تمام ز دیگر در باغ بیروں خرام
اس کی ثروت و تمکنت اور دولت و حشمت سلطنت کا کچھ اعتبار نہیں
ہزاروں بادشاہانِ عالی مقدار و سلاطین ذوی الاقتدار چشم زدن میں پامال
نکیت دادبار ہو گئے ہیں۔ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

خیال فرمانا چاہئے کہ یا تو سلطنتِ برطانیہ کا یہ رعبِ مملوت و سیاست
تھا کہ آج کسی دول خارجی کی یہ مجال اور حوصلہ نہیں کہ سرکار سے آنکھ ملا کر دیکھ سکے
یا پانسہ پٹا تو ایسا پٹا کہ چند جہاں گھس گھسوں نے آنا فنا میں زیر و زیر کر دیا۔
وَتَعْزُ مِنْ تَشَاءُ وَتُزِلُّ مِنْ تَشَاءُ بِإِذْنِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

بخیر و کفین کا انتظام ۷

جہاں میں جتنے تھے او باطل بدنام فرجام	دغا شعار چلچل پور بد معاش تمام
ہوئے شریک سپاہِ شریر و بد انجام	کیا تمام شریفوں کے نام کو بد نام
دو چند آتشِ فتنہ کو سر بلند کیا	کیا وہ کام کہ عالم کو در و مند کیا
شریر و مغوی و نا اہل سر اٹھانے لگے	کہ مگر ہوں کورہ مگر ہی دکھانے لگے
چھپے ہوؤں کا سراغ و نشان بتانے لگے	پکڑ پکڑ کے ستمگار خوں بہانے لگے

اُٹھائی گئے اچکے گھروں سے دھڑکے
جو گٹھ کٹے تھے وہ گٹھری لپک کے دھڑکے

ہمارے ہاں کمرے کے گھنٹے میں سات بج کر پچیس منٹ پر سوئی آکر قائم ہوئی
ہے۔ راقم روزے کی نیت باندھ کر جو چھپر کھٹ پر دراز ہوا تو جوانی کی نیند ہے۔
بائیس کاسن نیٹی نیٹی شادی ہوئی ہے۔ چار مہینے شادی کو گزرے ہیں بلند
مکانات سے جب آفتاب بلند ہو چکا ہے اور کمرے کی منڈیر سے دھوپ اتر کر
نصف دروں تک آپہنچی ہے اور چھپر کھٹ کے پردوں میں چھن چھن کر
تازت آفتاب بدن پر اثر کرنے لگی ہے۔ جب خواب سے بیدار ہوا ہے مکان کی
سقف فراخ ہے تو کمرے کے آگے کا صحن وسیع ہے کمرہ شرق رویہ ہے جنوب
کی جانب دیوار بلند ہے شرق کی جانب قد آدم ہے۔ زینہ شرق کی جانب ہے۔
زینہ میں سے دو رستے ہیں ایک دیوان خانہ کے چھت کی جانب دوسرا کمرہ
کے صحن میں کمرہ کے آگے چھپر کھٹ ہے اور چھپر کھٹ کے آگے چوکیدار کا فرش
اُس پر درسی چاندنی وغیرہ کا فرش ہے۔ گاؤں کی بھرت کی پٹی سے لگا ہوا ہے۔
جوانح ضروریہ سے فارغ ہو کر مونڈھے پر بیٹھا ہوں دوسرے مونڈھے پر سیلا پچی دھری
ہوئی ہے۔ خادمہ کے ہاتھ میں آفتاب ہے منہ دھو کر دمال سے ہاتھ منہ پاک کر چکا
ہوں۔ سامنے کرسی دار مونڈھے پر آئینہ دھرا ہے کنگھی سے بالوں کو سلجھا کر مروڑی دے
رہا ہوں کہ یکایک کیا دیکھتا ہوں ایک خادمہ گھبرائی ہوئی سانس چڑھا ہوا ہوش حواس
پر لگندہ پسینے پسینے منہ فق۔ رنگ زرد لبے اوسان زینہ پر سے چڑھی چلی آتی ہے
آتے ہی دھم سے چوکھوں پوگر گئی

ہیں ہیں مبارک خیر باشد آج ایسی گھبراہٹی ہوئی کہاں سے آئی۔ گھر میں تو خیر ہے
مبارک سلام کر کے ہاتھ کے اشارہ سے ذرا سانس قائم ہو لے تو کہتی ہوں قریب
چار منٹ کے سر مکر پڑے ٹھٹھی رہی جب ہوش درست ہوئے تو کہا میاں مجھے نواب
صاحب اور تمہاری خوشدمن نے بھیجا ہے اور تمہاری خیر خیریت دریافت کی
ہے کہ تم گھر میں ہو یا قلعہ میں۔ راقم میں تو اچھا بھلا چنگا ہوں خدا کا فضل ہے قلعہ
تو بسبب رمضان المبارک دوسرے دوسرے روز جاتا ہوں آج تو نہیں گیا۔
اور میری بیوی بھی تند رست ہیں یہ دیکھ لے چھپر کھٹ میں سوتی ہیں۔
مبارک: اور یہ تختوں پر چدراوڑھے کون سوتا ہے۔

راقم:- فہیم النساء مانی سوتی ہیں۔

مبارک:- بی مانی ابھی تک اٹھی نہیں شہر کی بجھے کچھ خبر ہے۔ شہر میں تو
غدر ہو رہا ہے۔ تم پڑی سوتی ہو۔

مانی:- اے چل کمبخت دُور پار غدر کیوں ہونے لگا تو ایسی ہی فال
زبان سے نکالا کرتی ہے۔ صبح ہی صبح کہاں سے آئی ہیں رات بھر کی جاگی ہوئی
ہوں۔ مجھے سونے دے۔

راقم:- مبارک غدر کیسی میاں دکانیں شہر کی بند ہیں بازار میں سوار
پھر رہے ہیں۔ شہر میں خاک اڑ رہی ہے۔ جب تو نواب صاحب نے تمہاری
خیریت منگائی ہے۔

راقم:- مبارک کیا کہتی ہے۔ سوار کیسے کس کے سوار۔؟

مبارک:- میاں میں تو عورت ذات مجھے کیا معلوم کس کے سوار ہیں

اگر میں مرد ہوتی تو ان سے پوچھتی کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔

راقم :- مبارک سواروں کو تم نے آنکھ سے بھی دیکھا یا سنی سنائی کہتی ہے۔

صبادک :- ہاں میاں میں آنکھ سے دیکھ کر آئی ہوں۔ جامع مسجد کے نیچے پانچ

سات سوار پھر رہے تھے۔ بلکہ میرے پیچھے پیچھے شاہ بولا کی سڑک تک آئے۔ میں

روشن پورہ میں چلی آئی اور وہ قاضی کے حوض کی طرف چلے گئے۔

راقم :- کس وضع کے سوار تھے کیسے کپڑے تھے کیسے گھوڑے تھے۔

صبادک :- کپڑے تو ان کے سفید ہی تھے۔ محرک گھوڑوں کا سامان انگریزی تھا۔

یہ واقعہ سن کر مجھ پر ایک حیرت کا عالم ہوا اور چند منٹ تک سکوت میں گردن جھک رہے ہوئے

خاموش بیٹھا رہا اور خیالات فاسدہ میرے دماغ میں گردش کرتے رہے۔ یکایک

خیال نے پٹا کھایا اور طبیعت میں یہ بات آئی۔ آہ وہ جو دو بزرگوار اولیاء اللہ نے

مجھ سے چند کلمے بطور پیشگوئی بیان کئے تھے۔ یہ اس کا ظہور ہے۔

اس واقعہ سے پانچ چار ماہ پیشتر ایک روز میں بازار پایہ والوں میں ایک

کتب فروش کی دکان پر بیٹھا ہوا کتابوں کی سیر کر رہا تھا کہ یکایک ایک بزرگوار عظیم

دراز قامت، فرہ اندام، دراز ریش سیہ فام، کڑ بڑی دار مٹی ساٹھ برس کا سن و

سال ڈھیلانگر کھا۔ شرعی پانچامہ گول ٹوپی ماتھ میں عصا گلے میں تسبیح ڈالے ارد

ہوئے اور دکان پر آکر بولے۔ بھائی سلام علیک مولوی عیسیٰ کتب فروش نے

اور میں نے تعظیم دی۔

مولوی عیسیٰ آئے حافظ صاحب راقم کی برابر آکر بیٹھ گئے۔

حافظ صاحب راقم سے مخاطب ہو کر، بھائی ان کتابوں میں کوئی کلام مجید

بھی ہے

راقم :- حضرت ہاں ہے میں نے ایک لکھنؤ کے چھاپہ کلام اللہ تار کر حافظ صاحب کے حوالے کیا۔ حافظ صاحب تلاوت میں مشغول ہوئے۔ ایک رکوع جب ختم ہو گیا تو حافظ صاحب پر حالت جذب طاری ہوئی اور آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چہرہ تہمتا گیا گردن کی رگین پھول گئیں اور حالت غیظ و غضب میں بازار کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔ ایلو ایلو وہ مار ڈالا وہ مار ڈالا وہ پھانسی دے دیا وہ پھانسی دے دیا واہ واہ کیا خوب تماشا ہے۔ ایک کو ایک مارے ڈالتا ہے۔ ایک کو ایک پھانسی دے رہا ہے۔ اور کوئی کچھ نہیں کہتا اور بارہن صاحب بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ یہ الفاظ فرما کر حافظ صاحب خود ہی فرمانے لگے۔ بس خاموش رہو تم کو کس نے اذن دیا ہے کہ تم اسرار الہی کا پردہ فاش کر دے کہہ کر حافظ صاحب نے گردن نیچے جھکا لی اور پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ ایک رکوع پڑھ کر پھر وہی حالت طاری ہو گئی اور دوبارہ پھر انہیں الفاظ میں وہی کلمات سابق ادا فرمائے۔ غصہ مڑہ بعد اولے و کثرۃ بعد آخرے تین بار یہ ظہور میں آیا اور بعد حافظ صاحب نے کلام شریف کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور سر پور رکھا اور میرے حوالے کیا میں نے الماری میں رکھ دیا۔ پھر حافظ صاحب راقم سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے تم شہر میں بیٹھے ہو کیا کرتے ہو باہر جواڑے کی سیر کیا کرو۔ دنیا دار کو گھر میں بیٹھا یہ سنا نہ چاہئے۔ میں خاموش بیٹھا۔ مارے رعب کے کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر فرمانے لگے تمہارے والد خط نسخ کے بہت بڑے خوشنویس ہیں تم اپنے والد سے مجھے ایک کلام اللہ لیا لکھوا دو کہ ایک ورق میں سیپارہ تمام ہو جائے اور تیس ورق میں تیس سیپارے ختم ہو جائیں۔

راقم :- بہت بہتر میں عرض کروں گا۔

حافظ صاحب بھائی میرے واسطے پرانٹھے اور میٹھی کا ساگ پکوا کر لانا۔

راقم :- بہت بہتر آپ کہاں ملیں گے۔

حافظ صاحب :- یہ برابر میں جو نابائی کی دکان ہے۔ یہ کہہ کر اور سلام علیک

کہہ کر تشریف لے گئے۔ ہنوز یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امیر خاں خدمت گار نے دروازہ

پر ایک خادمہ کا نام لے کر آواز دی کہ میاں سو تے ہیں یا جاگتے ہیں۔ اگر سو تے

ہوں تو جگادو۔ ڈیوڑھی سے چوہدری حکم لے کر آیا ہے یہ آواز میرے گوش گزار ہوئی

میں جس طرح بیٹھا ہوا تھا نیچے اتر کر آیا۔ اور باہر دیوان خانہ میں پہنچا۔ چوہدری نے حکم

سنایا کہ حضور کا حکم ہے، زبانی محبوب علی خاں کے کہ جتنے ملازم سرکار ہیں سب آکر

ڈیوڑھی پہ حاضر ہوں۔ آپ جلدی سوار ہو کر جلیے۔ مجھے اور کسی جلیے حکم پہنچانا ہے

میں سن کر آداب بجالایا اور چوہدری سے کہا کہ ابھی کپڑے پہن کر مکر بندھ کر روانہ ہوتا

ہوں۔ گوردھن سے کہنا گھوڑے پر چار جامہ رکھو۔ امیر خاں سے کہنا تیار ہو جاؤ

یہ کہہ کر گھر میں آیا۔ والد ماجد اللہم اغفر وارحم باہر کے دالان میں تختوں کے فرش پر

سوزنی بچھی ہوئی تھی۔ تیکہ لگا ہوا عادت معمودہ بیٹھے ہوئے کلام مجید لکھ رہے

تھے۔ ان کی خدمت میں جا کر آداب بجالا کر دوزانو ہو بیٹھا۔ میری جانب مخاطب ہو کر

پوچھنے لگے خیر باد میں نے تمام حال گزارش کیا یہ کہہ کر جزو کلام مجید کو ہاتھ سے لکھ

دیا اور چند منٹ تک گردن جھکا کر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر گردن اٹھا کر فرمانے لگے

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کہا روں سے کہو یا لکی لگالیں میں جاتا ہوں

راقم :- دوست بستہ ہو کہ جناب آپ تشریف رکھیں۔ غلام نوکری میں جاتا

ہے اور چوہدار نے آپ کا نام نہیں لیا مجھے ہی حکم سنایا ہے۔ آپ کی نوکری تو حضور
 سے معاف ہے۔ آپ گھر سے خبردار رہیں۔ آدمیوں کو ڈیوڑھی پر چھوڑے جاتا ہوں
 فقط امیر خاں اور گوروہن چاکر کہ ہمراہ لے جاتا ہوں اور باقی پانچوں خدمتگار یہاں
 موجود ہیں۔ یہ عرض کر کے میں اوپر کوٹھے پر آیا اور کپڑے بدلے پگڑی باندھی اور
 جب چلنے لگا تو میرے گھر کے آدمی میری طرف دیکھ کر ابدیدہ ہونے لگے۔ میں
 کلمات تسلی آمیز کہہ کر نیچے آیا ارادہ ہوا کہ کچھ بتیاریاں لکھ میں لے چلنا ضرور ہے۔
 تلواریں چھری وغیرہ جو سالہا سال سے بے غور پڑے ہوئے تھے ان کو دیکھنے لگا
 کہ اگر کوئی کام کی ہو تو لیتا چلوں۔ اس میں والد بزرگوار نے منع فرمایا خبردار ایسی حرکت
 نہ کیجو۔ انگریزی عکداری ہے خدا جانے کیا معاملہ ہے سیدھا ڈیوڑھی پر چلا جا جب
 کچھ حکم ہوا اور حضور اجازت دیں تو حسب بتیاریاں کو لکھ لکائیو۔ غرض کہ میں سوار ہو کر آیا
 جس وقت چھوٹے دریاہ کے پھلک سے باہر نکلا ہوں تو دیکھا کہ تین چار سوار
 کرتے پہننے اور دھونیاں باندھے ہوئے سر سے ایک چھوٹا سا انگوچھ لپٹا ہوا
 فقط ایک کرچ ڈاب میں اور وہ پیل کے درخت کے سایہ میں نہر کی دیوار سے لگے
 کھڑے ہیں اور ہندو لوگ ان کی سربراہی کر رہے ہیں۔ کوئی پوریاں لے آیا ہے کوئی مٹھا
 کارونہ لئے آتا ہے کوئی لٹاپٹیل کا پانی سے بھر کر لاتا ہے میں نے کچھ ان کی طرف
 توجہ نہ کی اور قلعہ کی جانب روانہ ہوا وہاں سے چند قدم گھوڑا یا تو کیا دیکھتا ہوں گامی
 بدھاش پہلوان نہروالہ آگے آگے کرتے پہننے ہوئے لنگر لنگوٹ بندھا سر پر ٹوپی کا ندھ
 پر لٹھا اور پیچھے اس کے پچاس سو شہدوں کا ابنوہ سب کے لنگر لنگوٹے کئے ہاتھ
 میں بانٹیاں لئے چلے آتے ہیں۔ اشرف بیگ کے کمرے کے نیچے آکر اس نے

ایک لٹھ مشرک کی لاشیں پر مارا اور لاشیں چن ویسی ہو کر گر پڑی اور منہ سے کہا کہ
 یہ ایک کافر اور مارا اور پھر ایک بزاز کی دکان کا قفل توڑنے لگا میں گھوڑا بڑا کر آگے
 چلا گیا پھر آگے اور دو چار سوار پھرتے چلتے دیکھے نہ میں نے اُن سے کچھ کہا نہ
 انہوں نے میری مزاحمت کی میں سیدنا کو توالی ہوتا ہوا غوفی دروازہ کے آگے پہنچا
 تو دیکھا کہ انہوں نے کثیر بدعاشان کا ہے اور صرافوں کی دکانیں لٹ رہی ہیں۔ امیر خاں
 میرا خدمتگار ساتھ آتے آتے ٹھٹک رہا جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچا ہوں تو یہ تماشا
 دیکھا کہ قلعہ کی کھائی کی برابر کوئی سپاس سوار جمع ہیں اور انگریزی کتابوں کے اوراق پھٹے
 ہوئے پڑتے پھرتے ہیں۔ ہوا بہت تیز چل رہی ہے۔ کاغذ اٹھ اڑ کر قلعہ کے مبراڑ
 کی طرف آتے ہیں اور قلعہ کے دروازہ کے فاصلے سے چار کروڑی کھائی کے کھڑے
 لگا ہوا ایک مست ننگ دھڑنگ بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک پتھر نامونڈا
 انگریزی جوتا ہے اور کاغذ اٹھ اڑ کر اس کے پاس آتے ہیں اور وہ مجذوب غنیمت میں
 اُن کا غدول پر جوتے مارتا جاتا ہے اور برا بھلا کہہ رہا ہے۔ خیر یہاں سے گھوڑے
 کو بٹا کر میں تقار خانہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا اور گھوڑے سے اتر کر ڈیوڑھی سے گزر کر
 دیوان خانہ خاص کے صحن میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ دیوان خاص کے در میں
 ایک ستون کے در سے لگے ہوئے محبوب علی خاں بیٹھے ہیں اور سامنے اُن کے دوسرے
 در سے لگے ہوئے حکیم آسن الشرفاں بیٹھے ہیں اور سب درباری دور وہ دو صفیں

۱۔ احترام المدلہ رعدۃ الحکماء معتقد الملک۔ عاذق الزمان حکیم محمد آسن الشرفاں ثابت
 جنگ بہادر وزیر اعظم تھے۔ غدر کے بعد بہادر شاہ ظفر پر جو مقدمہ چلایا گیا۔ اس میں ان کی
 بھی شہادت ہوئی تھی۔

باندھے بیٹھے ہیں۔ میں نے جا کر سلام عیدیک کی اور ایک صفت میں بیٹھ گیا۔ ان دنوں
 صاحبوں کے بیچ میں ایک مسلمان پنجابی بزاز جس کی دکان قلعہ کے سرے پر تھی
 اور سب شاہزادے اور بیگمات کے یہاں وہی کپڑا دیا کرتا تھا بیٹھا ہے اور اس کے
 آگے تین سکھ لٹھے کے تھان اور طاقے سیاہ بانٹ کے دھڑکے ہیں اور سکھا
 نجیاط خانسامانی والا بیٹھا ہے حکیم حسن اللہ خاں بتاتے جاتے ہیں اور وہ کفن بیوتا
 جانتا ہے۔ میری عقل حیران ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے اور کس کا کفن تیار ہو رہا ہے
 ایسا کون شخص نار کیا جس کے تجہیز و تکفین کی اتنی نیاری ہو رہی ہے۔ میری برابر
 میر فتح علی اور ایک جانب مرزا احمد بیگ داروغہ آباد خانہ بیٹھے ہوئے تھے ان
 سے چپکے چپکے دریافت کرنے لگا وہ کچھ تھوڑا سا حال بیان کرنے پائے تھے کہ
 حکیم حسن اللہ خاں کے کان میں کچھ بھناک پہنچی۔ انہوں نے باواز بلند کہا کہ کیوں
 نہیں کہتے کہ صاحب رزیدنٹ بہادر مارے گئے ہیں اور بادشاہ کا حکم ہے کہ میرے
 سب ملازم جائیں اور صاحب کی تجہیز و تکفین کریں۔ اور قلعہ دار صاحب کی مانگی ہیں
 ان کو دفن کریں اور حضور کو ان کے مارے جانے کا نہایت قلق ہے۔ سات آدمی
 مارے گئے ہیں۔ دروازہ قلعہ پر لاشیں پڑی ہیں یہ کلمات سن کر میرے ہوش دھوکا
 باختہ ہو گئے۔ پانچ چھ منٹ تک تو مجھے کاٹو تو خون نہ تھا اور داغ میں ایک شامچر
 کھایا گیا۔ آخر کچھ ہوش درست ہوئے تو ساری کیفیت از ابتدا تا انتہا حضور دربار
 کی زبانی گوش گزار ہوئی۔

مہرز کفن تیار ہونے نہ پایا تھا انتظار تھا کہ کفن تیار ہو جائے تو محل کران کی
 تجہیز و تکفین کریں کہ کیا کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عزرائیل روح قبض کرنے کو

سامنے سے نمودار ہوئے اور وہی سوارانِ محسن کش لال پردے کے دروازہ سے
 آئے ہوئے دکھائی دے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے ان کی شکل دیکھ کر کہا کہ سب
 صاحبِ فاتحہ خیر ٹرپس قضا آن پہنچی۔ انا اللہ داننا الیہ راجعون سب لوگ فاتحہ خیر
 پڑھنے لگے۔ اس اشارے میں وہ دیوانِ خاص کے والان کے نیچے آن پہنچے اور گھوڑوں
 سے اتر کر گھوڑے تو جالی کے کپڑے سے اکائے اور آپ اندر آئے آئے
 ہی بیٹھ گئے تو اس وقت قریب ۳ آدمیوں کے ہوں گے اور اکثر ان میں افسر تھے
 وضع ان کی وہی یورپیوں کی تھی نہ افسر معلوم ہوتا تھا نہ سوار سب کی ایک وضع تھی
 گلے میں لٹکے کے کرتے پاؤں میں ڈھیلے لٹکے کے غرارے دار پانچاھے سر پہ
 چھوٹا سا انگوچھ لپٹا ہوا چنیا کھلی ہوئی کسی کے پاس قرابین کسی کے پاس بندوقا
 کسی کے پاس تنچہ اور کچھیں سب کے پاس موجود ہیں۔ وہ کپڑے کے تھان
 پھیلے ہوئے دیکھ کر حکیم احسن اللہ خاں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے یہ کیا سامان
 ہے۔

حکیم۔ احسن اللہ خاں آپ صاحبوں نے جو اعمال کئے ہیں اس کی تلافی ہم بھگت
 رہے ہیں آپ نے آگ لگائی ہے ہم بھگتا رہے ہیں۔
 سوارانِ باغیہ۔ ارے..... تم لوگ سب بے ایمان کر شان ہو۔ ارے تم
 سب عیسائی بے دین کر شین ہو۔ تم نے انگریزوں کا جو ٹھاکھا یا ہے یہ کہہ کر وہ
 جو تھان کفن کے پوزے ہوئے تھے وہ سب لوٹ لئے اور پھاڑ پھاڑ کر
 سروں سے باندھ لئے اور ایک سوار نے بڑھ کر محبوب علی خاں خواجہ سرا کی توند پر
 تنچہ رکھ دیا۔ محبوب علی خاں بیچارہ استغفرے کی بیماری میں مبتلا ہو جا ہوا پڑا تھا۔

مکرجی کا مردانہ تھا۔ گو خواجہ سرا تھا تو کیا ہوا۔

سوار۔ ہم کو رسد دلاؤ۔

محبوب علیخان۔ ہمارے پاس رسد کہاں سے آئی۔ ہمارے ہاں کوئی
فرج ہے شکر ہے جس کے واسطے رسد جمع رہے ہمارے پاس رسد سو کچھ نہیں
تم کو جان سے مار ڈالنا ہے تو مار ڈالو میں تو مرنے کو بیٹھا ہوں۔ بہت اچھا ہے جو
کسی کے سرا ہو کر مروں۔

شریف علیخان داماد محب علیخان سوار کا اٹھ پڑ کر کہا اُن سے کیا
کہتے ہو۔ تم ہم سے کہو ہم دیں گے۔

حکیم احسن اللہ خاں۔ ہمارے حضور خود اپنی زبان سے کہہ چکے ہیں کہ ہمارے
پاس روپیہ نہیں۔ مال نہیں۔ ملک نہیں۔ خزانہ نہیں ہم تو فقیروں کی طرح سے تکیہ بنائے
بیٹھے ہیں۔ ہم رسد کہاں سے لائیں۔ ہاں بادشاہ کے گھوڑوں کے اہیل کے واسطے
مہینہ بھر کی خوراک کے چنے آتے ہیں تو وہ موجود ہیں۔ اُس کے سوا ایک دانہ ہمارے
پاس موجود نہیں۔ بادشاہ کے گھوڑے بھوکے مریں گے۔ مگر تم اپنا پیٹ بھر لو مگر وہ
کب تک وفا کریں گے۔ تم لوگوں کے ایک دن کی خوراک کو کتنی نہ ہوں گے۔ جاؤ
شریف خاں دانہ کا کوٹھا کھول کر چنے تلوادو۔ تین تین سیر کے حساب سے فی کس تقسیم
کرا دو۔

غرض کہ جوں توں کر کے ایک بلا کو ٹالنا انہوں نے جا کے ہتھاب باغ میں گھوڑے
باندھے دوسرے آدراں موجود ہوئے۔ اب کے بار کوئی پچاس ساٹھ سوار کا اٹھ دھام
ہو گا۔ وہ بھی رسد طلب کرتے ہوئے آئے اُن کو بھی یہی کہہ کر ٹالاء اور پچاس ساٹھ

سوار کا اثر و حام ہوگا۔ وہ بھی رسد طلب کرتے ہوئے آئے۔ اُن کو بھی یہی کہہ کر ٹالا اور پچاس جان کھانے کو موجود ہوئے۔ غرض کہ اڑھائی سو تین سو کے قریب سوار ہتھاب باغ میں جمع ہو گئے۔ اب جوتا ہے وہ ہتھاب باغ میں اتر جاتا ہے۔ اس اتار میں قریب گیارہ بجے کے دن چڑھ گیا ہے کسی قدر پیدل بھی آتے جلتے ہیں تین چار سو پیدل بھی داخل شہر ہو گئے ہیں اور شہر میں غلہ بچ رہا ہے۔ شہر کو بدھاشان شہر لوٹ رہے ہیں کہ بہت سے سوار گھوڑے باندھ کر دیوانی قافلے میں محبوب علی خاں اور احسن اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ رسد اور ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔

ملازمان شاہی۔ ہم کیا بندوبست کریں جن لوگوں سے شہر کا بندوبست تھا۔ اُن کو تم نے مار ڈالا۔ شہر میں فوری محاربا۔ شہر لٹ رہا ہے۔ دوکانیں بند ہیں اب کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو۔ جہاں سے ممکن ہے کھاؤ پیو اور رہتا ہے۔ عجیب سے ہمارا کھانا پینا بھی بند ہوا۔

سوادان باغیہ۔ بادشاہ سلامت سے عرض کرو بازار کھلوائیں۔ چھ چیز بست نافہ آئے کھانے پینے کا مگر انجام ہو۔

ملازمان شاہی۔ دوکانیں تو تم نے پھٹے ہی لوٹ لیں اب اُن میں کیا دھڑ ہے جو کھلاتے ہو اور دوکاندار کس موقعہ پر دوکانیں کھولیں۔ شہر میں لوٹ مار موقوف ہوا احمد من چوین ہو تو بدکانیں کھلیں۔

سوادان باغیہ۔ ہم لوٹ مار کا بندوبست کرتے ہیں۔ اب ہم کسی پرست دراز بھی نہیں ہونے دیں گے جا بجا پھریں سپاہیوں کے پٹھانیں گے۔ بادشاہ سلامت کی

مناوی پھر وادیں اور دوکانیں کھلوا دیں۔

صلان شاہی۔ اچھا تم عہد کر دو کتاب ہم کسی قوم کے آدمی کو جان سے نہیں
ماریں گے نہ بازار نوٹیں گے۔ ہم ہمن کی مناوی پھر وادیں گے۔ تم اپنے سپاہی جا بجا
بٹھا دو۔

سواران نے اقرار کیا اور کہا کہ اپنے آدمی ہمارے ساتھ
قیام امن کی تدبیر | کر دو۔ ہم جا بجا تاکہ بندی کر دیتے ہیں اور دوکانوں کی

حفاظت کے واسطے پہرہ بٹھا دیتے ہیں کہ لوٹ کھسوٹ نہ ہو نہ پاسے۔ اور جو
دست درازی کرے وہ گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ تین چار آدمی مسوزین اور چند سرکاری
آدمی ان سواروں کے ہمراہ کئے گئے اور کوٹوالی شہر کے آگے ڈھنڈ ورجی کو ہوا کہ
حکم سنایا گیا کہ شہر میں مناوی پھر دے خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم بادشاہ کا کوئی کسی
پر ظلم و زیادتی نہ کرنے پائے۔ اب جو شخص کسی کے جان و مال پر دست اندازی کریگا
تو گنہگار سرکار ہوگا اور سرکاروں نے گھروں سے بلایا کر حلوائیوں کی دوکانیں کھلوا دیں
اور بقالوں کی دوکانوں بھی کھلی گئیں اور ان پر پہرہ بٹھا دیا کہ پہرے بٹھے گئے اور کچھ دکانیں بھی
کھلی گئیں۔ حلوائیوں نے بڑے بڑے کڑاؤ لگائی کے چڑھا دیئے پوریاں تلی جانے
لگیں۔ بقالوں نے دوکانیں کھول دیں۔ روزہ دار کھانے پینے کا سامان لے جانے
لگے۔ اس وقت احسن اللہ خاں نے راقم کو اور صفی مظہر اللہ بیگ رسالدار بادشاہی
کو حکم دیا کہ تم جا کر دیکھو شہر کی کیا کیفیت ہے۔ اب تو لوٹ مار نہیں ہوتی بلکہ جب حکم
ہم دونو آدمی سوار ہو کر بازار میں آئے اور تختپوری کی مسجد تک پہنچے تو امن امان پایا۔
کہیں لوٹ مار نہ تھی خالی خالی دوکانیں کھلی تھیں۔ دوکانوں پر پہرے لگے ہوئے تھے

خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ سپاہی قیمت دیتے تھے اور غنیمت کو لے لیتے تھے ہم واپس
آ رہے تھے کہ دیکھا کوتوالی کے سامنے کچھ ہجوم ہوا ہے۔ جاں کے پیڑ کے سایہ میں
بہت سے پوربی جمع ہیں اور بد معاشان شہری بھی موجود ہیں۔ ان بد معاشان نے یکبارگی
ان پوربیوں سے کہا کہ یہ کوتوال شہر بڑا انگریزوں کا خیر خواہ ہے۔ یہ سنا تھا کہ پوربیوں
نے ایک بار ہندوؤں کی سامنے سے کوتوالی کے برآمدے پر سر کی جس سے کوتوالی کا دروازہ
گرا اور کچھ لوگ کوتوالی کے اندر سے غتب کی دیواریں کو درگزر ہو گئے۔

اس اشارہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک ہجوم اور کوڑیا پل کی طرف سے آ رہے ہم شہر
رہے جب قریب آئے تو دیکھا کہ دو عورتیں جو ان خوبصورت میموں کو گرفتار کئے ہوئے
لا تے ہیں۔ راقم نے ان کو دیکھ کر ان سب سواروں سے جو ہندو بست کا اقرار کر کے آئے
تھے اور کوتوالی کے سامنے نیم کے درخت کے نیچے کھڑے تھے گھوڑا بڑا کر کہا ابھی تو
تم لوگ دست درازی کا انکار کر کے آئے ہو اور ابھی پھر دست درازی ہونے لگی یہ کیسے
عہد و پیمان ہیں تو ان سواروں نے ان دونوں عورتوں کو پٹہ بوں سے لے کر ہمارے
حوالہ کر دیا۔ بعد ان کے کہا گیا کہ یہاں تو تم ہمارے حوالہ کرتے ہو آگے پھر سپاہی لوگ
ہم سے جھپٹ کر مار ڈالیں گے تو دو سوار ہندو بست کے لئے ہمراہ ہو گئے جب ہم قلعہ
کے دروازہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ پوربیوں کی ایک جماعت کثیر اودان کے ہمراہ اور
ہندو مسلمان قریب پانچ ہزار آدمی کے چلے آتے ہیں۔

راقم ۱۔ یہ انہوہ کثیر کیسا ہے۔

سواران ۲۔ یہ ہمارے ممد و معاون ہیں جو میرٹھ میں ہمارے شریک حال تھے

غرض کہ ہم ٹیپوڑھی پر بخیر و عافیت پہنچے اس وقت نہ محبوب علی خاں تھے نہ آجی لکھنؤ

میں نے خواجہ سر کے ہمراہ ان دونوں عورتوں کو اندر لے لیا۔ بھجوا دیا۔ خواجہ سر نے کہا کہ حضور انور اس کا رکھنا ہی سے بہت خوش ہوئے۔ جہاں تک ممکن ہو رفاہ عام پر نظر رہے کسی آدمی کی جان ضائع نہ ہونے پائے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں وہ بدعاش ہیں جو جیل خانہ سے رہا ہوئے ہیں۔

راقم : دیکھئے اس وقت نشنگی کا نہایت غلبہ تھا۔ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ کیونکہ میں روزہ دار تھا اس پر یہ کالیبت شاقہ میں وہیں تسبیح خانہ کے سامان کے نیچے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک اور سنگامہ برپا ہوا۔ کیا دیکھا کہ تسبیح خانہ کی سیڑھیوں پر ایک جوان ولایتی چڑھنا آتا ہے اور پرہیزگار اس کو لئے ہوئے ہیں۔ اور ولایتی کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پتیل کی لٹیا اور موٹا تلوار کی ہے مگر تلوار ٹوٹ کر ادھی رہ گئی ہے اور وہ نصف تلوار قبضہ تک خون میں سرخ ہو رہی ہے اور بائیں ہاتھ میں ایک نوجوان حسین بہ چین نازنین مس کا ہاتھ ہے۔ اس لڑکی شکیذہ جمیلہ کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی معلوم ہوتی ہے۔ ملازقہ کتابی چہرہ باریک کمر سفید ہراق سایہ اس کے گلے میں ہے مگر اس پر کچھ کچھ خون کی بوندوں کے نشان معلوم ہونے لگے۔ اور لڑکی کا منہ فنی رنگ سفید چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور سانپ ٹھکانے نہیں رہیں۔ پسینہ ہو رہی ہے۔

راقم یہ کیفیت دیکھتے ہی فوراً سبے تابانہ اس کے پاس پہنچا اور دل میں خیال آیا کہ اس کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ خون آلودہ ہے اور سر پر خون سوار ہے مہادامکھ پیری وارک سیٹھے یا اس نازنین پر ہاتھ چھوڑ کے کا تو اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ پہلے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی جائے۔ پھر اس لڑکی کا ہاتھ چھوڑا لیا۔ یہ سوچ کر میں نے

پہلے جاتے ہی دائیں ہاتھ سے اس کی کلائی خوب طاقت سے پکڑ لی اور بایں ہاتھ
تکوار کی کمزری پر ٹالا اور زبانی یہ الفاظ کہے کہ میں بے ادب تو نہیں جانتا یہ بادشاہ کی
ڈیوڑھی ہے یہاں ہتھیار باندھنے کی ممانعت ہے، اس میں اور آدمی بھی اٹھ کر چپٹ
گئے اور اس نازنین لڑکی ستم رسیدہ نے جو اس طرح کا ترجمہ اور سامی و مددگار اپنا پایا تو
وہ میری اوٹ میں ہو گئی اور میری کمر میں اپنا ہاتھ ڈال دیا جب اس کا جسم میرے جسم
سے مس ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ مارے خوف کے مانند بید کے لرزاں وترساں ہے۔
کلید اس کا دھڑک رہا تھا۔ غرض کہ میں نے تلوار تو اس کے ہاتھ سے چھین لی اور پوچھا
کہ تیرا کیا مطلب ہے منہ سے بیان کر۔

جوان ولایتی۔ بھائی خدا کی قسم ہے ہم نے کچھ نہیں لوٹا۔ دنیا لاکھوں روپیہ
کا مال لوٹ کر لے گئی۔ ہم نے کسی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ہم نے فقط یہ مال لوٹا ہے ہم
کو یہ مال مل جاوے اور ہم کو کچھ نہیں دے کار۔

راقم ۱۔ وہ شمشیر شکستہ اس کے حوالہ کی اور کہا ابھی تم کو یہ مال نہیں مل سکتا
ہے اگر اس عورت کو کہا جائے تو تمہاری جان بھی جا سکی اور یہ غریب بکس بھی
جائے گی۔ تمہاری کوششیں و جانفشانی ضائع جائے گی۔ یہ سپاہی لوگ ابھی تم
کو اور اس عورت کو ہلاک کر دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑے روز تم صبر کرو۔
جب ہنگامہ فرو ہو جائے گا اور ضرر مٹ جائے گا اس وقت یہ امانت تمہاری
تم کو مل جائے گی ابھی تمہارے بادشاہ کے پاس رہے گی اس میں اور خواجہ سرا
وغیرہ جو ڈیوڑھی پر موجود تھے سب راقم کے ہم زبان ہوئے اور سمجھا سمجھو کہ وہاں
سے روانہ کیا اور اس نوجوان نازنین کے ذرا جان میں جان آئی اور مجھ سے الگ ہو کر

کھڑی ہوئی۔ اب میں نے اس مس سے اس کا حال دریافت کیا کہ تم کو یہ کیونکر
لایا۔

نوجوان مس نے منہ کو ہاتھ لگا کر پانی کا اشارہ کیا میں نے آبدار خانہ میں سے
پانی منگوا کر اسے پلویا جب ذرا ہوش درست ہوئے۔

نوجوان مس۔ اس آدمی نے صاحب کو مار ڈالا۔ اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر لے چلا۔
راستہ میں سپاہی لوگ ہم کو چھیننے لگے۔ اس نے نہ دیا مرنے مارنے پر تیار ہوا۔ لڑنا بھڑنا
یہاں تک آیا۔ مال و اسباب ہمارا دنیا نے لوٹ لیا۔ کیا اب ہم کو تم اس آدمی کو پھر
دے دو گے۔

راقم نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب بادشاہ کی پناہ میں آگئی ہو۔
جیسا بادشاہ کا حکم ہو گا۔ وہ کیا جائیگا ابھی تم کو حفاظت میں بہ آسائش تمام رکھا
جائے گا۔ کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جس وقت نذر مرٹ جائے گا پھر تم کو
اختیار ہے جہاں چاہو رہو تم مختار ہو تمہاری زندگی تھی کہ تم زندہ سلامت یہاں
پہنچ گئیں اب تم کو کوئی نہیں مار سکتا۔

نذر اسانس بھر کر دیکھا چاہیے؟

راقم نے خواجہ سراسے کہا کہ ان کو محل میں بھجوا دو۔ اور خواجہ سراسے ڈیوڑھی کا
پردہ اٹھایا اور بادی دار کو آواز دی بی باری داریم صاحبہ آتی ہیں۔ انہیں حضور میں
پہنچا دو۔ ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا اور وہ نوجوان تانہیں خاتون اندر داخل ہوئی۔

اب دوبہ چکے میں تیسرے کا عمل ہے۔ بدعاشان شہر
بینک لوٹ لیا | نے جو دیکھا کہ اب لوٹ مار کی ممانعت ہو گئی۔ اب وال

گلشنی دشوار ہے۔ اغوائے باغبان پر کمر باندھی مثل مشہور ہے ایک تو کڑوا کر بلا اس
 پر چڑھا نیب بحسب تمکریں و مرغیب مغویان شیطان سرشت فرقہ باغیہ ہمراہ ہوئے
 اور بد پیشگان نے اُن کو لے کر بنک گھر کے دروازہ پر کھڑا کر دیا۔ بنک سرکاری
 شہر کی بیگم کے باغ کی کوٹھی میں جو خونی دروازہ کے محاذ میں اور دروازہ باغ جنوب
 رو بہ بربک اُردو بازار واقع ہے۔ غارتگران بے پروا نے جو دروازہ باغ میں قدم
 رکھا۔ محافظان خزانہ بنک نے جو انگریز تھے نیز چند غورات مع بچوں کے پناہ گزین
 تھیں اُن انگریزوں نے سر مشتہ خرم و اتیاط خزانہ لٹے سے نہ دیا اور بہ استقلال
 تمام وجوہات مالا کلام مقابلہ سے پیش آئے اور سقفت کمر سے بند و قیس سرسری ادھر
 مردمان باغیہ نے جواب ترکی بہ ترکی دیا و طانی کا سامان ہو گیا۔ باہم صندوق چلنے لگی۔
 کھنڈری ویر یہ ہنگامہ برپا ہوا۔ بعدہ دو چار بد معاشوں نے دیوار باغ سے کود کر کوٹھی
 کی چھت میں آگ لگا دی۔ کوٹھی کے سقفت میں بڑے بڑے طویل اور جسم شہیریں
 جب چل کر گرنے لگیں تو شعلہ لائے آتش سر بنگل کشیدہ ہو گئے اور اذراط دھان
 سے آسمان تیرہ و تار ہو گیا۔ حاصل کلام سقفت کوٹھی جل کر جھٹک گئی اور وہ بہادر ستم
 دل اس میں جل کر خاک ہو گئے اور پرہی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ اول تو جو یورپین
 عورتیں اور بچے اس میں پناہ گزین تھے اُن کو بیرحمی سے ہلاک کیا چونکہ کوٹھی مذکورہ
 کا باہر کا درجہ گرا تھا اندر کے کمرے سب سلامت تھے جن میں خزانہ کے صندوق
 تھے۔ یہ کوٹھی کے عقب سے اس میں داخل ہوئے اور صندوق خزانہ کے قفل توڑ توڑ
 کر توڑے ردیوں کے لٹنے شروع کئے۔ ان غارت گردوں میں وہ لوگ ہیں جو میرٹھ سے
 باغی ہو کر پلٹن اور سوار آئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ واسلے جو بد معاش ہمراہ ہوئے ہیں

اردان کے شہر کے کوئی چار۔ دہوی سستے۔ کچھڑے۔ قصاب۔ کافذی محلہ کے
 کافذی اور دیگر بد معاشان شہر۔ پہلوان۔ بانڈی یاز۔ اٹھائی گیسے۔ جیب کترے
 وغیرہ وغیرہ سب رذیل ہیں۔ کوئی شریف خاندانی ان کے شامل نہیں ہے جو نیک
 معاش و اشرف ہیں وہ اپنے گھروں کے دروازے بند کئے بیٹھے ہیں ان کو یہ خبر تک
 نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے مردان باغیہ سے جس قدر لوٹا گیا۔ خوب روپیہ لوٹا کہ اس
 کے اٹھانے سے عاری ہو گئے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک ایک چار جوڑہ تین تین قیلیاں
 روپوں کی اٹھا کر گھر لے گیا۔ خصوصاً کافذی محلہ کے باشندے کہ زریوار سکونت پذیر
 تھے بہال ہو گئے۔ روپوں سے گھر بھر لئے۔ مثل شہر ہے۔ مال مفت دل بے رحم
 بگ کہاں تک ٹوٹیں چودہ لاکھ روپیہ ہے۔ تاہم روپیہ سی شے کو کون چھوڑتا ہے۔
 ایک گھنٹہ کے عرصہ میں سب لوٹ لاٹ کر برابر کر دیا۔ خزانہ کے صندوق تک اٹھا
 کر لے گئے۔ دو گھنٹہ کا مل یہ ہنگامہ رہا۔

پانچ بج چکے ہیں۔ دن ڈھل گیا ہے۔ ہنوز قیامت برپا ہے۔
 میگزین اڑا دیا گرمی ہنگامہ طلوع پہ ہے۔ باشندگان شہر میں نفسی نفسی کی پڑی

ہوتی ہے۔ عجب ایک تلخ فتنہ و فساد ہے کہ نیچے کی زمین اوپر ہو رہی۔ دریائے کشت
 و خون جوش مار رہا ہے۔ لٹ کھسٹ کا بازار گرم ہے۔ ظالمان بے خوف خورگانِ ناخدا
 ترس نے حشر برپا کر رکھا ہے۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ اپنی اپنی سب کچھ پڑی ہوئی
 ہے۔

سوار ہند میں عرشِ اعتشام تھی دہلی بیاضی مردک خاص و عام تھی دہلی
 زمین چورخ کی قائم مقام تھی دہلی جب آبا عہد جوانی تمام تھی دہلی

یہ وہ زمیں ہے زمیں جس کی زراو گلتی ہے

یہ خاک وہ ہے کہ اکیر ابد ملتی ہے

جہان آباد لقب تھا یہ غرور شا کیلئے

یہ درجے اسکے لئے تھے نہ اسماں کیلئے

فلک سے رتبہ میں رتبہ دو چند تھا اس کا

مقام عرش سے پایہ بلند تھا اس کا

دل زمانہ تھا دلی پہ یہ تیا ہی ہے

کہ دل کو لوٹتے ہیں خانہ خدائی ہے

نہ سمجھے دل میں تانگان پر جفائی ہے

خدا کے گھر کو بگاڑ استم کہانی ہے

نہیں جہاں میں والد اس جفا کی پناہ

جو انتقام ہو اس کا تو بس خدا کی پناہ

یہ شہر وہ ہے کہ غنچہ تمام جالوں کا

یہ شہر وہ ہے کہ مجمع تھا حسن اولوں کا

یہ وہ مکاں ہے کہیں جس کے قیصر و جم تھے

یہ خطہ وہ ہے گدا جس کے فخر حاتم تھے

ہر کاروں کی ڈاک لگ رہی ہے۔ داد فریاد کی خبریں چلی آتی ہیں۔ بد معاشان

ابلیس بنیاد۔ ظالمان شہزاد نژاد کو ساتھ لگائے لگائے پھرتے ہیں۔ ملازمان شاہی

معہ حکیم احسن اللہ خاں خانساہی کے والان میں بیٹھے ہوئے یا بدیع العجائب

بالخبر کی شہر پر صعد ہے ہیں۔ الامان کا د طیفہ سب کی زبان پر جاری ہے۔ کہ

یکایک اس اندر کی نہیب آواز ہوئی کہ اگر ہزار توپ کا برابر ایک فیر ہوتا تو اتنی۔

گرچہ نہ ہوتی رخانسانی کا مکان شاہجہانی عمارت ہے جس کا آثار چہار فٹ کے
 برابر ہے۔ چونکہ گچ کی عمارت ہے اس کے حالانکہ اس وقت سنگ سرخ و سنگ بانسی
 کے ٹیسوں کا ہے۔ جن کا اول اور ضخامت ایک باشت کا ہے اور عرض بارہ گز کا
 اور طول پانچ گز ہے اس میں سے چونکہ اور مٹی اس درجہ گری کہ سب گریا باد ہو گئی
 اور زمین کو اس درجہ لرزہ ہوا کہ زلزلہ محسوس ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم پر مکان
 آ رہا سب نکل نکل کر باہر صحن میں بھاگ کر کھڑے ہو گئے اور آثار ادا زلزلہ است
 الارض زلزالہا کے پیدا ہوئے مغرب کی جانب جو نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک تین گروہ
 غبار اور دھوئیں کا زمین سے لگا کر آسمان تک بندھا ہوا ہے اور لاشیں آدمیوں کی
 زاغ و زغن کی طرح منڈلا رہی ہیں تین منٹ نہ گزرے تھے کہ آسمان سے
 سنگ باری و ٹکڑوں اُبجیاں کا ٹھنڈا زلزلہ زمین پر برسنے لگے۔ بھاگ بھاگ
 کہ پھر دالان میں پہنچے اب عقل حیران ہے کہ یا الہی یہ کیا معاملہ ہے۔ موقع واردات
 کا معاملہ مکان خانسانانی سے ایک میل سے کچھ زیادہ ہو گا۔ ہر کاروں کی بھڑکی
 نے منکر و نکیر کی طرح آکر خبر دی کہ میگزین (بارود و اسلحہ خانہ) اڑا دیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی اس طور پر گوشگذاہر واقعہ نگار ہوتی ہے جب باغبان
 غلام شقاوت آثار نے جا کر میگزین کا محاصرہ کیا ہے تو چند مردمانِ یورپین نگہبانانِ
 میگزین میگزین میں موجود تھے اور اکثر عورتیں بچے وغیرہ جا کر پناہ گزین ہوئے
 پہلے تو محصوران مجبور بمقابلہ پیش آئے اور حفاظتِ اختیاری کے طور پر بند و قفس
 سر کرتے رہے اور جب بلوائیان کا غلبہ حد سے گذر گیا اور چار دیواری میگزین کے
 اطراف و جوانب میں لوگ پھر گئے اور کوئی صورتِ جان بچنے کی نظر نہ آئی۔ اور

زندگانی سے یاسِ کامل ہو گئی۔ تو بموجب اس مثل کے کہ مرنے کی آواز نہ کرتا۔ جان شیریں
 سے ہاتھ دھو کر مرنے پر کمر باندھی ناچار آپ ڈولوں کا مگر تجھ کو بھی لے ڈولوں کا۔
 پر عمل کیا اور کار تو سوں کے تہ خانے میں جا کر ان کار تو سوں کو آگ دے دی۔ آپ
 بھی اڑ گئے اور ایک ہزار کے قریب کو ہمراہ لے کر اپنی عدم آباد ہوئے اور کیفیت
 اُس کی اس طور پر ہے کہ کچھ لوگ تو دیر کی جانب کی دیوار فصیل پر کھڑے ہوئے تھے
 اور تین جانبِ خلائق کا مجمع تھا۔ اور تہ خانہ کار تو سوں کا زیر دیوار شہر پناہ تھا جب
 وہ تہ خانہ اوڑا ہے تو پچاس گز دیوار شہر پناہ کی اوڑ گئی جس قدر آدمی ڈنڈی پر
 تھے۔ وہ اڑ گئے۔ کچھ تو اس طرح ضائع ہوئے اور اکثر صد ماتِ سنگسار ان سے
 سنگسار ہوئے وہ عورتیں اور بچے جو اور کردوں میں چھپے ہوئے تھے اور پانچ چار
 بوڑھے جوان جو بچ رہے تھے۔ مگر وہ بھی زخمی ہو گئے تھے ان کو پورہ بیوں نے
 گرفتار کر لیا۔

قیدیوں کی رہائی کی کوشش | اس اثنا میں ملازمین شاہی مع حکیم احسن
 خاں مکانِ خانساہی میں سے اٹھ کر

سب دیوانِ خاص میں آ گئے۔ چھ بجنے میں کچھ منٹ میں یا بج چکے ہیں روزہ کشائی
 کا وقت قریب آ گیا تبنگلی سکھار سے جان پر بنی ہوئی ہے آفتاب لبِ بام پہنچ گیا
 ہے۔ بلند مکانوں کے کلسوں پر روزہ دھوپ چمکتی معلوم ہوتی ہے۔

کہ یکایک لال پردہ کے دروازہ سے جم غفیر خلائق نمودار ہوا اور جب وہ اجلاس
 کثیر دیوانِ خاص کے صحن میں پہنچا تو دیکھنے میں آیا کہ پچاس بچن عورتیں اور بچے اور
 چار پانچ مرد زخمی چلے آتے ہیں، اور گرد، ان کے ایک حلقہ پورہ بیوں کا ہے اور

خلائق کا ہجوم ہے۔ اُن قیدیوں کو پورہیوں نے تسبیح خانہ کی سیڑھیوں پر بٹھا دیا۔
ہم اُن کو اٹھ کر دیکھنے لگے تو اُن کی اُس وقت یہ کیفیت تھی کہ سر سے پا تک اٹے
ہوئے تھے اور پریشان حواس پر آگندہ احوال تھے۔ اُن لوگوں نے جو تسبیح خانہ کی
سیڑھیوں کی طرف مُنہ کر کے ہم کو کھڑے دیکھا تو گڑگڑا کر پانی کا اشارہ کیا۔ آبدار خانہ
سے دو ستونوں کو بلوایا گیا وہ دو مشکیں پانی کی بھر کر لائے اور اُن لوگوں کے ہاتھ مُنہ
دھلائے اور اوک سے سب کو پانی پلویا مگر بعض چھوٹے بچے تھے کہ وہ اوک سے
نہ پی سکتے تھے۔ مجھے اُن کے حال پر ترس آیا۔ میں نے دو آبخورے کا فدی آبدار
خانہ سے طلب کر کے اُن کی ماؤں کو دلائے کُنان بچوں کو پانی پلواؤ۔ جب لوگوں نے
پانی پیا اور موش درست ہوئے تو متفق اللفظ اُن سب نے کہا کہ بھائی مسلمانو!
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ہم سب مسلمان ہوتے ہیں۔ ہم کو جان سے نہ مارو
جب یہ بات اُن لوگوں کی زبان سے اپنے کانوں سے سُنی تو بے اختیار میری آنکھوں
سے آنسو ٹپک پڑے اور دعا آتی تھی۔ سب آبدیدہ ہو گئے۔ یہ خبر اندر حضور
کو پہنچ گئی اندر سے بادشاہ کا حکم آیا کہ فرج والوں کو تم لوگ سمجھاؤ اور اُن کی حراست
سے اپنی حراست میں لے لو۔

اُس وقت جو سپاہی سوار و افسر وغیرہ موجود تھے مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے
کہ ازاں جملہ یہ دو شخص بھی تھے ایک تو گلاب خاں رسالدار رسالہ سوم انگریزی۔
دوسرا قادر بخش صوبیدار صفر مینا پلٹن یہ دونوں رسیدہ معتر تھے اُن کے
سن پچاس سے تجاوز کر گئے تھے۔ پچاس اور ساٹھ کے بین بین میں تھے اور
یہ نسبت دیگر اں کسی قدر دقیق القلب اور رحمدل بھی معلوم ہوتے تھے۔ اُن

کا ہاتھ پکڑ کر دیوان خاص کے اول دریں جہاں ہم لوگ بھی تھے اُن سے گفتگو شروع کی گئی۔

تقریباً زمان شاہی رنوبھائی مسلمانو تم لوگوں کا بیان ہے کہ تزارعہ کی بنادین پر پڑی ہے اور دین اسلام پر ہم لوگ بگڑ کر آئے ہیں پس تم کو واجب اور لازم ہے کہ اتباع شرع شریف اور پیروی بزرگان دین متین کی کروا جو احکام دین اسلام اور شریعت محمدی کے میں اُن پر عملدرآمد رکھو۔ جب تم پورے مسلمان ہو اگر اُس میں نفسانیت اور تعصب کو راہ دو گے تو دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔

ہمارے پیغمبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا اُن کے خلفائے کرام کے زمانے میں جو اقوام یہود و نصاریٰ و دیگر کفار سے دین پر لڑائیاں ہوئی ہیں تو اول اُن لوگوں سے تین شرطیں پیش کی جاتی تھیں اُن میں جو کسی وہ منظور کر لیتے تھے اُسی کو قائم کیا جاتا تھا۔

شرط اول۔ اگر تم لوگ دین اسلام اور دین برحق قبول کرو اور کلمہ پڑھو اور واحد خدا خداوند نبوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو تم ہمارے بھائی بند ہو۔ جو ہم میں رہے تم ہو۔ ہم میں تم میں کچھ فرق نہیں۔ تنہا مال اسباب ملک زمین جو روپوں سے ہم کو کچھ تعرض نہیں۔

دوم۔۔۔ ہے کہ اگر دین اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیرہ دینا قبول کرو پھر تم لوگ ہماری حمایت میں ہو کبھی تم سے عہد شکنی نہ کریں گے۔

سوم۔۔۔ اگر ان دونوں شرائط میں سے کوئی شرط تم کو منظور نہیں تو ہمارے تنہا سے حلیان تلوار ہے وہ فیصلہ کر دے گی۔ پھر وہ لوگ اگر بقابلہ پیش آتے تھے اور نوبت

جدال قتال کی پہنچتی تھی تو ان کو کیفر کردار کو پہنچایا جاتا تھا۔ مگر عورت اور بچے پر ہاتھ کسی نے نہیں اٹھایا۔ عورت اور اطفال قتال سے مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے یا جو کفار زنی ہو کر اہل اسلام کی راہ میں آ جاتے تھے پھر کسی کو حوصلہ دست درازی کا نہ ہوتا تھا۔ جائے تعجب ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اور کلمہ پھرتے ہیں اور تم لوگ ان کے ورثے قتل ہو اور ان کو قتل کرتے ہو۔ یہ کہاں کی دینداری ہے جو کو نسا دین ہے جس کی تم پیروی کرتے ہو۔ عورت اور بچوں کا قتل کسی مذہب میں روا نہیں۔
فریق باغیدہ۔ اچھا تو پھر ہم کو ان کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے۔

ہلا زمان شاہی، سان کو بادشاہ اسلام کے سپرد کرنا چاہیئے وہ ان کو مسلمان کرینگے اور جس کے ساتھ ان کی خوشی ہوگی انکے عقد کر دیئے جائینگے۔ غرض کہ بعد گفتگوئے بسیار وہ ہمارے سپرد کرنے کو راضی ہوئے کہ اچھا تم ان کو اپنے پاس رکھو۔ یہ عرض حضور میں کرانی گئی۔ حکم ہوا کہ ان سے ان لوگوں کو لے کر اپنی تحویل میں رکھو اور ان کے کھانے پینے کی اچھی طرح خوردہ پرداخت کرو اور جو زخمی ہیں ان کی مرہم پی کرو غرض کہ ان سب کو جو تسبیح خانہ کی میٹریوں کے نیچے دیوان خاص کے صحن میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے ان میں پانچ چار مرد ہوں گے اور باقی عورت اور اطفال خورد سال لڑکے لڑکیاں تھے۔ میرے قیاس کے بموجب قریب ساٹھ کے ان کا شمار ہو گا میں نے اس وقت تسبیح خانہ کے چوتھرے پر کھڑے ہو کر کہا کہ تم سب دیوان خاص میں آ جاؤ۔ وہ سب حائل سے اٹھ کر تسبیح خانہ میں ہو کر دیوان خاص میں آتے تھے تو اس وقت کسی شخص نے ان سے کہا کہ اس شخص نے بڑی کوشش کر کے تمہاری جانیں بچائی ہیں تو وہ سب لوگ مجھ کو دعائیں دینے لگے اور اسی اثنا میں ویڈھی کا پردہ اٹھا اور وہ خوبصورت جوان

لڑکی جس کو میں نے اُس ولایتی کے ہاتھ سے چھینا تھا اور پورہ بیوں کے ہاتھ سے بچایا تھا۔
 محل سے باہر آئی اور پیچھے اُس کے دو غور میں تھیں تینوں نے اگر مجھ سے پوچھا کہ اب
 کہاں جائیں میں نے جواب دیا اور سب تہا رسے ہم قوم دیوان خاص میں موجود ہیں
 تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ۔ چونکہ وہ یہ جانتی تھیں کہ میں نے پورہ بیوں اور ولایتی کے
 ہاتھوں سے چھوڑا کر اندر بھیجا تھا اور اُس کے دل میں خوف خدا ہے اور ایسی حالت
 اس میں ٹوہنے کو تنگے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ مجھ سے کہنے لگی کہ اب تم کہاں جاؤ گے
 میں نے کہا کہ اب گھر جاؤں گا اور صبح کو نوکری میں پھر حاضر ہوں گا اس نے کہا تم
 مجھے اپنے گھر لے جاؤ میری جان پرچ جائے گی میں نے کہا کہ اب تم کو کوئی نہیں
 مارے گا تم بادشاہ کی حفاظت میں ہو اُس نے جواب دیا دیکھا چاہیے۔ تم اپنے ساتھ
 لے چلو میں نے کہا کہ میں کیونکر لے چلوں تمہیں دیوان خاص کے باہر نکلتے ہی یہ لوگ مجھے
 اور تمہیں دونوں کو مار ڈالیں گے۔ اس پر وہ آبدیدہ ہو کر دیوان خاص میں چلی گئی۔ میں اپنے
 گھر کو روانہ ہوا۔ دیوان عام کے چوک میں ہوتا ہوا انعام خانہ کے دروازہ سے نکل کر
 قلعہ کے لاہوری دروازہ سے باہر آیا۔ شام کی تاریکی پھیل گئی۔ جب میں اردو بازار
 کی سڑک پر آیا ہوں تو شہر میں سناٹا تھا۔ سڑک پر ایک چڑیا نہ تھی۔ ایک عجیب بے
 رونق تھی۔ شہر کا شہر کھانے کو دوڑتا تھا جا بجا دوکانیں لٹی پڑی تھیں۔ مکانوں
 کے دروازے بند تھے روشنی کا نام نہ تھا۔ لاشیونوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے
 میں خونی دروازہ کے آگے ہوتا ہوا کوتوالی کے سامنے سے گذر کر چھوٹے دربار
 کے پناہک پر پہنچا اور چھوٹے دیبے میں چھڑے والوں۔ مٹھائی والوں اور
 بزاز کی دوکانیں سب لٹی ہوئی پائیں اور صرف کی دوکان پر ایک افیونی فقیر

برہمن زخمی پڑا ہوا تھا وہ ہائے ہائے کر رہا تھا۔ اُس کی پشت کے اوپر تین زخم
 ہلکے ہلکے تلوار کے تھے۔ وہاں سے آگے بڑھ کر ماری وارے میں ہوتا ہوا اپنے
 مکان پر آیا۔ گھڑی بھر رات آگئی تھی۔ ابھی دروازہ نہیں کھلا تھا مارے پیاس کے
 میری زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر
 والد نے خلا کا شکر ادا کیا کہ یہ زندہ سلامت گھر میں آگیا۔ اسی وقت میں نے شربت
 پیا۔ روزہ کھولا۔ کھانا کھایا۔ والد نے مجھ سے حال پوچھا میں نے ساری حقیقت بیان
 کی کہ اس طرح سے میں نے فہمائش کر کے اُن لوگوں کو بچایا ہے میرے والد نے
 فرمایا کہ خلا تجھ کو جزائے خیر دے تو نے بہت اچھا کام کیا میں نہایت خوش ہوا ہم
 سادات میں ہماری سرشت میں رحم و رحم خیر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
 اُن کی اولاد نے کیسے کیسے رحم کئے ہیں۔ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے
 قاتل کو کاسۂ شیر بھیجا ہے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ قلعہ کی جانب سے توپوں کی
 آواز آئی میں نے سمجھا انگریزوں کی فوج پیچھے سے آ رہی ہیں۔ نے آدمی کو بھیجا کہ جاؤ
 خبر لاؤ۔ یہ تو میں کیسی چلتی ہیں۔ آدمی نے واپس آکر جواب دیا کہ چھاؤنی کی پلٹیں شہر
 میں آگئی ہیں۔ اس کی سلامتی کی تو میں چل رہی ہیں میں دن بھر کا مارا تھکا پلنگ پر لیٹے
 ہی سو گیا۔ صبح کو منہ لاکھ دھوکہ پھر قلعہ کو روانہ ہوا۔ دن بھر وہاں حکم احکام کی تعمیل کرتا
 رہا۔ اُس روز بادشاہ سلامت کی طرف سے شہر کا انتظام ہوا اور کوتوال مقرر کیا گیا مجھے
 حکم ہوا کہ سقوں کو لے جاؤ اور میگزین میں آگ لگ رہی ہے اس کو بجھاؤ۔ اور اگر بارو
 میں آگ لگ گئی تو تمام شہر اڑ جائے گا۔ فرض کہ کوتوال کی معرفت دو تین سو سقے میرے
 پاس پہنچے اور جن مکانوں میں آگ لگ رہی تھی وہ بجھوائی۔ صیا کی طرف کا شہر کا ڈنڈا

گرا ہوا پڑا تھا۔ گولوں کے پہاڑ لگے ہوئے تھے۔ دوسو توپ کے قریب چھپیں مہنی تو
 پھڑوں پر تیار تھیں۔ اسی قدر توپ کی نالیں زمین پر پڑی تھیں۔ بندو قوں کا کچھ شمار
 صاحب نہ تھا۔ پیچھے لانا تھا تھے مگر ملکہ سارا میگزین آلات حرب سے معمور تھا۔ میں
 تو اس کو اسی طرح چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ مین روز کے بعد سنا کہ بد معاش اس سامان کو لوٹ
 کر گئے۔ مگر توپ کے گولے باقی رہ گئے۔ شہر کی یہ کیفیت تھی کہ بد معاش شہر کے
 پوربیوں کو ہمراہ لئے ہوئے بھلے انسو کے گھر لٹواتے پھرتے تھے اور جس کو
 مالدار دیکھا اس کے گھر پر پوربیوں کو لے جا کر کھڑا کر دیا کہ یہاں میم چھپی ہوئی ہے
 صاحب لوگ ہیں۔ اس بہانے سے گھر میں گھس گئے۔ اور لوٹ لیا۔ بادشاہی ملازمین
 کی یہ حقیقت تھی کہ ہر وقت اجل سر پر کھڑی تھی۔ ہر دفعہ لوگ آکر ہم کو گھیر لیتے
 تھے اور سینہ پر بندو قیں دیکھ دیتے تھے۔ ایک دن ہم میں چھپیں آدمی خالسا مافی
 میں حکیم احسن اللہ خاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ پوربیوں نے آکر ہم کو گھیر لیا۔
 اور بندو قیں پاؤں پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے اور کہا تم سب بے دین ہو۔ اسے تم سب
 کر سچین ہو تم انگریزوں کو چٹیاں لکھتے ہو۔ ہم لوگوں نے حیران ہو کر ان سے کہا کہ ایک
 دفعہ تم ہم سب کو اڑا دو۔ روز کے جھگڑے سے تو فیصلہ ہو جائے۔ ان میں سے ایک
 دوا نسر سمجھدار بھی تھے وہ ان کو سمجھا کر لے گئے۔ ان کے ظلم سے ہم لوگوں کی جان
 ناک میں تھی اور ہر فرج کا یہ حال تھا کہ روز دو چار سو آدمی فرج کے بھاگ بھاگ کر
 آتے تھے اور وہی میں جمع ہوتے تھے۔ چار کمپنیاں کوئل جیسر سے آئیں اور پانچ سو
 جوان سفر مینا کی ملٹن کے اور آگے اب کوئی سات آٹھ ہزار آدمیوں کے قریب جمیت
 پوربیوں کی ہو گئی۔

بدی کے تخم شعی گشت و لمیں پونے لگے کہ بے گناہ زن و بچہ قتل ہونے لگے
ہو اہل مدد تھے رو رو کے جان نکھونے لگے بیس و خضر بھی منہ ڈھانپ ڈھانپ پونے لگے

ستون خانہ نصفت گرا دیئے یکسر

چسراغ بزمِ عداوت بجھا دیئے یکسر

ایک دن صبح کا وقت ہے۔ کوئی گھڑی بھرون چڑھا رہا تھا۔
قیدیوں کا قتل میں گھر سے نکل کر وہ قلعہ کی طرف روانہ ہوا اور تقار خانہ

میں داخل ہو کر دیوانِ عام کے نزدیک پہنچا وہاں مجھ کو خیال آیا کہ خانسا مانی میں چل کر
حکیم جی سے ملتے چلو شاید حضور میں سے کچھ حکم صادر ہوئے ہوں اس خیال سے
جالی کا راستہ چھوڑ کر خانسا مانی کے دروازہ سے اندر داخل ہوا۔ جب مہتاب دروازہ
کے آگے پہنچا دیکھا کہ پورے اُن قیدیوں کو باغ سے لے کر باہر آتے ہیں میں نے
پوچھا کہ تم اُن کو کہاں لے جاتے ہو وہ بولے کہ ہم اُن کو قلعہ کے باہر لے جا کر رکھینگے
پھر میں نے کہا کہ یہ تو ہماری تحویل میں ہیں۔ تم اُن کو نہ لے جاؤ۔ مگر وہ کب سنتے تھے
مجھ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ کچھ اور حرکت ہی کر بیٹھیں۔ میں قدم بڑھا کر علبدی سے
احسان اللہ خاں صاحب کے پاس پہنچا وہ خانسا مانی کے کوٹھے پر لیٹے ہوئے تھے
میں نے جا کر اُن سے کہا کہ خان صاحب آپ کو کچھ اور بھی خبر ہے وہ بولے کیا میں
نے کہا کہ وہ بد معاش اُن قیدیوں کو لئے جاتے ہیں۔ مبادا وہ اُن کو لے جا کر قتل کر ڈالیں
آپ اُس کا بندوبست کیجئے تو مجھے جواب دیا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں پھر میں نے کہا۔
کہ خان صاحب وقت تک علالی کا یہ ہے کہ اگر بادشاہ کو بچایا جاتے ہو تو سمجھا سمجھو
کہ اُن قیدیوں کو بچاؤ۔ حنیف اور کھو اگر بزرگ ولی کا چہو ترہ بنا دیں گے احسان اللہ خاں

نے جواب دیا کہ میاں تم بچے ہو۔ تم کیا جانو کہ انسان زحمت بالفعل پر زحمت بالقوۃ
 کو ترجیح دیتا ہے۔ ابھی جو ہم ان سے کہتے ہیں تو یہ ان سے پہلے ہم کو قتل کرینگے
 اور تیجھے ان پر نقد الیں گے پھر میں نے جواب دیا اچھا ہے اگر ہم دو چار آدمی مار
 جائیں مگر بادشاہ کی سرکار تو بیچ جائے گی۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے روانہ ہوا اور ڈیرہ
 پر آیا۔ خواجہ سلسلے سے عرض کرانی کہ وہ پورے انگریزوں کو نکال کر لے گئے۔ جن کو حضور
 نے بڑے خاصے میں رکھا تھا۔ بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ حکیم جی کو لاؤ۔ وہ اس
 کا بندوبست کریں۔ خواجہ سلسلے نے اندر سے آکر ہرکارے کو دوڑایا کہ جلدی حکیم جی کو
 لے کر آؤ۔ غرض ایک ہرکارہ نقوڑی دیر کے بعد دوسرا گیا پھر تیسرا ہرکارہ روانہ ہوا
 اس عرصہ میں گھڑی ڈیرہ گھڑی کا زمانہ گزر گیا حکیم جی کسی طرح وہاں سے نہ ہلے بعد
 ڈیرہ گھڑی کے حکیم جی تسبیح خانہ پہنچے۔ اوداندر محل میں حضور کے پاس پہنچے بادشاہ
 نے حکم دیا کہ تم افسروں کو بلا کر سمجھاؤ اور ان لوگوں کو بچا لو۔ غرض کہ بہت اچھا کہہ کر
 باہر آئے اور دیوان خاص میں آکر بیچ کے درمیں کھڑے سے لگ کر ہو بیٹھے اور
 شاید ایک دو آدمی افسروں کے بلائے کو بھیجا کہ تاکہاں ہم دیکھتے کیا ہیں کہ لعل پردہ
 کے دروازہ سے دو کمپنیاں پوربوں کی بندوقیں کا ندھے پر رکھے ہوئے چلی آتی ہیں
 اور آتے ہی انہوں نے دیوان خاص میں گھسکر ہم لوگوں کا محاصرہ کیا اور بندوقوں کے
 پائے چڑھا کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے اس وقت ہم لوگ خدا کو یاد کرتے تھے
 اور سب بیٹھے ہوئے کلمہ پڑھ رہے تھے۔ ہم کوئی دس بارہ آدمی کے قریب تھے
 ہم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب لمحہ دولحہ میں یہ ہم کو اڑا دیں گے۔ گھڑی بھترک کیفیت
 رہی۔ بعد دو سواروں کے ہاتھ میں سرخ رومال لعل پردے کے دروازہ سے وہاں

کا جھالا دیا۔ مگر سپاہیوں نے جوہم پر بند و قیں بھرے ہوئے کھڑے تھے۔ انہوں نے
 بند و قیں کے پائے اوتار دیئے اور کاغذ سے پر رکھ کر وٹاں سے ریاض ہو گئے۔ تھوڑی
 دیر میں ہر کام سے نے اگر خبر دی ان قیدیوں کا کام تمام کر دیا گیا۔ یہ سن کر مجھ کو اس جھ
 صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ جس قدر مجھے اپنی اولاد کے مرنے کا غم ہوا۔ اسی کے
 برابر ان بچوں کے مارے جانے کا الم ہوا۔ میں حیران ہوں کہ وہ کجخت کیسے سنگدل تھے
 کہ جن ظالموں نے اٹھ ان بچوں پر اور ان حور طلعت عورتوں پر اٹھائے تھے۔ پھر میں اسی
 وقت اس رنج میں تھاں سے اٹھ کر اپنے گھر کو آیا۔ جب تقار خانہ کے دروازہ میں آیا تو
 میں نہ دیکھا کہ دروازے کے دائیں جانب کو وہ کٹے ہوئے پٹے تھے۔ مجھ سے یہ
 حال دیکھا نہ گیا۔ اعدائے پر رومل ڈال کر چلا آیا۔ حوض کے برابر میرا چاکر گھوڑا لئے
 ہوئے کھڑا تھا۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا تو پرانندہ حواس منتشر
 الحال تھا۔ میرے والد نے دریافت کیا۔ خیر باشد تاج ایسا پریشان کیوں ہے میں نے
 وہ ماجرائے قیامت انگیر بیان کیا۔ اس واقعہ ناگنیر کو سن کر وہ بھی بہت متاثر اور
 متاسف ہوئے اور فرمایا تیرے امراء اعمال میں تو جو اسے خیر اس کی تحریر ہو گئی۔ مگر
 ان بے گناہوں کی قصاصتِ بیشیتِ ایزدی یوں ہی تھی۔ مجھے آج تک جو اس واقعہ کا
 خیال آتا ہے تو میرے آنسو نکل آتے ہیں۔ کئی روز تک مجھے صدمہ رہا تھا۔ اس واقعہ
 کے بعد کی یہ کیفیت ہے کہ شہر میں پوربوں کا راج ہو رہا تھا۔ جو چاہتے تھے کرتے تھے
 اندھیزگری چوٹ راج۔ اندھے کی داد فریاد۔ رعیت کا مالک میں دم تھا خدا نے ست
 بدعا تھے کہ خداوند اس بلائے ناگہانی کو جلدی دفع کر یہ کجخت ظالم کہیں شہر سے نکلیں
 تو قطعہ پاک ہو اور ہم کو الٰہی جفا کاروں کے ہاتھ سے رستم کاری ہو اور ان غداروں

کی کیفیت تھی کہ تمام خزانہ انگریزی اور سرمایہ اب تک اودھال بازار لوٹ کر مالا مال ہو
 رہے تھے۔ روپیہ رکھنے کو جائے نہ تھی۔ روپیوں کی اشرفیاں کرا کر کموں میں باندھ رکھی
 تھیں۔ اور اشرفی کا بھاؤ ایسا گرا ہوا تھا کہ تیس روپیہ کو ملتی تھی۔ اور رعیت بھوک
 مرنے لگی تھی۔ تمام کارخانے بند تھے۔ دستکار اودھال حرفہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے
 بیٹھے تھے۔



چوتھا باب

انگریزی فوج آگئی

میں دھواوہ چہ معنی داروہ معینڈن ندی کے اُس طرف غازی آباد میں گوروں کی فوج آگئی ہے اب چہا طرف سے بگل کا شور دھتو دھتو ہو رہا ہے۔ اور جلدی جلدی فوج کی کمر بندی ہو رہی ہے۔ توپ فائے تیار لیس ہے۔ میگزین کی کراچیاں لہی ہوئی ہیں۔ پلٹنیں الگ جہی ہوئی کھڑی ہیں۔ چیمٹیں ایک جانب ہیں کہ بگل میں کوچ کی بولی بولی گئی اور فوج مسلح اور مکمل ہو کر پل کے دروازہ سے سلیم گڑھ کے نیچے ہوتی ہوئی صیّا جن کے پل پر سے عبور کر کے شاہ درے کی سڑک پر روانہ ہوئے۔ دن کے دس بج چکے ہیں۔

پہلی لڑائی | غرمنکہ پردے بارہ کا وقت تھا کہ توپ کی آواز کان میں آئی۔ احتمال ہوا کہ دوسری توپ چلی ہے کہ ایک منٹ کے بعد دوسری توپ سُر ہوئی۔ ہاں دوسری توپ نہیں جنگ کی توپ ہے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ اب متصل توپ کے فیر ہونے لگے۔ لگاتار توپ کی آواز چلی آتی تھی۔ پھر یک بارگی بار کی آواز آنے لگی

اب توپ بھی چل رہی ہے اور بندوقوں کی باڑیں جھڑ رہی ہیں۔ دو گھنٹہ کامل یہ صدار
آتی رہی بلکہ توپ اور بندوق بند ہوئی۔ اور فٹ فیر کی آواز متفرق آنے لگی اب مقام
سویب قلعہ سے بارہ تیرہ میل کے فاصلہ پر ہو گا۔ اور دن کے تین بج گئے ہیں ظاہر
معلوم ہوتا ہے کہ دو گھنٹے کے عرصہ میں ڈبل کوچ کر کے پہنچ گئے اور لڑائی شروع ہوئی
اور تین گھنٹہ میں فیصلہ ہو گیا۔ ابھی فتح شکست کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کون جیتا
اور کون ہارا۔ اس کا انتظار ہے غرض کہ پانچ بجے کے قریب میں قلعہ سے سوار ہو کر
جاتا ہوں۔ جب لاہوری دروازہ کے چھتے میں پہنچا تو مجھے فوج واپس آتی ہوئی ملی۔
آگے آگے تو پچانہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جوان میگزین کی کراچی پر صندوق
سے لگا ہوا بیٹھا ہے۔ مگر بیہوش۔ آنکھیں بند ہیں میں سمجھا زخمی ہے۔ گھوڑوں پر
جو پیشتر سوار تھے میں نے ان سے پوچھا کہ اس کے زخم کہاں آیا ہے۔ انہوں نے
کہا زخم نہیں آیا۔ اس کے ٹنڈا گولہ لگا ہے۔ اس کے صدر سے بیہوش ہو گیا ہے
اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سوار اور پیدل سنستے کوڑتے ہیں باجا بجاتے چلے آتے
ہیں قلعہ کے دروازہ میں سے میں نے نکل کر ایک سوار سے پوچھا کہ تم اتنی جلدی
کیونکر واپس چلے آئے اس نے بیان کیا کہ ہماری فتح ہو گئی۔ گورے مقابلہ پر سے
بھاگ گئے ہم واپس چلے آئے پھر میں نے پوچھا کہ لڑائی کی کیا شکل ہوئی۔ اس
نے بیان کیا کہ بند ہی ندی کے اس پار ہم تھے اور وہ اس پار وہ تھے۔ جابین
سے توپیں چلتی رہیں۔ ہمارے تو پچانہ نے بڑا کام دیا۔ آدھی آدمی کے پیچھے گولہ
لگا دیا۔ دوسرے یہ بات بھی ہوئی کہ گورے دھوپ کی تیزی اور حرارت آفتاب
کی تاب نہ لاسکے ہم دور سے دیکھتے تھے کہ وہ ندی کے پانی کے اندر کھڑے

تھے اور ان کے گھٹنوں تک پانی تھا جب ہمارے سواروں نے دلا دیا تو وہ کلبلا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اپنی توپیں وغیرہ سب سامان اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ بت بڑی خوشخوار جنگ ہے۔ غازی باد کے بعد ایک مہینہ بھر تک کچھ دوسری لڑائی

لڑائی بھڑائی کا ذکر کرتے ہیں، پولو بیٹے امن دامن سے بے غل و غش

چلن اور اڑتے ہیں۔ خوب بھنگیں پیتے ہیں اور لڈو پڑے کھاتے ہیں۔ رسوائی کرنی چھوڑ دی ہے۔ دو نو وقت پوری کچوری مٹھائی بچھتے ہیں اور پاؤں پسا کر غنید بھر کر سوتے ہیں اور چاروں طرف سے مدد چلی آتی ہے لکھنؤ کا رسالہ آگیا اور بلند والی ملین کے جوان بھاگ کر چلے آئے اب قریب دس بارہ ہزار کی جمعیت پیدل سوار جنگی کی فراہم ہوئی ہے اس کے علاوہ میرٹھ کے جیلخانہ کے بد معاش جو رہا ہو کر ہمراہ فوج باغیہ کے ہیں سوہ ساتھیوں اور دلی کے جیل خانہ کے چور اٹھائی گئے سب فرج کے ہمراہ ہیں

جہاں کے جتنے تھے وہاں رہنا فرجام دغا شام چمن خور بد معاش تمام

بھگتے شریک سپاہ شریو بد اسخام کیا تمام شریفوں کے ملے کو بدنام

اٹھائی گئے اوچھے گھروں سے دھڑ بھاگے

جو گھٹ کٹے تھے وہ گھڑی لپک کے گھر بھاگے

سولہویں رمضان کی ڈیڑھ ماہ کے بعد ایک دن پانچ بجے دن کے میں گھوڑے

پر سوار قلعہ سے گھر آتا ہوں تو قلعہ کے چھتے میں مجھے دو سوار نیلی وردی کے ملے اور

ان کی نیلی جھنڈیاں تھیں۔ مجھے بظاہر ان کی وجاہت اور چال کر رہا سے ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ شاید کسی رسالے کے افسر ہوں مسلمان تھے۔ صاحب سلامت ہوئی۔

ہو کہ اس وردی کا کوئی اور سوار میری نظر سے نہیں گذرا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ شاید

نئے سوار ہیں میں نے پوچھا تم کون سے رسالہ کے سوار ہو انہوں نے بیان کیا چلتے
رسالہ کے میں نے کہا چوتھا رسالہ تو یہاں کوئی نہیں۔

سوار:- چوتھا رسالہ انگریزوں کی نظر بندی میں ہوا یا ہے میں نے پوچھا انگریزوں کی فوج کہاں ہے۔
سوار:- علی پور۔

میں ہ علی پور سے تم کیونکر چلے آئے۔

جواب:- ہم نگاہ بچا کر چلے آئے اور اپنے بھائی بند فوجیوں کو اطلاع دینے
آئے ہیں کہ وقت ملاوے کے ہم تم میں آئیں گے ایسا نہ ہو کہ تم ہم کو آتے ہوئے
دیکھ کر گوروں کے شبہ میں گرا ب مار کر اٹا دو۔ ذرا اس بات کا خیال رکھنا۔ پھر
سواروں نے مجھ سے پوچھا کہ فوج کے افسر کس طرف ہیں میں نے بتایا کہ تم جھٹے
میں سے نکل کر بائیں ہاتھ کی جانب ترپولیمہ سے اور نہر سے اور ہر سیدھے چلے
جاؤ۔ اخیر کو قلعہ کا دروازہ آئے گا اور پراپل جہنا کا اس کے اوپر سے گزر کر سلیم کوٹ
کا دروازہ آئے گا اس دروازہ کے اندر چلے جانا وہ سب افسر تم کو موجود پائیں گے
غرض کہ وہ تو ادھر کو گئے اور میں اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی لہذا
میں نے چھنبے تھے کہ تیاری کا بنگل ہوا اور فوج کی کمر بندی ہو گئی اور میگزین سے
بڑی بڑی چھتس بنی منڈیاں کھینچ کر دس دس بارہ جوڑی بیل لگا کر لے چلے
اور میگزین کی کراچیاں جدا گانہ میں سب کو ایک دوست کے کوٹھے پر بیٹھا ہوا
یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ چاندنی رات تھی کوئی پانچ گھنٹی رات گئے یہ سب فوج باہر
ہو گئی۔ بڑی توپیں تو انہوں نے پہاڑی پر چڑھا کر مورچے باندھ لئے آٹھ دس توپیں
وہاں چھوڑیں۔ اور کوئی دو ہزار کی جمیت تو وہاں اس مورچے پر ہی باقی رکھی۔

فتح علی پور پہنچ گئی اور پیک سے ذرا آگے بڑھ کر انہوں نے مورچہ بندی کر دیا
 ایسا سنا گیا ہے کہ درمیان ہر دو لشکر ایک میل یا زائد کا فاصلہ ہو گا۔ بہر حال رات کو
 انہیں مورچہ بندیوں میں گزری۔ پوریوں نے بڑی توپیں اپنے بائیں بازو پر رکھی تھیں
 وہ تین توپیں تھیں اور باقی گھوڑ چڑھی توپیں قلب لشکر میں تھیں کہ چار گھڑی
 رات باقی رہے توپ چلنی شروع ہو گئی رُسُنے میں آیا ہے کہ اُن کی بڑی توپوں نے
 بڑا کام کیا اور افواجِ اگریزی کا بہت نقصان ہوا۔ اب نماز کے وقت سے پہلے
 سو جردوں کے رسالوں نے اُن بڑی توپوں پر دوا دمارا اور اُن کے پاس نیلی جھنڈیاں
 اور نیلی دریاں تھیں ان کو یہ دھوکا ہوا کہ شاید یہ وہی چوتھا رسالہ ہے جس کے لئے
 ہم سے آکر شام کو کہہ گئے تھے کہ وقتِ جنگ میں ہم تم میں آکر شامل ہو جائیں گے۔
 انہوں نے اُن پر فیر نہیں کی اور وہاں اَلْحَرْبُ خُذْعَةً کا مقابلہ تھا۔ یہ دھوکا کھا گئے
 اور وہ جب فریب معلوم ہو گیا کہ یہ سو جردوں کے سوار ہیں تو انہوں نے تین توپوں میں
 گراپ ڈالا اور وہ قریب آگئے تھے۔ جب فیر کئے اُس وقت راوی کا بیان ہے کہ
 سوار اور گھوڑوں کا یہ حال ہوا کہ جس طرح نذاتِ رونی دُغتھا ہے اور رونی کے
 ریشے اڑ کر اڑ کر زمین پر گرے ہیں۔ سوار اور گھوڑے اڑاڑ کر گرے اور گورڈوں نے
 جھرمٹ کھایا۔ مگر واہری جرات و بہت اُس بہادر افسر کمانیر فوج کی کا اُس نے
 اُس وقت اس زور سے بولی بولی کہ تمام صحرا کو بخ اٹھا اور نعشوں پر سے گھوڑے
 کو مار کر توپوں پر چا پڑے اور باہم جنگِ مغلوبہ۔ بلم اور سنگین کی ہونے لگی۔ غرض یہ کہ
 کالوں سے توپیں چھین لیں اور وہی توپیں بھر کر جماعتِ باغیہ پر فیر کرنے شروع کئے
 پیدلوں کی جو پلٹنیں طرفین کی تھیں اُن میں مقابلہ ہو گیا اور دونوں طرف سے بارشیں

چلنی لگیں اُس وقت باڑوں کی مار سے — کان پڑی آواز نہ آتی تھی۔ برابر
جھڑا جاری تھا۔

زُستِ ستوراں دریاں بہنِ دشت زمین شش شدہ آسماں گشت ہشت
دو بارو وار گردِ سواران سے آسمانِ وزمین تیرہ وار ہو رہا تھا۔ اُس وقت یہ نہ معلوم
ہوا کہ اُس معرکہ رُستخیزِ مہارِ بقیامت اُگیز میں کس قدر ادھر سے مرے اور کس قدر
اُدھر سے ضائع ہوئے۔ غرض کہ کتنی دیر تک یہ ہنگامہ جہاں و قتال گرم رہا۔ کیونکہ
بند و قفل کے باڑوں کی صدا متصل دو گھنٹے کے قریب تک آتی رہی اور بعد اُس کے
مختلف فٹ فیر کے طور پر آوازیں آنے لگیں اٹھ بجے کا عمل ہو گیا تھا میں قلعہ اپنی لڑکی
پر جاتا تھا جب جوہری بازار کے پھاٹک سے سڑک پر آیا ہوں تو میں نے دیکھا کہ زخمی
بکثرت شہر میں آ رہے ہیں۔ ایک ایک زخمی کے ہمراہ تین تین چار چار پورے لپٹے ہوئے
اور اُسے لئے چلے آتے ہیں۔ سڑک پر خون گرتا چلا جاتا ہے۔ تمام سڑک گلزنگ ہو
رہی ہے اور خون کی افشان ہوتی چلی آتی ہے۔ جیسے ہولی میں زمین پر رنگ گرتا ہے
دو سوار میری برابر سے نکلے میں نے دیکھا کہ ان کے سینوں پر گولیاں لگی ہوئی ہیں۔
اور چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور پشت پر بہاؤ کھلے ہوئے تھے اور کلیجے اور
پھیپھڑے کے ٹکڑے اور خون کے پختے پر چھ پڑے تھے۔ دائیں ہاتھوں میں ان
کے تپنے اور بائیں ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں تھیں۔ اور کسی طرح کا کرب اور
بدحواسی ان کے لبث سے ظاہر نہیں تھی۔ ابھی خاصی طرح ان کے ہوش و
حواس قائم تھے اور آپس میں باتیں کرتے چلے آتے تھے۔ مجھے آج تک اس امر کا
تعجب ہے کہ اتنی دیر تک وہ زندہ اور سلامت کیونکر رہے اور پانچ کوس تک زندہ

کیونکر چلے آئے اُن کے عقب میں تین سوار اور آئے کہ اُن کے ہاتھوں میں نیلی جھنڈیاں
 تھیں اور گھوڑے بھی اُن کے تیار تھے۔ اُن سے لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے
 پاس یہ جھنڈیاں کہاں سے آئیں انہوں نے بیان کیا کہ سواروں کی جھنڈیاں میں
 اور یہ گھوڑے بھی انہیں کے ہیں چنانچہ صداقت اُن کی یہ دی کہ اُن کے گھوڑوں
 کے سموں پر انگریزی نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے جھک کر بچشم خود دیکھے مگر
 موجود تھے اور بیان اُن کا یہ تھا کہ جو سوار سرکار انگریزی مارے گئے ہیں اُن کے
 یہ گھوڑے ہیں اور ہمارے لشکر کی فتح ہو گئی۔ مگر دراصل وہ جھوٹے تھے۔ مقدمہ
 برعکس تھا اگے اُس کا حال بیان ہو گا اس کے بعد ایک سوار گھوڑے کو گسٹ
 دوڑائے چلا آتا تھا اور گھوڑے کی پیشانی پر گلاب کے کاری زخم تھے اور خون اُس
 میں سے اس طرح گرتا ہوا آتا تھا جیسے کہ وٹے کی ٹونٹی سے پانی گرتا ہے اور اُس کا
 تمام ماتھا اور تھوکتنی وغیرہ خون میں سرخ تھی۔ اُس کے پیچھے ایک زخمی کو دیکھا کہ
 اُس کا ماتھ کہنی پر سے اڑ گیا تھا اور کٹے ہوئے بازو سے خون گرتا چلا آتا تھا اور
 اپنے پاؤں سے چلا آتا تھا۔ اور دو ایک پوربیے اُس سے کہتے ہوئے آتے تھے
 کہ یہیں ہم تم کو ہاتھوں پر اٹھا کر ڈیرے پہنچا دیں تو وہ کہتا تھا کہ نہیں میرے پاس نہ
 آؤ غرض کہ اسی طرح مجھے قلعہ پہنچنے تک صدائ زخمی سوار پھیلے۔ جب میں پہنچا تو
 حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں خواجہ سرا اور چند آدمی ملازمین شاہی بیٹھے
 ہوئے تھے۔ سردانی کا ذکر ہو رہا تھا مگر مفصل کیفیت کسی کو معلوم نہ تھی کہ نتیجہ کیا برآمد
 ہوا۔ اسی اشار میں گیارہ بج گئے اور محبوب علی خاں اور احسن اللہ خاں کھانا کھانے
 کے واسطے اپنی نشستگاہوں میں اٹھ کر گئے میں بھی کھانا کھانے کے واسطے گھر کو

روانہ ہوا جب میں تقار خانہ کے دروازے پر پہنچا تو دیکھتا کیا ہوں کہ چند پورے سے
ایک شخص کو پکڑے ہوئے لئے آتے ہیں اور ایک افسر توپ خانہ باغیہ میری برابر
دیوان عام میں سے چلا آتا تھا۔ جب یہ دونوں دروازہ میں باہم دوچار ہوئے پھر میں
نے اس افسر سے کہا کہ یہ قیدی انگریزی چوتھے رسالہ کا سوار ہے۔ رواؤے کے
وقت ہمارے سواروں میں گھبر گیا تھا۔ ہم اسے پکڑ لائے ہیں اس افسر نے شخص گرفتار
شدہ سے کچھ پرچھانہ گچھا اس کی کمر میں ولایتی صفہائی تلوار تھی کھینچ کر اس پر پے
درپے وار کرنے شروع کئے چونکہ وہ میرے برابر ہی میں تھا میں گھبرا کر سپاہیوں کے
بیٹھنے کا جو چہرہ ترہ تھا اس پر چڑھ گیا اس افسر نے تین وار تلوار کے اس کے منہ پر
کئے مگر خدا جلنے کیا بات ہوئی کہ اس مقتول جسم پر خط تک نہ آیا۔ ایک پوربیا بولا
کہ اسے بھگاؤ۔ غرض کہ اسے چھوڑ دیا اور وہ چھوٹ کر ولی دروازہ کی ترپولی کی طرف کو
فرار ہوا عقب سے ایک پوربے نے اس کے گولی ماری وہ اوندھے منہ زمین پر
گرا۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر قلعہ کے دروازہ سے نکل کر اردو بازار ہوتا ہوا خونی دروازہ
کے برابر سے کوتوالی کے آگے سے ہوتا ہوا اشرف بیگ کے کمرے کے نیچے پہنچا
تو میں نے دیکھا کہ دو سوار صافی سو کے قریب سوار بجال خواب چہروں پر گرد پڑی
ہوئی دریاں سب گرو میں اٹی ہوئیں گھوڑے پسینے میں نہاتے ہوئے ان پر مٹی جمی
ہوئی دختوں کے سایہ میں نہر کے پٹر سے لگے کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسے فوج نہر میت
خوردہ کا حال ہوتا ہے۔ وہ حال ان کا ہے اور ان کے آگے وہی کلا پنچاں رسالہ تیسرے
رسالہ کا کہ جس سے میری روز اول ان اسیروں کی رہائی کے بارہ میں گفتگو ہوئی تھی
کھڑا ہے چونکہ مجھ سے اس کی بیشتر شناسائی ہو چکی تھی بعد صاحب سلامت کے

میں نے لڑائی کا حال دریافت کیا اس نے ابتدا سے انتہا تک سب کیفیت بیان کی۔
 اور کہا کہ ہم کو کل کے روز دو سو اڑھتھے رسالہ کے آکر دھوکہ دے کر گئے ہم دھوکے
 میں رہے اور گوروں نے آکر ہماری توپوں پر قبضہ کر لیا۔ بعد پٹنیں دونوں طرف کی لڑائی
 رہی اور ڈیڑھ گھنٹہ بندوق توپ کی لڑائی رہی اور ہماری فوج پسپا ہونے لگی۔ ہماری
 فوج پچھلے قدموں پسپا ہوتی جاتی تھی اور بندوقیں چلاتی آتی تھی اور ہم گھوڑے چڑھے
 توپوں کے گرے مارے جاتے تھے اور پیچھے ہٹتے آتے تھے کہ اسی اثنا میں لکھنؤ
 والا رسالہ تازہ دم ہماری مدد کو پہنچا اور کہا تم بیچ میں سے میدان چھوڑ دو۔ ہمیں ان
 پر دباؤ کرنے دو جو سوار تم کو دباتے آتے ہیں۔ ہم نے میدان دے دیا اور وہ رسالہ
 گھوڑے اٹھا کر سو جروں کے رسالوں پر جاگرا اور باہم دست بدست کی لڑائی ہونے
 لگی۔ جابین سے سپنیہ چل رہا تھا۔ ایک نے ایک کے سینہ پر سپنیہ رکھ دیا ایک نے
 ایک کے منہ پر رکھ دیا برابر فیر ہوتے تھے۔ فرض کہ ایک گھڑی بھر کامل یہ جنگ مغلوبہ
 رہی بعد کچھ سوار زخمی ہوئے کچھ مارے گئے۔ تھوڑے سے سوار بچ کر آئے ہیں اور
 گھوڑ چری کے تو بچانہ نے یہ کام دیا کہ پیچھے ہٹ کر مخداریں غاں کے برابر جو ترپولیہ
 ہے اس میں توپیں لگا دیں اور پٹنیں دو باغیہ میں چھپ کر گھڑی ہو رہیں اور ترپولیہ
 کے تینوں دلوں کے اندر توپیں لگی ہوئی تھیں اور دونوں طرف سے باغیوں نے رستہ
 روک رکھا ہے۔ اب فوج انگریزی آئے تو کدھر سے آئے۔ آخر انگریزی تو بچانے
 نے آکر مقابلہ کیا اور باہم نشانہ اندازی ہونے لگی انجام ایک گولہ سرکار انگریزی کی
 طرف سے ایسا آیا کہ توپ کے منہ پر لگا اور توپ کے اوپر کالب ٹوٹ گیا اور
 توپ بیکار ہو گئی۔ اس توپ کو شہر کو روانہ کیا۔ دوسری توپ کے پہیہ پر گولہ پڑا

اور وہ پیہ بھی بیکار ہو گیا اور اس پر دوسرا پیہ چڑھا کر شہر کو روانہ کر دی گئی تیسری
 توپ کے عرصہ میں جا کر گولہ پھینک گیا تینوں توپیں بیکار ہو کر شہر کو روانہ ہو گئیں۔ اب
 جب توپ بند ہو گئی تو فوج انگریزی نے تعاقب کیا اور گولہ اندازان اور سواران محفوظ
 توپ خانہ پیچھے ہٹ آئے اور فوج انگریزی اس امر سے بے خبر کہ بلپٹیں گھات میں
 چھپی ہوئی کھڑی تھیں۔ بخوف و خطر درویدہ سلسلے میں بندھی ہوئی چلی آئیں۔ جب
 باغیوں نے دیکھا فوج انگریزی داخل ملک ہو باغیہ ہو گئی اور بیچ میں آگئی۔ یکبارگی
 افاتسکی دھوار کے پیچھے سے کھڑے ہو کر دونوں طرف سے باڑیوں جھونک دیں۔ اس
 وقت فوج کا یہ حال ہوا جیسے کھوتوں میں چھرا مار دیا۔ بہت آدمی ضائع ہوئے
 اور باغیوں کا تعاقب چھوڑ کر اوٹھے چھاؤنی کہنہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور فوج
 باغی یہ سمجھ کر کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ شہر میں داخل ہوئی اور شہر میں گھس کر دھواڑ
 بند کر لئے اور اسی اثنا میں پہاڑی کے مورچوں والی فوج نے جو دیکھا کہ فوج شہر
 میں داخل ہو گئی۔ وہ بھی پہاڑی پر ڈنڈا ڈبیرا چھوڑ کر شہر میں آگئی تو پیں بھی چھوڑ
 دی گئیں اور توپیاں وغیرہ جو ڈیرہ خیمہ پہاڑی پر تھا سب کا سب معہ میگزین وہیں
 رہ گیا۔ جب فوج انگریزی چھاؤنی میں داخل ہوئی اور اس نے دیکھا کہ پہاڑی خالی
 پڑی ہے ایک چڑیا تک نہیں انہوں نے بنے بنائے مورچوں پر قبضہ جمالیا اور
 ڈیرے خیموں وغیرہ کو آگ لگا دی اور توپوں کا رخ دلی کی جانب پھیر دیا۔ مورچوں
 کا استحکام کر دیا۔ اور پورے شہر میں داخل ہو کر بڑی بڑی توپیں میگزین سے
 کھینچ کر شہر کے برجوں پر چڑھا دیں۔
 باغی قلعہ بند ہو گئے۔ اب میدان واری کی لڑائی تو جاتی رہی مگر چہ بند

اور قلعہ بندی کی لڑائی رہ گئی۔ دن رات گولہ چلنے لگا۔ اُدھر پہاڑی پر فریر صاحب
 کی کوٹھی سے لگا کر باوٹے تک انگریزی فوج کے مورچے لگے ہوئے تھے اُدھر
 کشمیری دروازہ کے برج سے لے کر کابلی دروازہ کے سیاہ برج اور لاہوری دروازہ
 کے برج سے فراخشاہ کی کھڑکی کے برج تک توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور باہم نشانہ
 روز گولہ باری ہوتی تھی اور شیل اور بم کے گولے شہر پر برستے تھے بم کا گولہ خدا پناہ میں
 رکھے جس وقت پھٹتا تھا اور صد ہا شکرے اُس کے اُڑ جاتے تھے اگر سات درجہ کے
 مکان پر پڑا تو وہ کو اتر گیا اور سب کا ستیاناس کر دیا اگر زمین پر پڑا تو دس گز زمین پوست
 ہو کر بچوٹا اور تمام مکان کو اڑا دیا۔ غرض کہ ایک قہر خدا تھا دس دس گولہ برابر کاغذ کے
 پرچوں کی طرح شب کو اڑاتے چلے آتے تھے اور برابر پھٹتے چلے جاتے تھے اُدھر صبح
 ہوئی اور بجلی بجنے شروع ہوئے اور فوج باغیہ کمر بندی کو کے لاہوری دروازہ کے باہر
 جا موجود ہوئی اور باہم گولی چلنے لگی۔ شام تک میدان داری رہی پھر اپنے اپنے ڈیروں
 پر آ موجود ہوئے اب ہر چار طرف سے فوج باغیہ کی آمد شروع ہو گئی اور کمپو آنے لگے
 پہلے نصیر آباد کا کمپو آیا پھر بیچ کی فوج آئی اور مرار کا کمپو آیا۔ اب ایک سداری سنگہ کا کمپو تھا
 اور ایک جرنیل غوث محمد خاں ٹنڈے کا کمپو تھا جس کے اٹھ دوڑوں لڑائی میں گولے سے
 اڑ گئے تھے۔ اور بہت سی زخمیں اور زوہ خانہ آکر جمع ہو گئے اور ان کی ہمارا ہی میں
 اطراف و جوانب کے لوگوں کے غول چھاؤنیوں کے نام سے اور جم غفیر ملی میں جمع ہو گئے
 اور نصیر آباد والی فوج نے آتے ہی سب پر طعن کیا کہ آج تک تم سے ایک پہاڑی فتح
 نہ ہوئی۔ کل ہم نے جاؤ گے تم سب دیکھنا کہ ہم کیا کام کرتے ہیں تم سب اُدھر لڑتے
 دھواؤ ہم انگریزی لشکر کی پشت پر جا کر دلاؤ مارتے ہیں *

تیسری لڑائی

صبح کے آٹھ بجے نصیر آباد کی فوج دلی میں سے تیار ہوئی۔ اور بہت سا میگزین ہمراہ لیا۔ توپ خانہ سمیت تیلی واڑے کی راہ سے دھیرج کی پہاڑی طے کر کے ہنر کے پل سے اُس طرف ہو کر مغلیہ کے باغات کا چکر کاٹی ہوئی چھاؤنی کے راستہ پر سدا راہ ہو گئی اور بارہ بجے دن کے انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ شروع ہوا۔ اور باہم گروہ باری ہونے لگی۔ اور توپ کی آواز آنے لگی۔ اسی روز یہ کیفیت تھی کہ توپ کی صدا اس طرح آرہی تھی کہ جس طرح اچھے و بھکینٹ پھری گئے لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور باہم چوٹوں کی صدا برابر بھکتی ہے اس طرح توپ کی صدا متصل آرہی تھی اور کبھی ان کے ہمراہ بند دقوں کی باڑ کی آواز آ جاتی تھی۔ عجب مزے کی جنگ تھی کہ نہ دیکھی نہ سنی۔ اور فی الحقیقت دونوں لشکر ایک ہی سرکار کے تھے۔ آخر وہ بھی تو تعلیم یافتہ افسران سرکار انگریزی کے تھے۔ استاد شاگرد کی لڑائی تھی مگر فرق اتنا تھا کہ سرکار کا ستارہ اقبال غالب تھا اور ان کا بسبب محسن کشتی مغلوب اگر وہی فوج باغیہ کسی فہیم کے مقابل ہوتی تو دھوئیں اڑا دیتی۔ ورنہ بغیر گردن راوی کہنے والوں کا بیان تو یہ تھا کہ لشکر سرکاری دیر خیمہ لے کر علی پور جا اترتا تھا اور بہیر روانہ ہو چکی تھی۔ اب جھوٹ سچ کا علم خلا کو ہے۔ سنی سنانی بات ہے کوئی دیکھنے نہ پڑی ہی گیا تھا۔ قصہ مختصر یہ ہنگامہ جلال و قتال دوپہر سے ۹ بجے رات تک قائم رہا۔ اور باہم جنگ کی آواز آتی رہی۔ پھر وہ صدا آنی موقوف ہو گئی۔ دوسرے روز بارہ بجے دن کے وہ فوج واپس آئی۔ ہے تو اُس کا بیان یہ تھا۔ جو اوپر تحریر ہو چکا دوبارہ اعادہ اُس کا فضول ہے مگر ہم کیا کریں ہمارے پاس میگزین ختم ہو چکا تھا اگر ہم کو میگزین مل جاتا تو ہم تمام رات لڑتے جاتے اور سرکاری لشکر

کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ ہم نے سوار بھیج کر میگزین طلب کیا تھا اور سوار اپنے ہمراہ لے کر چلے گئے تھے کہ دروازہ والوں نے میگزین روک لیا اور کہا کہ اس وقت رات ہے مبادا انگریزی فوج راستہ میں سے تاخت کر کے چھین لے جائے رات بھر ہم سے ہوشیاری کی انگریزی فوج نے ہم پر مین بار حملہ کیا۔ ہم نے ہتھاب کا جوالا دے دے کر ان کو ٹلا دیا تین کارتوس ہمارے پاس گراب کے باقی رہ گئے تھے۔

جرنیل نخت خاں کی آمد | اس محرکہ آرائی کے بعد نخت خاں جرنیل چودہ ہزار لاکھ پو اور چند توپ فائدے اور دو تین زخمیوں کو روکا

کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی میں وارد ہوا۔ اور دوسرا جرنیل مار کا کپوٹے کر آہنچا۔ ان کے پانچ سو دلاستی سرحدی نیلے کپڑے والے دہلی میں آگئے اور بددیوے لوگ سرغنہ بن کر دو دو سو چار چار سو کی جمعیت لے کر شہر میں داخل ہو گئے کیفیت یہ تھی کہ جس وقت باغیہ دلاوا پر جاتی تھی یہ سب بدعاش ان کے ہمراہ ہوتے تھے اور جو زخمی یا مقتول ہوتا تھا اس کا سامان روپیہ یا شرفی ہتھیار گھوڑا وغیرہ یہ منگوا لیتے تھے مگر شہر کی خلقت میں سے کوئی مسلمان یا ہندو اعلیٰ تا اولے کبھی ہمراہ افواج باغیہ دلوے پر نہیں گیا سوائے ان اجلاف بدعاشوں کے جو بدزاول پور میں کوہرا لے کر شر کو لٹواتے پھرتے تھے۔ اور بنک گھر کار روپیہ خزانہ بخشی خانہ کا جنہوں نے لٹا تھا اور گھوڑے مول لے کر سواروں میں لوکر ہو گئے تھے بدیشتر ان میں کاغذی محلہ اور کشمیری دروازہ کے اطراف و جوانب کے کنجڑے قضائی۔ کاغذی۔ چوڑ ہے چار بانڈی باز پہلوان مثل گامی بدعاش وغیرہ تھے۔ کوئی شریف نہ تھا بلکہ شرفا وغیرہ نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ خود اپنی مصیبتوں میں گرفتار تھے۔ بادشاہی ملازموں

کا یہ حال تھا کہ جب سے یہ بد معاش شہر میں داخل ہوئے تھے بیچارے روٹیوں کو محتاج تھے۔ تنخواہیں بند تھیں۔ تنخواہ کہاں سے ملتی خود بادشاہ کی تنخواہ بند ہو گئی تھی۔ لاکھ روپیہ مہینہ بادشاہ کے یہاں انگریزی خزانہ سے آتا تھا جب انگریزی نہ رہی اور خزانہ بھی لٹ گیا تو بادشاہ کو تنخواہ کون دیتا اور بادشاہ کے پاس کیا دھڑکتا کہ وہ لوگوں کو تنخواہ دیتے۔ غرض کہ ایک مہیبت ایک نہاں اور بربادی تھی جن لوگوں کے گھر میں کچھ اثاثہ البتہ تھا وہ بیچ بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔ امد چار چار روپیہ کے سپاہی فاقے مرتے تھے اس کے علاوہ وہ لوگ کچھ اپنی حرفت و دستکاری وغیرہ کر لیتے تھے۔ کارخانہ بھی بند تھے۔ کوئی ذریعہ قوت بکری کا نہ رہا تھا۔ بادشاہ غریب کا یہ حال تھا کہ حیران پریشان محل میں رہتے تھے۔ باہر برآمدہ ہونا چھوڑ دیا تھا ہر وقت مغموم متاثر آبدیہ رہتے تھے۔ گاہ گاہ وقت شب تخیل میں تسبیح خانہ میں گھڑی دو گھڑی آ بیٹھا کرتے تھے اور ان نمک حراموں کو برا بھلا کہتے تھے ہم لوگوں کے واسطے حکم تھا کہ باری باری سے شب کے وقت ڈیوڑھی پر حاضر نہ کرو۔

بادشاہ کے تاثرات | ایک رات میں ڈیوڑھی پر موجود تھا پچھلا پہرہ تھا کہ باریہ نے محل میں سے آواز دی۔ ہتیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ جلدی

سے پگڑیاں سر پہ رکھ کر کمری باندھ کر تیار ہو گئے۔ اس وقت ہم چار پارخ آدمی حاضر تھے۔ میرزا قیصر شاہزادہ حمید خاں جہدار خاص بلوچان میر فتح علی جہدار کہاوا حمید بخش عرض بیگی کہ بادشاہ برآمد ہوئے۔ ہم سب آداب بجالائے۔ بادشاہ تسبیح خانے کے سنگ مرمر کے تختہ پر سند تکیہ پر ہو بیٹھے ایک ستون سے حمید خاں لگ کر کھڑا ہو گیا اور ایک ستون سے میر فتح علی تخت کے دائیں جانب میرزا قیصر

میں ان کے برابر میں ہوں اور میری برابر حسین بخش عرض بیگی حضور نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو آج کل جو سامان ہو رہا ہے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ حمید خاں جمہدار نے ماتھ باندھ کر عرض کی حضور ڈیڑھ سو برس کے بعد حضور کا اقبال باور ہوا ہے گئی ہوئی سلطنت پھر واپس آئی ہے۔ بادشاہ سلامت نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہیں جانتے ہو جو کچھ میں جانتا ہوں مجھ سے سن لو میرے بگڑنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ یعنی بنائے فساد مال و دولت۔ خزانہ ملک و سلطنت وغیرہ ہوا کرتے ہیں میرے پاس ان میں سے ایک موجود نہ تھی۔ میں تو پہلے ہی فقیر ہوا بیٹھا تھا مجھ کو کسی سے خصومت کیا تھی یعنی فقیر سے کسی کو کیا رشک و حسد اور طمع ہوگی۔ بدیت

کس نیاید بنسانہ درویش کہ خراج زمین بلغ بدہ
میں تو اک گوشہ ایزدی میں فقیر کا تکیہ بنائے ہوئے چار صورتوں کو ہمراہ لئے
ہوئے بیٹھا روٹی کھاتا تھا میرے بگڑنے کا کوئی سامان نہ تھا اب جو منجانب اللہ
غیب سے میرے میں آگ لگی اور دلی میں آکر بھڑکی۔ فتنہ برپا ہوا ہے تو معلوم ہوا
فلک غدار اور زمانہ ناہنجار کو میرے گھر کی تباہی منظور ہے۔ آج تک سلاطین چغتائی
کا نام چلا آتا تھا اور اب آئندہ کو نام و نشان یک قلم معدوم و نابود ہو جائے گا۔ یہ
نمک حرام جو اپنے آقاؤں سے منحرف ہو کر یہاں آکر پناہ پذیر ہوئے ہیں۔ کوئی دن
میں ہوا ہوئے جاتے ہیں جب یہ اپنے خاوندوں کے نہ ہوئے تو میرا ساتھ کیا
دینگے۔ یہ بد معاش میرا گھر بگاڑنے آئے تھے بگاڑ چلے۔ ان کے جانے کے بعد
انگریز لوگ میرا اور میری اولاد کا سر کاٹ کر قلعہ کے کنگرے پر چڑھا دیں گے۔

اور تم لوگوں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیں گے۔ اور اگر کوئی باقی رہ جائے گا تو آج کا
قول میل یاد رکھو کہ تم روٹی کا ٹکڑا منہ میں لو گے اور وہ منہ میں سے اُڑ کر دور جا پڑے گا
اور رؤسائے منہ کو لوگ ایسا سمجھیں گے جیسے گاؤں کا اونٹن آؤمی ہوتا ہے۔ یہ سنحان
دروانگیر فرما کر پھر محل میں داخل ہو گئے اُس کے پانچ چار روز کے بعد ایک روز کا ذکر
ہے کہ آٹھ بجے دن کے محل میں سے برآمد ہوئے۔ ہوا دار پر سوار ہو کر سلیم گڑھ تک
گئے اور واپس آتے تھے۔ انساہ راہ میں حبیب علی عہد بہادر مرحوم کے باغیچہ کے برابر
آئے تو میں ہوا دار کا پایہ پکڑے ہمراہ تھا۔ مجھے ارشاد ہوا کہ میں نے سنا ہے کہ آغا
بیگم بہت گھبراتی ہیں اور اُن کو بہت کرب و اضطراب و قلق ہے اور بہت گریہ
زاری کرتی ہیں تو اُن کے پاس جا اور جو ہدایت کی جائے وہ کلمات حروف بحرف اُن
کے گوش گزار کر۔ اور تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تُو نے چار برس کی عمر سے محل میں
پرورش پائی ہے۔ تجھ سے کچھ پردہ نہیں تو پردہ کے برابر جا کر سب عرض کر لیجو۔
میں نے دست بستہ عرض کی تو ارشاد ہوا کہ تو کہنا حضور فرماتے ہیں کہ جس قدر
مصائب اور رنج و آلام اور تکالیف میں یہ خاصانِ خدا کے واسطے ہوتی آئی ہیں۔
خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہمیشہ مصائب میں گرفتار رہے ہیں مگر
اُن مصائب کا خاتمہ جناب سرورِ کائنات کی ذاتِ بابرکات اور اُن کی الہامیاد پر
ہو گیا۔ اُن کے مصائب پر خیال کرو کہ کیسی کیسی مصیبتیں اٹھانے پر صابر و شاکر ہے
رسولِ زاویوں سے زیادہ تمہاری عزت و حرمت نہیں۔ تم اُن کے مصائب یاد کر کے
اپنے دل کو تسکین دو۔ اور جو مصائب تکالیف وغیرہ گزریں اُس میں صابر و شاکر
رہو۔ میں نے جب یہ کلمات یا اس بادشاہ کی زبانی سنے تو مجھے بے اختیار رقتِ ظاہری

ہونی اور سواری محل میں پہنچا کر میں نواب آغا بیگم صاحبہ صاحبزادی حضور کے در
 دولت پر گیا۔ خواجہ سرا کی معرفت عرض کرانی کہ خانہ زاد حسب الارشاد فیض بنیاد
 حضور پر نور حاضر ہوا ہے اور کچھ حضور سے ارشاد ہوا ہے۔ وہ گزارش کیا چاہتا
 ہے۔ شاہزادی صاحبہ معظمہ نے محل میں پردہ کر کے اندر بلوایا اور پردہ کے اندر
 سے فرمایا کہ خلیفہ بیان کرو۔ کیا ارشاد ہوا ہے۔ میں نے آداب بجا لاکر جو کچھ ارشاد ہوا
 تھا حوت بحرف بیان کیا۔ شاہزادی صاحبہ نے بعد استماع فرمایا کہ میری جانب
 سے تو جا کر آداب تسلیمات عرض کرنا کہ آج تک تو مجھے قلع و اضطراب اور فکر آبریزی
 اور خیال تباہی اور بربادی تھا مگر اب دل کو تشفی ہو گئی انشاء اللہ حضور کی ہدایت سے
 سر مو تجاوز نہ ہو گا۔ میں نے واپس آکر خواجہ سرا کی معرفت سب کیفیت گزارش کر
 بیچی۔ اسی روز کا ذکر ہے کہ جس وقت سواری واپس آئی تھی۔ جب سواری دیوان
 عام کے صحن میں محبوب علی خاں کے کمرے کے نیچے پہنچی تھی تو حکیم احسن اللہ خاں
 بھی ہوادار کے برابر چلے آئے تھے۔ پانچ چار پور بنے آئے اور حکیم احسن اللہ خاں
 سے انہوں نے کچھ کہا خارجا جانے انہوں نے کہا جواب دیا کہ ان میں سے ایک نے
 بندوق کا پایہ چڑھا کر چاہا کہ بندوق جھونک دے ایک خاص برادر شاہی نے ہاتھ
 کی تھپکی دے کر بندوق کی نال اوپر کو ردی اور بادشاہ نے ہوادار پر سے ہاتھ بڑھا
 کر حکیم جی کا سر کپڑے کے ہوادار آگے کر لیا اور ان مذکورہ حرموں کو بڑھلا کہنا شروع کیا
 اس وقت دیوان عام میں سے کل افسر پوربیوں کے دوڑ آئے اور ہاتھ جوڑنے لگے
 معذرت کرنے لگے۔ قصہ رفت و گذشت ہوا۔ اس طرح ہم لوگوں سے اور ان بے
 تمیزوں سے روز تکرار رہتی تھی۔ ایک دن کا اور ذکر ہے کہ صبح کا وقت تھا دن کے

سات سبکے ہیں بادشاہ برآمد ہوئے اور دیوان خاص کے بیچ کے در میں کرسی بکھوا کر بیٹھے ہیں کچھ تھوڑے سے آدمی اس وقت موجود ہیں کرسی کے پیچھے دو خواص کھڑے ہوئے مورچیل جھل رہے ہیں۔ سیرے بہنوئی آغا سلطان کرسی کے قریب کھڑے ہیں ان کے برابر میں ہوں اور کوئی پانچ چار آدمی ہیں۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک پور بیا فر بہ اندام پستہ قدر۔ ادھیڑ پچاسن بچپن برس کی عمر سنہ پر ڈاڑھی گاڑنے کا کورتہ۔ دہوتی بندھی ہوئی سر پر ایک انگوچھا لپٹا ہوا چندھیا کھلی۔ جال کرچ افسروں کی اس کے گلے میں پٹسی ہوئی عقرب حمام کے چوڑے کی طرف سے دربار میں آیا اور بادشاہ کو سلام کر کے پاس چلا آیا۔ سیرے بہنوئی نے روکا بھی کہ ہیں کہاں چلے آتے ہو مگر وہ کب سنتا تھا۔ پاس آکر بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ سنو بڑھو ہم نے تمہیں باسا کیا۔ یہ بات سن کر مجھے تاب نہ رہی اور اسے غصہ کا نپٹنے لگا اور ایک ہاتھ زور سے اس کے سینہ پر رکھ کر دھکا دیا۔ اور کہا کہ او بے ادب بے تیز بادشاہوں کے دربار میں اس طرح گستاخی کرتے ہیں وہ اس دھکا دینے سے دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا اور گرتے گرتے سنبھلا اور اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا میں نے بھی تلوار کھینچ لی جس وقت اس نے قبضہ پر ہاتھ ڈالا ہے تو میری برابر ایک سید کا لڑکا بخت گرہ کا ہونے والا میری ہی ہم عمر ہو گا وہ انگریزی رسالہ میں کوئی عہدہ دار تھا۔ میری برابر سے بڑھ کر اس نے اس کا گلا اس زور سے دبوچا کہ قریب تھا اس کی آنکھیں نکل پڑیں اور لوگوں نے مجھے روک لیا۔ میری تلوار آدمی کھینچنی پائی تھی کہ لوگوں نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میں میں جانے دو بادشاہ نے اشارہ کیا پیچھے کرسی کے آجا لوگوں نے اسے دھکے دے کر دیوان خاص کے باہر کر دیا اور بادشاہ نے

خفا ہو کر منغلطات گالیاں دینی شروع کیں اور حکم دیا کہ محل کی سواریاں کراؤ۔ اور
 خواجہ صاحب کو چلے چلو قلعہ کو چھوڑ دو اور خود سوار ہو کر حالی کے دروازہ تک پہنچ
 گئے تھے کہ اتنے میں سب افسر جمع ہو کر دوڑ آئے اور بادشاہ کی سواری روک لی۔
 منت سماجت کی اور اسے لاکر پاؤں میں ڈالا ہر خدیا بادشاہ نے چاہا کہ قلعہ سے
 چلے جائیں مگر وہ کب جانے دیتے تھے۔ روک لیا۔ ہوا دار لڑا کر تسلیج خانے کو لے
 گئے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بد بخت جرنیل بخت خاں یہی ہے پیچھے حال کھلا کہ
 وہ بریلی والا جرنیل ہی تھا۔ ظاہر اتوا اس کا لباس گھس کھدوں کا سلطنت میں تو سمجھا
 تھا جیسے اور پلہ پیٹے سپاہی میں یہ بھی کوئی سپاہی ہو گا۔ تھوڑے عرصے میں وہ
 فوج لے کر شہر میں وارد ہوا تھا رفق کی لڑائی بند ہو گئی تھی جیسے فوج پہلے میں ہونے
 ہی میدان داری کو تیار ہو کر رٹنے کو چلی جاتی تھی وہ موقوف ہو گئی تھی۔ اس نے آکر
 یہ بات ترک کرادی تھی اس نے کوئی اور تدبیر سوچی تھی۔ غرض کہ میں روز تک لڑائی بند ہی
 مگر شہر پر گولہ باری بدستور تھی۔ شبانہ رفق کو کہہ رہا تھا۔ اس موقع پر ایک اور بات بیان
 کرنی ضروری ہے اور وہ جو پانچ سو دلائی تھے وہ سب سے زیادہ جلہ باز تھے اور وہ
 زیادہ فوج کو درغلا تے تھے اور ترغیب دلا کر جنگ میں لے جایا کرتے تھے اور آگے
 فوج کے آپ ہوتے تھے اور ایسے موقع پر سے جا کر کھڑا کر دیتے تھے۔ یہاں گراباؤ
 بارڈ کی زد ہوتی ہے اور آپ الگ ہو جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک پور عیا عورت تھی کہ
 وہ سر کو سنڈا سا باندھ کر اور کمر کو دوپٹہ ڈکس کر سب سے آگے ہو جاتی تھی اور لوگوں کو
 ترغیب دلاتی تھی چلو بیٹا جہاں پر چلو۔ معلوم وہ کٹنی کون تھی۔ رفتہ بازار میں کھڑے ہو کر
 لوگوں کو لگا کر لے جاتی تھی اور آپ سب سے آگے ہوتی تھی اور پھر وہ بچ کر زندہ

سلامت آجاتی تھی۔ اور صدی آدمیوں کا خون کراتی تھی۔ پھر حبش شہر میں فوج اُٹھ
ہوتی ہے تو اس کا پتہ نہ پایا۔

چوتھی لڑائی | غرینکہ بخت خاں کے آنے کے بعد بیس روز لڑائی بند رہی
اور تمام فوج نے اس کو سلامت کرنی شروع کر دی تھی کہ تھنے

جنگ کو التوا میں ڈال دیا اس کا کیا باعث ہے۔ پھر حبش جو نیلوں نے مل کر یہ صلاح
کھیرائی کہ پہاڑی کے عقب چل کر انگریزی فوج کا محاصرہ کر لو اور ان کی رسد بند کر دو
چنانچہ اس امر پر سب راضی ہو گئے اور ایک دن بخت خاں اپنے کیمپ کو لے کر روانہ
ہوا اور شہر سے چار پانچ کوس کے فاصلہ پر جا کر نہر کے پل کے اُس جانب ڈیرہ ڈال دیا
دوسرے روز سدھاری سنگھ اور غوث محمد خاں اپنے کیمپ کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب
بخت خاں کے کیمپ پہنچے تو اسے بہت برا بھلا کہا کہ تو نہر کے اس پار کیوں بھڑکیا
اُس پار چل کر ڈیرہ لگانا تھا۔ اگر انگریز لوگ نہر کا پل اُڑا دیں گے تو ہماری آمد و شد بند
ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کیمپ نہر کے پل کی اُس جانب لے جا کر ڈیرہ ڈالا
سنو زخمیہ قائم نہ ہوا تھا کہ قدرت خدا سے مینہ برسنا شروع ہو گیا اور کس شدت سے
پانی برسا کہ العظمتہ للہ۔ تمام جنگل میں پانی پانی ہو گیا اور ایک خرابی اور ہوئی کہ جس کو قحہ
پر سدھاری سنگھ کے کیمپ کا ڈیرہ تھا وہاں نشیب تھا اور جمیل تھی۔ بخت گڑھ کی جھیل
مشہور ہے۔ جہاں ندی کا پانی سب اس میں آتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوئی کہ توپیں بھی
پانی میں غرق اور آدمیوں کے بھی کمر کر پانی چڑھ گیا اور میگن کی پیٹیاں سب لیل
میں بھنس گئیں۔ ادھر انگریزی فوج نے آگے گو لے اور گلاب کا مینہ برسانا شروع
کر دیا اور پیا پیا روڈ کا نہر میں بہا کر نہر کا پل اُڑا دیا جس سے راستہ بند ہو گیا اور

سے بخت خاں کی فوج نے انگریزی فوج پر گولہ باری شروع کر دی۔ دو نو طرف کی گولہ باری سنگھ اور غوث محمد خاں کے کپوں پر ہونے لگی۔ اب جائیں تو کہاں جائیں بیچ میں نہر حائل ہے جو بہاگ کر آیا نہر میں گرا۔ غرض کہ ڈیرہ خیمہ میگزین توپیں وغیرہ سب کی سب وہیں رہیں اور ہزار ہا جانیں تلف ہوئیں۔ تھوڑی سی فوج بچ بچا کر صبح کو دلی میں پہنچی۔ اور باقی سب تباہ اور ہلاک ہو کر وہیں غارت ہو گئی۔ دوسرے روز بخت خاں بھی اپنے کمپو کو واپس لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔

مقام بخت گڑھ کی لڑائی کے بعد پورے یوں کی باغیوں کا بارود خانہ اڑ گیا | ہمت شکست ہونی شروع ہو گئی اور وہ جوش

و غروش کم ہو گیا۔ اسی اثنا میں ایک ستم اور ہوا کہ چوڑیالوں کے محلہ میں شمر کی بیگم کی حویلی میں میگزین تھا اور وہاں بارود تیار ہوا کرتی تھی اور سات سو من بارود روز بنتی تھی۔ اور خرچ میں آجاتی تھی۔ ایک دن تیسرے پہر کا وقت ہے دن کے تین بجے ہوں گے کہ یکا یک ایک دھماکے کی آواز کان میں آئی مگر دھماکا ایسا ہوا جیسے سو توپ کی برابر اس کی صدا تھی۔ میں اپنے مکان کے دو منزلہ پر چڑھا اور چار طرف نگاہ کی تو اپنے مکان کی جنوب کی جانب دیکھتا کیا ہوں کہ ایک تنق گرو غبار اور دھوئیں کا آسمان سے آئیں کرتا ہے معلوم ہوا کہ میگزین اڑ گیا۔ میں نے آدمی کو بھیجا کہ جا کر خبر لے کیا اور دات گوری آدمی نے تھوڑی دیر میں آکر خبر دی کہ میگزین میں سات سو آدمی کام کرتے تھے سب کے سب اڑ گئے لاشوں کا ڈھیر پڑا ہے مکان میں آگ لگ رہی ہے۔ اور کثیر ہجوم خلق اللہ کا ہے۔ ایک حشر برپا ہو رہا ہے۔ ہزاروں آدمی داویلا مچا رہے ہیں۔ جن کے عزیز واقربا بارود خانہ میں کام کرتے تھے یہ معرکہ دیکھا نہیں جاسکتا

نہا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ میرے پاس عزیز الدین خاں حسن اللہ خاں کے بھانجے
گھبرائے ہوئے منتشر الحواس دوڑے ہوئے آئے۔ اور ان کے ہمراہ ان کی گھر کی
سواریاں تھیں۔ خیر سواریاں تو گھر میں اتر والیں۔ اور ان سے تفتیش حال کی کہ خیر
باشد معاملہ کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ادھر تو میگزین اڑا ادھر پور بیے حکیم جی
کے گھر پر چڑھ گئے کہ حکیم جی انگریزوں سے سازش رکھتے ہیں انہوں نے میگزین
اڑوا دیا ہے اور جا کر سب اثاثات البیت لوٹ لیا۔ حکیم جی گھر پر نہ تھے حضور میں
تھے۔ ورنہ وہ ضرور جان سے مارے جاتے۔ یہ عورتیں غریب اپنی جان بچانے
کو مکان کے عقب میں ایک ہمسائے کے گھر میں کو گئیں تھیں میں وہاں سے
سوار کر کے لایا ہوں +

اس واقعہ کو تھوڑے ہی دن نہ گزرے تھے کہ ایک دن یہ معاملہ
شب بخون | پیش آیا کہ کشمیری دروازہ کے باہر نصف میل کے فاصلہ پر ایک
زرد کوٹھی پہاڑی کے متصل تھی وہاں پوربیوں نے ایک مورچہ قائم کر رکھا تھا۔
اور وہاں بڑی بڑی توپیں لگا رکھی تھیں ان توپوں سے انگریزی فوج کو بہت
نقصان پہنچتا تھا۔ اس مورچے کی حفاظت کے واسطے ہر وقت دو پلٹنیں اور
گولہ انداز وغیرہ موجود رکرتے تھے اور دو دوپہر کی نوکری راکتی تھی ایک دن
حسب اتفاق دن کے بارہ بجے سے نصیر آباد والی فوج نے شہر والی فوج سے کہا
کہ بھائیو فوراً ہتھیار رہنمات کا سماں ہے ایسا نہ ہو کہ غنیمت اگر چھاپہ مار جائے اور
تم غافل ہو جاؤ ان بد بختوں نے جواب دیا بھتیج تم سپاہی ہو ہو سپاہی نہیں۔
غرض یہ تو وہاں سے رخصت ہوئے اور انہوں نے مورچہ سنبھال لیا۔ اب ان کی

کیفیت سنئے کہ انہوں نے بخشی خانہ اور بنک گھر کو لوٹا تھا۔ اُن کے پاس اشرافیوں کے
 ڈھیر تھے۔ وہ دن بھر بھنگیں پیتے تھے اور قلاقند پیرے لٹواڑا تے تھے۔ وہ
 جو مال پہنچے اول اول تو ہوشیار رہے جب پھر رات آئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے
 لگی تو وہ پہلے ہی سبزی کے گھڑوں پر سوار تھے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اُن پر
 اور تازیا نہ ہو گئے اور طہراروں کے سرور موجیں دکھانے لگے۔ باد پیاں فلک
 سیر پر سوار ہو کر وادی عدم کو تیار ہو گئے اور بندوقوں کے کوت لگا کر دھوتیاں بچھا
 بچھا کر بستر مرگ پر دراز ہو گئے۔ **دوہا**

بھنگ ایسی پیچھے جیسے کچ پورہ کی کیچ گھر کے جانیں مر گئے اور آپ نشہ کے بیج
 اب یہ تو خوابِ خمر گوش میں پڑے ہوئے خرائے لے رہے ہیں اور ادھر مخبر نے جا کر
 انگریزی فوج کے جرنیل کو خبر دی کہ اس وقت باغی لوگ سب بے خبر پڑے سوتے
 ہیں۔ مورچا سونا پڑا ہے۔ یہ وقت شجوں مارنے کا ہے۔ وہاں سے افسرانِ فوج
 وہ پلٹیں دو گورکھیوں کی اور ایک پلٹن محوی اور ایک پلٹن گورہ لے کر ننگے پاؤں
 پہاڑی پر سے اترے اور آہستہ آہستہ بے پاؤں آکر پہلے تو بندوقیں اٹھالیں
 پھر توپوں پر قبضہ کر کے اُن خفتہ بختوں کو بیدار کیا اور کہنا شروع کیا کہ اٹھو بھائی
 دیندار و گورے لوگ آگئے۔ ایک جو آنکھیں ملتا ہوا اٹھا گورکھے نے کہکری
 مار کر سراڑا دیا۔ اب کہکری اور تلوار چلنی شروع ہوئی۔ ایک غل ہا ہو کا بلند تھا۔ جتنے
 مارے گئے مارے گئے۔ باقی بدحواس بھاگ کر شہر کی جانب روانہ ہوئے ادھر کی
 کیفیت تھی کہ وہ جو نصیر آباد کی پلٹیں پہرہ بدلو کر ان اہل رسیدگان سے آئی
 تھیں نظر احتیاط وہ شہر میں داخل ہوئی تھیں کہ شب کو دروازہ شہر کھلوانا سب

نہیں وہ کشمیری دروازے کے باہر فصل کی پٹری پر سب لیٹے ہوئے کمری سیدھے
 کرتے تھے اور یہ بھاگے ناٹے اُن کے پاس پہنچے انہوں نے اُن کو لعنت و ملامت
 کے بعد کہا کہ تم ہمارے پیچھے آ جاؤ اور بند و قیں بھر کر خاموش لیٹ گئے۔ اسی اشنا
 میں انگریزی فوج اُن کا پیچھا دباٹے ہوئے پہنچی کہ اُن کے ساتھ ہی دروازہ کی راہ
 سے شہر میں داخل ہو جانا چاہئے۔ پھر سنگینیں باندھے چلے آتے تھے جب یہ
 بند و ق کی زد پر آ پہنچے تو یک بارگی انہوں نے باڑھ مار دی اور کشمیری دروازہ
 کے گولہ اندازوں نے جو یہ دیکھا کہ شہر کی ڈنڈی کے نیچے ہی لڑائی ہو رہی تھی۔
 انہوں نے اوپر سے گرا ب مارا اور سیاہ برج والوں نے توپیں بھر کر اندھا دھند گرا ب
 برسائے شروع کر دیئے۔ اُس وقت یہ نوبت ہو گئی کہ خدا سے اور بندہ لے۔ تعاقب
 کنندگان کو جان سچائی مشکل ہو گئی۔ وہ ہی مثل ہو گئی اس لاکھ سے اُس لاکھ لاش
 پر لاش پڑ گئی کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بھاگے اُلٹے پاؤں اور جا کر مورچہ پر دم لیا
 اور اسی زر و کوٹھی کے مورچے کی توپیں دروازہ شہر کی جانب پھیر کر اندھا دھند
 انہوں نے فیر کرنے شروع کر دیئے۔ رات بھر ہنگامہ بگیر و کجش گرم رہا۔ دونوں طرف سے
 توپ بند و ق چلتی رہی مگر وہ مورچہ کالوں کے لاکھ سے نکل گیا۔ اور گورے اسپر قابض
 ہو گئے اور باہر سے انداد پہنچ گئی۔ آئے سلائے کی لڑائی ہو گئی اور اس جنگ میں
 ایک فتنہ اور بپا ہو گیا کہ افواج انگریزی کا ایک افسر کلاں مارا گیا اور اس کی لاش وقت
 شب بیچ میں دونوں مورچوں کے پڑی رہ گئی۔ صبح کو اُس لاش کے اٹھانے کی دونوں
 طرف سے کد و کاوش ہو رہی تھی اور باہم بند و ق اور توپ خوب زور شور سے چل رہی تھی
 اور ادھر توپوں کو یہ طبع دامنگیر ہے کہ اس کے ہتھیار اور رجال کمرچ عمدہ اور

نایاب ہیں کسی طرح یہ بات لگیں۔ وہ لاش عین کشمیری دروازہ کے کھوکن کے سامنے
 ہی تھوڑے سے فاصلہ پر پڑی تھی۔ اُس لاش پر ڈیڑھ دن تک لڑائی رہی۔ کیونکہ وہ
 دونوں جانب کے گراب کی زد پر تھی۔ شبانہ روز برابر بدوق چلتی رہی۔ ہزاروں
 آدمیوں کا طرفین سے کشت و خون ہو گیا۔ آخر وقت شب ایک پورے نے کیا حکمت
 کی کہ زمین نین لٹا لٹتا اُس کے پاس پہنچ گیا اور اُس کے پاؤں میں اپنی پگڑی کا تھرا
 باندھ دیا اور اُسی طرح لٹتا ہوا واپس چلا آیا اور وہاں سے اس لاش کو آہستہ آہستہ
 کھینچ لیا۔ تنچہ کی جوڑی۔ جال کرتج اور جو کچھ سامان وغیرہ تھا وہ سب اتار لیا۔ اور
 لاش کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ صبح جب اُس طرف والوں نے لاش کو نہ دیکھا تو لڑائی
 موقوف ہوئی وہ پورے لاش کے ہتیار لے کر قلعہ میں آیا اور ہتیا سب کو دکھائے
 اور خانساں کے مکان میں وہ لے کر آیا۔ حسن اللہ خاں کو دکھائے کہ ان ہتیاروں
 کی بابت دو دن لڑائی رہی۔ میں نے بھی بخشیم خود دیکھے تھے تنچہ کی جوڑی تو خیر اچھی تھی
 مگر کرتج لا جواب تھی۔ اُس کے قبضہ پر سنہری ملمع تھا اور تلوار کا پھل سیہ تاب دیا ہوا
 تھا۔ اُس کی رنگت بالکل طاؤس کی گردن کی سی تھی اور سنہری حرفوں سے کچھ لکھا ہوا
 تھا اور سنہری کام تھا۔

اس لڑائی کے بعد فوج انگریزی نے یہ کام کیا کہ جو
 سپاہ بہنچ کا نیا مورچہ

مورچہ ان سے چھینا تھا۔ اُس کو خوب مستحکم کیا۔ اور
 وہاں پراؤ ڈال دیا اور رفتہ رفتہ شہر کی جانب مورچہ بڑھانا شروع کیا ہر روز دروازہ
 کے باہر جو چند قدم پر ٹرک تھی وہ کابلی دروازہ سے موڑ کھا کر کشمیری دروازہ کو جاتی
 تھی۔ اُس ٹرک سے پرے چند قدم کے فاصلہ پر ایک نشیب تھا اور نالہ تھا۔ وہاں

لکڑی والے کی ٹال تھی۔ وہیں لمبیاں اور چھتوں وغیرہ کی کڑیوں کا انبار پڑا ہوا تھا
 اور وہ بدر و دروازے کے سیاہ برج کے مقابل میں تھی۔ اور وہ جائے شاید برج
 سے دو تین قدم کے فاصلہ پر ہوگی۔ ایک شب انگریزی فوج نے یہ کام کیا کہ اُس ٹال
 میں آگ لگا دی اور لکڑیوں کو سلگا دیا اور اس کا دھواں اٹھنا شروع ہوا اور اُس
 دھوئیں کی اوٹ میں مورچہ باندھنے شروع کئے۔ سیاہ برج والے حیران تھے کہ یہ
 اٹھلے اور کچھ حال نہ معلوم ہوا وہ جائے میں سیاہ برج کے نیچے گراب کی زد پر تھی۔ یہ
 مورچہ کنوئیر باندھنے دیتے رہے کہ جب مورچہ تیار ہو گیا تو چالیس توپیں قلعہ شکن اُس میں
 لاکر لگادیں اور ایک بار کی اُن چالیس توپ کا ایک فیر سیاہ برج پر کیا اور اُن توپوں
 کی برابر سیاہ برج پر بارٹھ جھاڑ فی شروع کر دی اس وقت سیاہ برج والوں کی
 آنکھیں کھلیں۔ اب کیا ہو سکتا تھا ہر چند ہاتھ پاؤں مارے گراب برسائے کیا ہوتا ہے
 اور سے برابر توپ کی بارٹھ پڑ رہی تھی۔ اب یہ کیفیت ہو گئی کہ جو سیاہ برج کی زدوں کی
 جھانکیاں اور پتے روک لئے تھے جس کی پناہ میں کھڑے ہو کر توپ لگاتے تھے۔ وہ
 گرنے شروع ہو گئے اور توپوں پر گولہ پڑنے لگا اور سیاہ برج پر کھڑا ہوا مشکل
 ہو گیا۔ انجام یہ ہوا کہ اُس کا عملہ سب کھائی میں گر گیا۔ آٹھ دن تک یہ گولہ باری بٹانہ رز
 جاری رہی۔ آخر اٹھویں روز جب سپاہ انگریزی نے دیکھ لیا کہ سیاہ برج خالی پڑا
 ہے۔ اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے اور سیاہ برج شکستہ پر سے اچھی طرح
 آدمی چڑھ سکتے ہیں تو چار گھڑی رات تک پچھلے سے تمام فوج انگریزی پہاڑی سے اتر
 کر میرجن کے کھنڈرات میں آگئی اور کابلی دروازہ کے اُس جانب لاکر توپخانے لگا
 دیئے۔ اس طرف سے بھی تمام فوج باغیہ کل سوار پیدل توپخانے لے کر مقابل ہوئی۔

یہ لاہوری دروازہ سے لگا کر کابلی دروازہ کی نہر تک تمام سبلی واڑہ کے میدان میں پھیلی ہوئی ترسمن تھی اور انگریزی فوج کے اور اُس کے درمیان میں فقط ایک نہر حائل تھی۔ اور برابر دونوں طرف سے بندوق کی بار جھڑ رہی تھی اور پہاڑی کے مورچوں کی توپیں اور دستی توپ خانے وغیرہ تھے فلی ہذا انقیاس پڑیوں کی طرف سے لاہوری واڑہ کے برج کی توپیں گھوڑ چڑھی اور بیل باتری توپ خانے سب چل رہے تھے۔ گوکہ گلاب اور بارٹوں کا دونوں طرف سے مینہ برس رہا تھا اس دن شہر کی زمین اور کھانا اور سب دیوار و دروازے تھے۔ بندوقوں کی باریں متصل جاری تھیں۔ لڑائی کیا قیامت کے آثار نمودار تھے اور مصداق اذالذات الارض زلا الہا کا آشکار تھا خدا جانے طرفین سے تین سو توپ چل رہی تھی یا چار سو توپ کی بار جھڑ رہی تھی۔ اس کا علم خدا کو ہے۔ غرض کہ یہ کیفیت صبح کے پانچ بجے سے شروع ہوئی تھی اور دس بجے تک یہ قیامت برپا رہی۔ آٹھ بجے دن کے پانچ چھ آدمی لے کر قلعہ کو جانے لگا تو دیکھا کہ کوہر بندی کے پھاٹک سب بند ہیں۔ دروازوں کو قفل لگے ہوئے ہیں مگر کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں میں چھوٹے دریے کے پھاٹک سے باہر نکل کر چلنے لگا تو دیکھا دو چار آدمی ادھر سے واپس آتے ہیں ان میں ایک بادشاہی دربان بھی ہے اُس نے مجھ سے پوچھا کہاں جاتے ہو میں نے کہا قلعہ کو اُس نے مجھے منع کیا کہ نہ جاؤ قلعہ کا دروازہ بند ہے۔ میں واپس آیا ہوں۔ اُس وقت بازار کی سب دکانیں بند تھیں اور ایک آدمی چلتے پھرتے تھے میرے جی میں آئی کہ تم تو چل کر دیکھو کیا معاملہ ہے جب قریب دروازہ پہنچا دیکھا دروازہ بند ہے اور قفل لگا ہوا ہے اور دروازہ کے سامنے ایک توپ لگی ہوئی ہے کچھ آدمی دروازہ کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں اور دروازہ کے اوپر ایک لدر کھڑا

ہوا لڑائی کا حال بیان کر رہے ہیں اور لوگ سن رہے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک رجمنٹ
 سواروں کی قلعہ کی جانب سے آئی اور انہوں نے دروازے والوں سے کہا کہ تم دروازہ
 کھول دو۔ ہم باہر جائیں۔ دروازہ والوں نے دروازہ نہ کھولا اور حوالدار نے ادھر سے
 بیان کیا کہ تم لوگ کشمیری دروازہ کو جاؤ۔ ادھر کی طرف غلبہ بہت ہے اور ایودہ تمہارے
 ہاں کے سواروں نے دباؤ کر دیا۔ مٹھائی کے پل پر سے اس جانب چلے جا رہے ہیں
 اور انگریزی سپاہ کشمیری دروازہ کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ تو ان سواروں نے لاہری
 دروازہ کی دھنڈی کے پیچھے پیچھے جو راستہ کاہلی دروازہ کو جاتا تھا۔ ادھر کو گھوڑے
 دوڑائیں۔ میں نے اپنے گھر کا رخ کیا جب میں بھوانی سنگر کے چھتے کے پاس پہنچا
 تو میں نے دیکھا کہ پورے بے تماشا بھوانی سنگر کے چھتے میں سے بھاگے چلے آتے
 ہیں اس وقت بہت سے آدمی بازار میں تھے۔ انہوں نے ان کو روکا کہ ہم تم کو
 لڑوا کر کہاں جاتے ہو تو انہوں نے بندوقیں اور توش دان پھینک کر جواب دیا کہ بھینس
 تو لڑ چکے اب تم ہی لڑو اور بندوقیں چھوڑ کر بھاگ لٹے جب یہ حال لوگوں نے دیکھا تو سب اپنی
 اپنے گھر کوڑا نہ ہوئے میں قدم اٹھا کر بلی ماروں کے پھاٹک پر پہنچا تو دروازہ بند پایا۔ دوڑ کر
 چھوٹے دریے کے پھاٹک تک پہنچا۔ بارے وہ دروازہ بند تھا اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس
 وقت ایک تماشا اور نظر آیا جب میں کھڑکی کے پاس پہنچا ہوں تو سامنے کو توالی کے
 آگے سے ایک بندوقوں کی بارٹھ مجھ پر پڑی اور گولیاں آکر ٹرک کی نالیوں کے پتھروں پر
 چٹخیں جس طرح زمین پر اوڑے گرتے ہیں میں نے سامنے دیکھا تو انگریزی فوج کا ایک
 بزن کو توالی کے آگے موجود کھڑا تھا میرے ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرے
 گولی لگی ہے میں نے کہا کہ آؤ چلے آؤ۔ گھر چل کر دیکھیں گے اور جلدی سے کھڑکی

میں داخل ہو کر اس شخص کو کھینچ کر گھر کی کسے اندر لے لیا سب ہمراہی جب اندر آ گئے تو
 گھر کی بند کر دی اور قدم اٹھا کر گھر کا راستہ لیا اور بھاگ کر گھر پہنچا۔ وہاں جا کر
 اُس سے دریافت کیا کہ تیرے کوئی کہاں لگی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ شکم میں اور اپنی
 کمر گھولی تو کھٹ سے کوئی تخت پر گری اُس کو اٹھا کر دیکھا تو لمبی اور پیچھے سے خالی
 چھایا کی ڈلی کی صورت کی تھی۔ اس شخص کے گلے میں ایک چار انگلی لمبا چوڑا چمڑا تھا۔
 چمڑے کو جلایا پیچھے کا موم جامہ پھونکا اور تعویذ کے کاغذ پر جا کر رک گئی۔ اُس کے پیٹ
 پر بالشت بھر چوڑا چمڑا گول سرخ نشان پڑ گیا تھا اب میں اپنے دیوان خانہ کے اندر
 اس نکر میں مشغول بیٹھا ہوں کہ تو نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ انگریزوں کی فوج شہر میں
 داخل ہو گئی اور پورے شہر میں سے بھاگ گئے اب سپاہ انگریزی گھروں میں
 آ کر قتل و قلع کرے گی رقصا آپہنچی دیکھئے کیا ہوتا ہے مگر میں نے ابھی گھر میں اپنی
 والدہ سے یہ خبر بیان نہیں کی کہ گھر والے مضطرب ہوں گے بیٹھا ہوا اللہ اللہ کر رہا
 ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کا عرصہ گزر رہا ہے کہ یکایک توپ کی صدا میرے کان میں آئی۔
 اور اتنی قریب معلوم ہوئی گویا اس محل میں چل رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور
 آواز آئی۔ جب تو مجھے حیرت ہوئی کہ محلے میں توپ کہاں سے آگئی۔ پھر میں دو تین
 آدمیوں کو ہمراہ لے کر گھر سے باہر نکلا۔ محلے میں جوش و خروش تھا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آدمیوں کی
 آمد و رفت برابر ہے آنے جانے والوں سے پوچھا کہ بھئی کیا ہوا۔ انگریزی فوج کہاں گئی
 انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے ان کو مار کر بھگا دیا۔ اور شہر میں بڑا ہوا گیا۔ پھر میں
 وہاں سے پادری کے بازار میں جا پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ہزاروں آدمی۔ لاکھوں ٹونگا
 تلوار۔ گنداسا وغیرہ لئے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں۔ غرض کہ جامع مسجد کے

نیچے ہو کر گلیوں کے بازار میں پہنچا تو وہاں عجیب تماشا نظر آیا۔ لاشوں کا ایک ایسا انبار
 تھا جیسے لکڑیوں کی ڈال لگی ہوتی ہے اور یہ وہ موقع ہے جہاں ایک بار مجھے ایک مست
 درویش مجذب نے نشان دہی کی تھی کہ اس جگہ کشت و خون ہو گا اور چار مہینے پہلے
 زمانہ غدر سے ان نذر گوار نے پیشین گوئی کی تھی، اب سنیے میں وہاں سے آگے بڑھا
 تو چند قدم پر اور لاشیں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ بازار کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ ماجرا
 کیونکر ہوا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ایک بزن انگریزی فوج کا مسجد کی سیڑھیوں تک پہنچا
 تھا۔ اور کچھ لوگ فوج کے رعایا کے گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگے ادھر فوجیوں
 نے یہ چاہا کہ جامع مسجد میں داخل ہو جائیں مسجد میں جو مسلمان مسافر جمع تھے انہوں نے
 دیکھا کہ اب یہ خدا کے گھر میں آکر کشت و خون کرینگے۔ آؤ بہتر تو یہ ہے کہ مسجد سے نیچے
 اتر کر ان سے سمجھ لیں یہ کہہ کر وہ مسجد کے دروازہ سے باہر نکل کر سیڑھیوں پر سے
 اترنے لگے۔ فوج والوں نے ان پر بندوقیں سرکیں۔ مگر جو زندہ رہے وہ سب منہ
 چلے اور باہم جنگ مغلوبہ دست بدست ہونے لگی۔ ایک غل شور برپا اور بلوہ ہو گیا۔
 لوگ گھروں میں سے لکڑیاں۔ پٹنگ کی پٹیاں۔ تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے اس بزن
 میں سے کچھ مارے گئے جن کی لاشیں موجود ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر کو چلے
 گئے۔ میں یہ تماشا دیکھتا ہوا بڑے درے میں ہو کر خونی دروازہ سے نکل کر کوتوالی
 کے آگے پہنچا میں نے جامع مسجد سے لگا کر کوتوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں اور
 جس جائے سے کہ پہلے مجھ پر بندوقوں کی بار پڑی تھی۔ کئی لاشیں وہاں بھی
 نظر آئیں اور ایک ٹین کی پھیلی گراب کی کوتوالی کے حوض کے آگے پڑی دیکھی وہاں
 سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے درے کے پھاٹک پر پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا

کہ پیل کے پیر کے نیچے ایک توپ کھڑی ہوئی ہے اور کوئی گولہ اندازہ وغیرہ دیا نہیں
 اس وقت مجھ کو یقین ہوا کہ یہ توپ وہی ہے جس کی صدا تیرے کان میں پہنچی تھی جسب
 تحقیق واضح ہوا کہ کچھ آدمی اس توپ کو لاہوری دروازہ سے کھینچ کر لائے اور یہاں قائم
 کر کے انہوں نے انگریزی فوج پر گراں مارا اور اس سے افواج انگریزی کو جو کوتوالی کے
 آگے کھڑی تھی نقصان پہنچا۔ کچھ آدمی زخمی ہوئے اور کچھ ہلاک۔ جب دوبارہ گراں
 مارا ہے اور اس سے زیادہ نفوس تلف ہونے لگے تو ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور پھر
 والے کشمیری دروازہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ملاحظہ کر لی تو چھوٹے
 درپے میں ہو کر اپنے مکان کو چلا آیا۔ سنا جاتا ہے کہ پہلے وہ لوگوں نے کشمیری دروازہ
 اور کچہری میں جا کر پناہ لی۔ شام تک مردان بھوانی تمام شہر میں بلکہ حیدر علی خاں کی کوٹھی
 تک پہنچ گئے تھے۔ آگے افواج انگریزی نے توپیں لگا رکھی تھیں۔ یہ جن کے پاس توپ
 کیا بندوق تک نہیں آگے کیونکر جاسکتے تھے۔ غرض شہر میں شام تک یہ آتش فتنہ و فساد
 مشتعل رہی۔ شام بجلی بھگائی خلقت اپنے اپنے گھروں میں آکر پڑ رہی۔ ادھی رات
 کے وقت سپاہ انگریزی نے یکایک گشت و خون کرنا شروع کیا۔ اور سوتے آدمیوں کو
 گھروں میں گھس کر اور سیڑھیوں کے ذریعہ کوٹھوں پر چڑھ کر ہلاک کرنے لگے۔ صبح
 کے وقت کشمیری دروازہ کے قریب و بازار اور بدر دروازہ اور کابلی دروازہ وغیرہ کی
 خلقت اور سچوان کے پھاٹک کے لوگ بھاگ بھاگ کر شہر کے اُس جانب چلے آئے۔
 اور مفصل کیفیت داخلہ سپاہ انگریزی کی
 بادشاہ ہمایوں کے مقبرے میں | اس طور پر ہے کہ جس وقت اُس حوالدار
 نے بھولاہوری دروازہ پر کھڑا ہوا بتا رہا تھا کہ انگریزی فوج کشمیری دروازہ کی طرف

بڑھی ہے۔ تو دراصل اُس وقت فوج نے یورش کی تھی اور سیاہ برج کو خالی پا کر وہاں
 کوئی آدمی نہ تھا کہ اُس یورش کو روکنا یہ کھائی میں سے اتر کر سیاہ برج پر بیٹھ گئی
 کر چڑھ گئے۔ جب سیاہ برج پر چڑھ گئے ہیں تو جانبین کی ڈنڈی پر جو پوریوں کی
 فوج کھڑی تھی وہ وہاں سے کود کود کر بھاگ نکلی اور کابلی دروازہ سے لگا کے کٹیری
 دروازہ اور بنگہ پور گھاٹ تک سب میدان اور شہر پناہ کا ڈنڈا خالی ہو گیا۔ جتنے کہ
 لاہوری دروازہ تک کے ڈنڈے والے اور برج کے گولہ انداز ڈنڈی پر سے اتر کر
 فرار ہو گئے اور باہر شہر کے جس قدر کالوں کی فوج تھی سب باہر کی باہر ہو گئی اور باقی
 شہر کے ڈنڈے والے بھی بھاگ کر شہر کے باہر کی فوج میں جا ملے۔ اور انگریزی فوج
 شہر میں داخل ہو گئی۔ باہر والے باہر رہ گئے۔ اب شہر میں سوائے رحیت کے پورے نام
 کو نہ رہا۔ سب فوجی اجیری دروازہ شہر سے لگا کر دلی دروازہ کے باہر تک جا پڑے
 اور تمام میدان پہاڑ گنج سے لے کر بیل خانے والے دروازہ تک جا کر گھیر لیا اب
 شہر میں دن کو تو شہر کے آدمی پھرتے چلتے ہیں اور مارنے مرنے پر آمادہ ہیں اور شب
 کو سپاہ انگریزی نکل کر گھروں میں قتل کر جاتی ہے۔ اب شہر کی یہ کیفیت ہے کہ
 دوکانیں سب بند اور رسد آنی بند۔ دانہ پانی خلقت پر حرام لگے بھوکے پیاسے
 مرنے تین روز تک یہی کیفیت رہی۔ آخر تیسرے روز شام کے وقت بادشاہ قلعہ
 سے نکل کر ہالوں کے مقبرہ پر پہنچے اور رعیت بھی سراسیمہ حیران و پریشان ہو کر
 شب کے وقت سب گھر بار اثاثہ البیت جوں کا توں گھروں میں چھوڑ کر اپنے بال
 بچوں عورات وغیرہ کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر شہر سے نکلتی شروع ہو گئی۔ غرض کہ اُس وقت وہ
 قیامت عظیم برپا ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔

نکلنا شہر سے خلقت کا گھر سماں وہ جانا پردہ نشینوں کا باس گریاں
وہ چاک چاک گریاں لگا کے ناماں وہ دارو گیر سپاہ شریر بچا یاں

دراز دستِ تطاول ستم شعاروں کا !

فلک کو یاس سے تمنا بجا کے ماروں کا

نکلے شہر سے ہیں پر نکل نہیں سکتے : ہزار چال سے چلتے ہیں چل نہیں سکتے

کوڑا شکل کو بدلیں بدل نہیں سکتے قدم قدم پہ ہے لہزش سنہیل نہیں سکتے

کنہ موت نے کیا بند بند بکڑے ہیں

زمین شہر نے اک اک کے پاؤں پکڑے ہیں

غرض کہ اس وقت خلقت کا اضطراب اور خرابی پریشانی اور بے سرو سامانی اور

مستورات پر وہ نشین جنہوں نے عمر بھر کبھی ایک قدم باہر نہیں رکھا تھا ان کا گھبراہٹ

میں سرو پا برہنہ نکلتا اور بچوں کی دادیاد کا شور اور گھبراہٹ کا حال دیکھنے سے کلیجے

کے کڑے ہوئے جاتے تھے جس شخص کی نظر سے وہ معرکہ گزرا ہے کچھ وہی خوب

جانتا ہے ۔

یہ وہ الم ہے کہ اس غم سے سب لگ بھگ

ہلاک گور میں اسودگانِ خاک ہوئے کفن بھی ساتھ گریاں کے چاک چاک ہوئے

نہ روزِ حشر سے کم تھی عذاب کی صورت

خدا دکھائے نہ اس انقلاب کی صورت

غرض کہ جس شام کو بادشاہِ قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے

مقبرہ پہنچے جس چار گھنٹی رات گئے نواب حامد علی خاں

شہر خالی ہونے لگا

صاحب کا آدمی میرے والد کے پاس آیا اور اس نے آکر کہا کہ آپ گھر میں کیا بیٹھ کر
 بیٹھے ہیں بادشاہ تو قلعہ سے سوار ہو گئے اور رعیت سب بھل رہی ہے۔ خدا کے لئے
 چھوڑو گھر بار کو اور بال بچوں کو لے کر شہر سے نکلو۔ دیکھتے نہیں کہ شہر قتل ہو رہا ہے
 اور میں تو اب اہل و عیال کو ہمراہ لے کر شہر سے نکلتا ہوں۔ میرے گھر کی ساریوں کے
 ہنرہ مستورات کو سوار کر دو۔ نواب حامد علی خاں صاحب کا مکان کشمیری دروازہ کے
 متصل تھا۔ مگر وہ ایک مہینہ پیشتر ہمارے محل میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہے تھے
 غرض کہ اس گھر بھٹ اور اضطراب میں ہو لباس کہ جس شخص کے بدن پر تھا اسی طرح پہنے
 ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میری والدہ نے تو اس سراسیمگی میں گھر میں سے
 ایک چمکے تک نہ لیا۔ الا میری اہل خانہ نے یہ کام کر رکھا تھا کہ اپنے بھیڑ کے جوڑے جو
 قریب ڈیڑھ ہزار کی مالیت کے ہوں گے اور زیور کی چھوٹی سی پٹاری علاوہ اس کے
 سوار ہوتے وقت اپنے پاس رکھ لی اس کی صورت یہ کی تھی کہ ایک تو شک سی کر اس
 میں بھر دیئے۔ اور ایک گھاؤنگیہ سی لیا تھا۔ اس میں وہ لباس تھا وہ رکھ میں تو شک بچھا
 دیا اور نگیہ رکھ دو بار غرض کہ میں اور میرے والد اور میری والدہ اور میرے سب چھوٹے بہن
 بھائی اور نواب حامد علی خاں کی سب زنانی سواریاں سوار ہو کر مٹیا محل میرے مستمرال
 میں پہنچے اور وہاں جا کر میری دو یا خوشامن یعنی بڑی بیگم صاحبہ جاگیر دار موافقات صدیقہ
 رئیس پور سے جا کر نواب حامد علی خاں صاحب کی بیوی اور میری والدہ نے کہا کہ بیگم صاحبہ
 بیٹھی کیا ہو جلدی سوار ہوا اور اپنے بال بچوں کو لے کر نکلو۔ یہ وقت گھر میں بیٹھنے کا نہیں
 ہے۔ ہم تم کو سوار کرانے کو آئے ہیں۔ غرض کہ وہ بھی راضی ہو گئیں اور باہر میں نے خسر
 نواب امیر مرزا خاں صاحب کی منتیں کیں کہ خدا کے واسطے آپ ہمارے ساتھ نکل جائے

بہر حال اسی وقت سوار یوں کا بندوبست کر کے قریب ایک بجے رات کے میری خوشدرا
 اور سب بال بچے سوار ہو کر ٹیلا محل کے پھاٹک پر پہنچے میرے خسر کی گود میں میرا چھوٹا
 سالہ کا ظم مرزا تھا میں اور وہ ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے باتیں کرتے ٹیلا محل کے دروازہ
 میں پہنچے کہ ایک بلائے ناگہانی کا سامنا ہوا۔ ٹیلا محل کے عین دروازہ کے پہلو کی چوکی
 پر کونامی ایک دیوانی مجذوبہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بد بخت نے جو میرے خسر کی شکل دیکھی
 تو یکایک گھبرا کر بہ آواز بلند پکار اٹھی کہ میں میاں امیر میرزا تم کہاں جاتے ہو۔ تمہارے
 واسطے تو خدا کا حکم نہیں ہے تم کیا بھول گئے۔ وہاں اس کے منہ سے تو یہ بات نکلی
 تھی۔ اور یہاں امیر مرزا صاحب کے قدم زمین نے پکڑ لئے۔ اور کلوسے کہا کہ بلا شک
 مجھ سے سہو ہوا۔ اسی وقت گاڑی بان کو حکم ہوا کہ سواریاں گھر کو واپس لے چل۔ ہر چند
 میں نے قدموں پر سر رکھا اور سب ہمراہیوں نے منتیں کیں مگر ایک کی ڈنسی سب نے
 سمجھایا کہ خدا کے لئے اس بچا پس آدمی کے کہنے پر رحم کرو اور ساتھ چلے چلو وہ یہی فرمانے
 لگے کہ حکم خدا نہیں ہے۔ اس وقت اور ایک غضب یہ ہوا کہ میاں ناصر الدین صاحب ان
 کے چھوٹے خالہ زاد بھائی پہنچے انہوں نے جاکر کہا کہ بھائی صاحب اُلٹے چلیے چلو میرے
 گھر میں وہ جو تین یورپین عورتیں چھپی ہوئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ وہ کیوں جاتے ہیں۔ ان کو
 کیا خوف و خطر ہے۔ ہم انگریزوں سے کہہ سنکر تمہارے گھر کو بچالیں گے۔ یہ اور ان
 کو تقویت ہو گئی اور مجھ سے کہا کہ بیٹا تم جاؤ میرا قدم آگے نہیں اٹھتا۔ غرض کہ مجبور
 میں تو اپنے یہاں کی سوار یوں کو لے کر روانہ ہوا اور وہ معہ اہل و عیال گھر کو واپس چلے
 گئے۔ میں نے اپنی ماں بہنوں اور نواب حامد علی خاں صاحب کے قبائل کو دہلی دروازہ
 اپنی حقیقی نانی کے مکان پر پہنچایا۔ اس وقت رات کے دو بج چکے تھے وہاں اور کنبہ

والے بھی جمع تھے حکیم مومن علی خاں صاحب کی حویلی میں دو سونڈن و مرد فرام تھے ۔
 غرض کہ صبح ہوئی اور شہر سے نکلنے کی تیاری ہوئی تو میری بی بی میرے ہمراہ نہ آئی تھی وہ
 اپنے ماں باپ کے ہمراہ واپس چلی گئیں تھیں میں نے اپنے چھوٹے بھائی امراؤ مرزا کو بھیجا
 اور کہا بھئیہ کہ اگر آپ کو میرے ساتھ کرنا ہے تو میرے ساتھ کرو مجھے جو میرا حال ہو وہ
 میری بیوی کا حال اور اگر اپنے ہمراہ رکھنا ہے تو فی امان اللہ مجھ سے اب عمر بھر کی مفارقت
 سمجھئے یہ بات میرے بھائی نے جا کر میرے خسر سے بیان کی انہوں نے سنتے ہی گھر
 میں حکم دیا کہ یہ اب اس کی ناموس ہے اسے اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے ہمارا
 کچھ واسطہ نہیں ہر خد مستورات منع کرتی رہیں مگر میل بھائی میری بیوی کو ڈوبلی میں
 سوار کر کر لے آیا۔ اور اب وہاں سے سب کے سب سوار اور پیدل مستورات اور بچے
 نکل کر دلی دروازہ کے باہر ہوئے تو اس وقت دلی دروازہ کا میدان صحرائے قیامت
 نظر آتا تھا ہزار ہا پردہ نشین عورتیں اور ننھے ننھے بچے اور بوڑھے اور جوان مرد ہوش
 و حواس باختہ شہر سے نکلے چلے آتے تھے کسی کو ہوش پردے کا نہ تھا۔ بہت سی
 نیک نیتیں مقنع و چاند جو کپڑا سر پر تھا وہ اوڑھے ہوئے برہنہ پا چلی جاتی تھیں ۔
 گلوں سے جسموں پہ اک مُردنی سی چھائی تھی وہ مسے چہرہ پہ گویا چھٹی ہوئی تھی
 غضب وہ پردہ نشینوں کی بیروانی تھی غرض کہ آنے سے پہلے قیامت آئی تھی

بیان کیجے نصیبوں کی کیسا بُرائی کا

وہ دشتِ اودھ پھرنا برہنہ پائی کا

غرض کہ ہزار مصیبت و مشقت اُفتاں و خیزاں ہمارا دو سو تین سو آدمیوں کا قافلہ

برف خانے میں پہنچا۔ نواب حامد علی خاں صاحب نے تمام برف خانہ کو مالکان مکان

سے کرایہ پر لے رکھا تھا۔ شب کو بے آب و دانہ سب نے بسر کی۔ صبح کو فکر ہوا کہ آب و دانہ کی فکر کیجئے میں نے اپنی بی بی سے پوچھا کہ کچھ زیور وغیرہ تم اپنے ساتھ لے کر نکلی ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ سوائے خدا کے نام کے کچھ پاس نہیں جو کچھ پارچے و زیور گھر سے ہمراہ لے کر اپنی دادی کے گھر میں لے کر آئی تھی اُسے دیکھ کر میری دادی صاحبہ نے فرمایا تھا اری الحق بیوقوف لڑکی یہ کیا غضب کرتی ہے یہ مال اسباب جان کا دشمن ہے۔ شہر کے باہر نکلی اور لیٹرے لٹ لیں گے۔ تیرا خاندانا جائے گا۔ پھینک اس کو جان کا صدقہ مال یہ کہہ کر انہوں نے میرے سامان کو لے کر ایک مکان محفوظ میں جہاں پانچ چار لاکھ روپیہ اور سامان و زیور وغیرہ اپنے گھر کا اور کئی امیروں کا رکھا ہوا تھا رکھا دیا۔ اور فی الحقیقت وہ جائے ایسی تھی۔ جہاں بغیر رازدار کے کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جب یہ بات میں نے سنی تو مجھے نہایت یاس اور فکر ہوا۔ اب کیا کیجئے۔ سوچتے سوچتے ایک بات خیال میں آئی اور میں نے گھر والوں سے کہا کہ تم جلدی کرو میں بندوبست کر کے لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں رات خانہ سے نکل کر روانہ ہوا اور چھپا ہوا جمیری دروازہ سے شہر میں داخل ہو کر اپنے مکان پر پہنچا اور چھپر کھٹ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے پتر نوچنے شروع کئے۔ پائے اس کے بہت چوڑے تھے اس کے کپڑا تو مارے اوپر پاؤں کے سر لوج سے اور نیچے سے پاؤں کے دامن لوج لئے۔ مگر بیچ کے لٹو باقی رہ گئے۔ وہ گھبراہٹ میں اکھڑ نہ سکے۔ غلیٰ ہذا القیاس اس کی چاروں چوبیس جن کی چاندی میں لاکھ پوستہ تھی نہ اکھڑ سکیں۔ من کل الوجوہ ڈیڑھ پونے دو سیر چاندی کے قریب نوچ کر چادرے میں باندھی پھر کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ تو ایک گٹھڑی جس میں پانچ چار دوشالے اور دو شالی رومال اور دو اگر کھے بانات کے کنارہ دار تھے مجھے نظر پڑی

وہ گھٹری بغل میں ماری اور وہ چاندی کمر سے باندھ کر گھر سے نکلا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ
میرے ایک عزیز نابینا اور ان کی زوجہ اور ایک عورت ڈیڑھ سی میں گھٹری تھیں۔ میں
نے کہا آپ کہاں۔ بوسے میں تو تہاری پناہ لینے آیا ہوں۔ تم کہاں چلے۔ میں نے حال
بیان کیا اور کہا کہ آپ بھی چلئے۔ انہوں نے عذر کیا کہ میں نابینا ہوں کہاں جاؤں گا۔ مجھے
تو یہیں رہنے دو۔ غرض کہ میں نے ان کو سب سامان کھانے پینے کا بتا دیا کہ آپ کو دو
تین ماہ کے لئے کافی ہے اور وہ گھٹری لے کر گھر سے نکلا۔ جب محلہ کے تڑا ہے پر پہنچا
تو اس وقت ایک تو گھٹری کا بوجھ معلوم ہوا۔ دوسرے خیال آیا یہ گھٹری تجھ کو بر فخانے
تک لے کر کون پہنچنے دے گا۔ راستہ میں یہ بھی ٹٹ جائے گی اور اس کے ساتھ چاندی
بھی۔ کیونکہ ان دونوں گوبر لٹیروں اور گنوار میواتیوں کا یہ زور شور تھا کہ شہر کے باہر قدم رکھا
اور لٹیروں نے مار لٹھا اور گنڈاسوں کے گرا دیا۔ اور جو کچھ پاس ہوا وہ چھین لیا حتیٰ کہ
یدن کے کپڑے تک وہ مادہ بچھڑا نہ چھوڑتے تھے۔ جی میں آئی کہ اسے واپس گھر میں بھینکیا
چل کہ سامنے سے ایک دوست جو ہری کلومل کہ اسی جگہ کے باشندے تھے دکھائی دیئے
میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ تم اپنے گھر لے جاؤ۔ اگر لوٹ مار سے بچ جائیں گے
تو میں لے لوں گا ورنہ جوتی کے صدقے سے۔ انہوں نے بہت عذر کیا کہ میں نہیں لیتا
مگر میں ان کے ساتھ قدم بڑھائے ہوئے اجمیری دروازہ پر پہنچا۔ اس وقت تک
خلقت شہر کی نکل رہی تھی اور تمام پہاڑ گنج اور جے سنگھ پورہ وغیرہ میں دلی دروازہ
تک جنگل آدمیوں سے پھاڑا ہوا تھا۔ غرض کہ میں بخوبی تمام برف خانہ میں پہنچا اور وہ
چاندی اپنے مکان میں لے جا کر دی۔ اور میں تولہ چاندی لے کر پہاڑ گنج کے ایک بے
کی دوکان پر پہنچا اور اس سے کہا کہ اس کا مجھے سامان تول دے اس نے کہا کہ میں

بارہ آنے دوں گا۔ غرض کہ بارہ آنے کو دے کر چار آنے کے پیسے نقد لایا اور باقی کھچری
لا کر کپنے کو دی اور مٹی کے برتن لایا اور پانی میرا بھائی کنوئیں پر سے بھر لایا کہ وہ کھچری
پکی اور سب نے کھائی۔ اُس روز تک دروازے شہر کے کھلے تھے۔ اُس کے دوسرے
روز شہر کے سب دروازے بند ہو گئے۔ جو لوگ شہر سے نکلے تھے وہ باہر رہ گئے اور
اندر والے اندر اور اٹکاؤ کا بندوبست کی آواز آنے لگی۔ اب مجھ کو فکر دامنگیر ہوا کہ میرے
خسر اور اُن کے تمام مال بچے اور میری بہن اور بہنوئی اور عزیز واقارب سب شہر کے
اندر رہ گئے ہیں نہیں معلوم اُن پر کیا مصیبت گزری ہوگی۔ خیر وہ دن رات تو گزری
اب دوسرے روز کی حقیقت سُنئے کہ وہ جو فوج باغیہ

باغی فوج بھی چلی گئی

بیرون شہر افتادہ تھی انہوں نے نو بجے دن کے پہلے
تو اپنا میگزین اڑایا اور عین سورج گہن میں اپنا ڈنڈا ڈیرا اٹھا کر وہاں سے کوچ کیا۔
اور اشارہ میں افسران فوج مل کر بادشاہ کے پاس گئے کہ حضور ہمارے ساتھ تشریف
لے چلیے۔ یہاں لڑائی بگڑ گئی ہے۔ دوسری جائے چل کر قبضہ کر کے لڑیں گے بادشاہ
نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں چلتا۔ تم کو میرا گھر برباد کرنا تھا اور میری رعیت
کو تباہ کرنا تھا۔ کر چلے جو کچھ میری تقدیر میں لکھا تھا وہ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے
اور ہوگا۔ جاؤ جہاں تمہارا سینگ سمائے۔ ہر حید انہوں نے کہا مگر بادشاہ نے اُن کا
ساتھ نہ دیا۔ اور وہ کوچ کر گئے۔

ایک دن بعد وہی دروازہ کھلا اور سائڈ میں

صاحب نے بیان کیا کہ حضور کے قبیل

بادشاہ کو حراست میں لے لیا گیا

سے افواج باغیہ ننگ حرام کو شہر میں سے خارج کر دیا گیا اور وہ ننگ حرام اپنی سزا

اعمال کو پہنچے۔ اب شہر خالی پڑا ہے۔ حضور تشریف لے چلیں کہ رعیت آباد ہو۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میں اب شہر میں چل کر کیا کروں گا۔ شہر سے مجھے کیا مطلب، اپنے دادا کے مزار پر آ پڑا ہوں۔ یہیں بیٹھا رہنے دو۔ جو سلوک تم کو میرے ساتھ کرنا ہے وہ یہیں پورا کر دو۔ وہاں لے جا کر کیوں میری مٹی ذلیل کرتے ہو میں تمہارے ارادہ سے آگاہ ہوں۔ مولوی رجب علی خاں بولے آپ ایسا ہرگز خیال نہ فرماویں تشریف لے چلیں

۱۔ ارسطو جاہ حکیم مولوی سید رجب علی خاں بہادر جگراؤں (ضلع لودھیانہ) کے سات سے تھے گورنر جنرل کے میزبانی تھے پنشن پا کر جگراؤں میں خانہ نشین ہو گئے۔ وہاں ان کی جائداد تھی۔ اور ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں بہت سی قلمی کتابیں تھیں۔ خود بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ فن طبابت میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ان کے بیٹے حکیم مولوی سید مقرب علی بھی بہت بڑے طبیب تھے۔ لودھیانہ میں ان کی ایک بیٹی تھی جس کے شوہر سید سجاد حسین کچہری میں ملازم تھے اور ہمارے ہی محلے میں رہتے تھے۔ سید مقرب علی ان کے یہاں اکثر آیا کرتے تھے۔ میرے نانا مرحوم نے مولوی سید رجب علی سے عربی پڑھی تھی۔ غدر کے اکثر واقعات ان کی زبانی روایت کیا کرتے تھے۔ ان واقعات کی جو میرے نانا مرحوم مولوی سید رجب علی کی زبانی روایت کرتے تھے زیر نظر کتاب سے تصدیق ہوتی ہے۔ مقبرہ ہمایوں کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کو مولوی رجب علی اور ان کے خاندان سے عقیدت کم ہو گئی تھی۔ تاہم مولوی رجب علی نے تلافیِ مافات کے طور پر دہلی کے ستم رسیدہ لوگوں کی حتی الامکان امداد کی۔ جیسا کہ اسی کتاب سے ثابت ہے کہ وہ مصنف کتاب بھانجا امراؤ مرزا انور کو جگراؤں لیگئے اور ان سے اپنے کتب خانے میں کتابت کرانے لگے مولوی محمد حسین آزاد مرحوم نے بھی پہلے پہل جگراؤں میں انہیں کے یہاں پناہ لی تھی۔ مولوی رجب علی کے خاندان میں علمی و ادبی ذوق ہمیشہ رہا۔ مجھے بھی ان کے خاندان کے اکثر افراد سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ (تظہیر)

اور بیگم صاحبہ نواب زینت محل بھی تشریف لے چلیں۔ غرض اس وقت انکار پیش کیا چل سکتا تھا۔ ناچار تن بقدر بادشاہ نے فرمایا بسم اللہ اور ہوا داریں سوار ہو کر سہرا ہوئے زینت محل بھی پاکی میں سوار ہو گئیں۔ شاید چھوٹے صاحبزادے جواں بخت اور شاہ بھی سہرا تھے۔ اس کی تحقیق نہیں ہوئی۔ غرض کہ جب دلی دروازہ کے باہر پہنچے ہیں تو سائڈرس صاحب نے ہوا دار کو ٹھہرایا۔ اور وہ جوا جتماع ساتھ تھا ان کو روکا اور کہا۔ بابا لوگ ابھی تم لوگوں کا شہر میں داخل ہونا مناسب نہیں فوج سرکاری تمام شہر میں پھیلی ہوئی ہے۔ مبادا دنگہ فساد ہو ابھی تم لوگ یہیں قیام کرو۔ ہم شہر کا انتظام کر لیں گے پھر بلوایا جائے گا۔ اور چوراسی آدمی ضعیف العمر چھپانٹ کر بادشاہ کی خدمت کے لئے مقرر کئے۔ اندر شہر میں لے جا کر لال کنوئیں پر زینت محل والے مکان میں رکھا باقی جو اور آدمی تھے ان سے کہا کہ ہتھیار ڈال دو۔ ورنہ باغی تصور کئے جاؤ گے۔ اس پر سب نے ہتھیار ڈال دیئے پھر سنا دی پھر دی گئی۔ کہ جس کے پاس ہتھیار ہوگا سرکار کا مجرم اور باغی سمجھا جائے گا۔ تمام رعیت نے ہتھیار ڈال دیئے اور دراصل رعایائے دہلی کو بمقابل حکام انگریزی ہتھیار اٹھانے سے فائدہ ہی کیا تھا اور جرات کس کو تھی۔ رعیت تو خدا سے دعائیں مانگتی تھی کہ یہ ظالم نمک حرام کہیں جلدی سے غارت ہوں کہ ہم لوگ ان ظالموں کے نیچے سے نجات پائیں۔ اگر افواج سرکار انگریزی جب سے شہر میں چھپ چھپائے داخل ہوئے تھے یہ دست درازی اور قتل و غارت پر کمر نہ باندھتے اور حکام شہر میں داخل ہو کر رعیت کی اشک شونی کرتے اور سب کو تسکین اور دلاسا دیتے تو بلوہ ہی کیوں ہوتا۔ رعیت تو اپنے گھروں میں دروازے بند کئے ہوئے کان دبائے بیٹھی تھی۔ بازار میں چڑیا تک نہ تھی۔ مگر جب افواج سرکاری خانم کے بازار اور گلیوں

اور پائے والوں میں پہنچی ہے۔ جو سامنے آیا مارنا شروع کیا ہے اور دو چار رعیت کے گھروں میں درانہ داخل ہوئے تو رعیت نے خیالی ننگ و ناموس کہ عزت کا صدقہ جان سمجھ کر بلوہ کیا ورنہ ہرگز بلوہ نہ ہوتا۔ مردان رعایا خود افواج سرکاری کے ہمراہ ہو کر فرقہ باغیہ کے دفعیہ میں کوشش کرتے۔

المختصر جب بادشاہ کو شہر میں لے گئے ہیں اور رعیت سے ہتھیار طلب کر لئے ہیں اس کے

نیموری شاہزادوں کا قتل

دوسرے روز ساڈس صاحب جمعیت سواران ہمراہ لے کر نظام الدین میں پہنچے اور میرزا الہی بخش شاہزادے کی نشان دہی سے تیس شاہزادگان دہلی کو کہ ان میں بادشاہ کے بیٹے پوتے۔ نواسے اور داماد تھے گرفتار کر کے لائے اور بیردن دروازہ دہلی ان کو قتل کر کے ان کے سر کٹا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیئے۔

۱۸۵۷ء میں بادشاہ پر مقدمہ چلانے کی تیاری شروع ہوئی۔ میجر بیرٹ نے الزامات کی فہرست تیار کی۔ اور سر جان لارنس لفٹننٹ گورنر پنجاب نے (دہلی ۱۹۱۱ء تک صوبہ پنجاب میں شامل تھی) بادشاہ کا مقدمہ کیشن کے رد و برویش کرنے کے احکام صادر کئے۔ جن کی تصدیق حکومت ہند نے بھی کر دی کیشن کے چار ارکان تھے۔ میجر پاور۔ میجر ہینڈ۔ میجر سائرز اور کیشن راتھنی مقدمہ کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے لئے تو علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف اس قدر بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ پر چار الزام لگائے گئے تھے۔ جو یہ ہیں :-

(۱) ہندوستان میں انگریزی حکومت کا پٹن غوار ہونے کے باوجود اس نے ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر

۱۸۵۷ء کے درمیان مختلف اوقات میں محمد نجت خاں صوبیدار توپ خانہ (زیر نظر کتاب میں

اسے جرنیل نجت خاں لکھا ہے) اور دوسرے افسروں اور سپاہیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی

نہاں گلشن اقبال پائمال ہوئے گل ریاضِ خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا کمال ہوئے اور کیا زوال ہوئے کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے

جو عطرِ گل کو نہ ملتے ملے وہ مٹی میں !

جو فرشِ گل پہ نہ چلتے ملے وہ مٹی میں

کہاں وہ خسروِ عالی نظر بہادر شاہ کہاں وہ سرورِ نیکو سیر بہادر شاہ
کہاں وہ بادشاہِ وادگر بہادر شاہ کہاں وہ داورِ دلاکبر بہادر شاہ

کہاں سے باغی میدان آگئے تھے

کہ نام اُن کا جہاں سے مٹا گئے تھے

رقیبہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳) فوج میں غدر مچانے پر اکسایا اور حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے اُن کی امداد اور حوصلہ افزائی کی۔

(۲) اپنے بیٹے مرزا مغل اور دہلی و سرحد کے باشندوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا۔

(۳) حکومتِ انگلشیہ کی رعایا ہونے کے باوجود اعلان کیا کہ میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں اور دہلی شہر پر ناجائز طور پر قبضہ کر لیا اور اپنے بیٹے مرزا مغل بیگ اور صوبیدار توپ خانے سے انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی۔

(۴) قلعہ دہلی کی حدود میں ۴۹ یورپی عورتوں اور بچوں کو قتل کر لیا۔ مقامی راجاؤں اور مہاراجوں کو بھی ہدایات بھیجیں کہ یورپی اور مسیحی لوگوں کو قتل کیا جائے۔ یہ کارِ خیر ہے۔

استغاثہ نے ان الزامات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زبانی اور دست آویزی ثبوت پیش کئے۔ جن کی تفصیل بخودِ طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔ بادشاہ نے اپنی صفائی میں چار گواہ غلام عباس حاکم احسن اللہ کیپٹن فورسٹ نائب محمد توپ خانہ اور کیپٹن ڈوگلز کے ایک اردلی مسکین

نہ دیندار تھا کوئی نہ دینداری تھی ستم پرستی و جور و جفا ستاری تھی
 نہ پاسداری ملت نہ مستعاری تھی پراس کے پیڑ میں فکر حرامکاری تھی
 غرض کہ دین کو سمجھے تھے وہ ستمکاری
 نمک حرامی و محسن کشی تھی دینداری

(بقیہ ماشیہ صفحہ ۱۶۵) کو پیش کرایا۔ ان چاروں اصحاب کی شہادتوں کے لب و لہجہ سے بخوبی ظاہر ہے
 کہ ان پر خوف و ہراس طاری تھا۔ انہوں نے جرح میں سے بہت سوالات کے جواب میں کہا کہ ہم نے
 ایسا کیا لیکن خود نہیں دیکھا۔ استغاثہ کی طرف سے جاٹ مل دفاع نگر لفٹنٹ گورنر بنجاور سنگھ
 کشن سنگھ چونی لال۔ گلاب حسن عسکری۔ بادشاہ کا سابق معتمد کند لال وغیرہ بطور گواہ پیش ہوئے جنہوں
 نے بادشاہ کی مخالفت اور استغاثہ کی تائید میں بیانات دیئے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں بادشاہ نے تحریری
 بیان دیا جس میں بادشاہ نے اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے ہوئے کم و بیش وہی واقعات بیان کئے
 جو اس کتاب میں مصنف نے درج کئے ہیں لیکن عدالت نے بادشاہ کو مجرم قرار دیتے ہوئے سزائے
 موت کا مستحق ٹھہرایا۔ سر جان لارنس لفٹنٹ گورنر نے عدالت کے فیصلہ پر ایک طویل رپورٹ لکھ کر فیصلہ
 اس سفارش کے ساتھ حکومت ہند کو بھیجا کہ بادشاہ کو جلاوطن کر دیا جائے۔ اور ملکہ زینت محل اور مرزا
 جواں بخت کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ جاہل تو بادشاہ کے ساتھ چلے جائیں یا بنگال میں نظر بند رہیں۔
 حکومت ہند نے یہ سفارش منظور کر لی اور بہادر شاہ ظفر کو کلکتہ بھیج دیا۔ جہاں اُسے بنایا گیا کہ اُس کا
 آخری ٹھکانا رنگون ہے۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو شاہ ظفر ملکہ زینت محل اور مرزا جواں بخت دہلی سے روانہ
 ہوئے تھے۔ نومبر میں رنگون پہنچ گئے۔ ظفر نے ۱۸۶۲ء میں ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(تظہیر)

برائے نام ستمگار دیندار بنے جو دیندار بنے تو ستم شعار بنے
ستم شعار بنے جب تو ذی وقار بنے جو ذی وقار بنے تو حرام کار بنے

کیا وہ ظلم کہ سر پر جہاں اٹھا مارا
خدا پرست نہ تھا ایک بھی خدا مارا

پُر امن شہریوں کا قتل عام | بیرون شہر کا تو یہ حال تھا اب اندرون شہر کی حقیقت
سنیے کہ ان غریبوں پر کیا مصیبت گزری جو بخیال

سرپرستی سرکار انگریزی یہ سمجھتے تھے کہ ہم تو رعیت سرکار ہیں انہیں تو کسی کے نیک و بد سے
کچھ کام نہ تھا اور شبانہ روز مکھرم فوج کے نکلنے کی دعا مانگتے اور سرکار انگریزی کے دل سے
ہوا خواہ تھے ہم سے سرکار کیا مزاحمت کرے گی۔ شہر میں بیٹھے رہو کوئی دو چار دن کا شور و
شغب ہے بعد امن و امان ہو جائے گا۔ یہ خبر ہی نہ تھی کہ آتش غضب سلطانی انتہا میں
ہے اور مکر تواج سلطنت قہرمانی ظلماتم خیز ایسی حالت میں رحم و درجہم کا کیا کام ہے۔ اور جوش
غضب میں عدل و انصاف اور خوف خدا بالائے طاق رکھنا ہے۔

پہلے بیدار نشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ رہ را

نئے بپنی کہ گاؤں در غلف زار بیالایم سہ گاواں وہ را

حالت غیظ و غضب میں گناہگار و ناکارہ گناہ سب برابر ہوتے ہیں اس وقت کون پران
حال ہوتا ہے کہ مجرم یا غیر مجرم آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جایا کرتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ
شہر میں رہ گئے تھے ان پر وہی کیفیت گزری۔ کرگیا ڈاڑھی والا اور پکا گیا موچپوں والا۔
سپاہ انگریزی مظفر و منصور جو لوگوں کے گھروں میں لوٹ کے واسطے داخل ہوئی جو گھر خالی
پایا اسے دھڑی دھڑی لوٹنا شروع کیا۔ اور جہاں آدمی دیکھے بے غل و خش قتل کرنا شروع

کیا۔ مجھے اپنے عزیز و اقارب کا خیال تھا خصوصاً سسرال کا کہ ناگہاں صبح کے وقت دیکھتا
 کیا ہوں کہ میرے خسر کا خدمتگار گامی چلا آتا ہے میں نے صورت دیکھتے ہی پوچھا گامی
 خیر ہے اس نے دبی زبان سے کہا جی ہاں خیریت ہے، میرا تھا ٹھنکا خدا خیر کرے
 میں نے پوچھا کہ کہاں ہیں۔ کہا شاہ مردان میں نواب نجف خاں کے مقبرہ میں کل سے
 آئے ہوئے ہیں تم کو ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں آپ کو بلایا ہے۔ چلیے میں نے گھر میں
 جا کر بی بی سے کہا کہ تمہارے گھر والے شاہ مردان میں آگئے ہیں مجھے بلایا ہے میں جا کر
 خبر لاتا ہوں۔ غرض کہ میں ہمراہ گامی کے روانہ ہوا۔ جب شاہ مردان میں پہنچا ہوں اور نجف خاں
 کے مقبرہ میں داخل ہوا ہوں اور مستورات نے مجھے دیکھا ہے تو ایک کھرم مچ گیا۔ دوسو
 عورتیں برابر سر پٹ رہی ہیں اور شور مالا و فریاد آسمان تک جاتا ہے یہ کیا غضب ہے
 اب مردوں میں خیال کرتا ہوں تو اور سب لڑکے بالے ہیں مگر میاں امیر میرزا اور ناصر الدین
 نہیں۔ غرض کہ وہ غل و شور جب فرو ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے بڑی بیگم صاحبہ
 نے بیان کیا کہ جس دن تم ہم سے جدا ہوئے اس کے ایک دن بعد سنا گیا کہ جو نیل صاحب
 کا ڈیرا جامع مسجد میں ہو گیا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پانچ چار گورے گھر میں گھس گئے
 اور آکر کہا ہم کو روپے دو عورتیں تو کوٹھریوں میں چھپ گئیں اور مردوں نے کچھ دیکر
 ٹال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اور آئے ان کو بھی کچھ دیا۔ غرض کہ اب تار بندھ گیا ایک آتا ہے
 ایک جاتا ہے میاں ناصر الدین نے کہا کہ میں جاتا ہوں۔ جو نیل صاحب کے پاس اور
 بندوبست کرتا ہوں۔ وہ دو خدمتگاروں کو لے کر جامع مسجد میں پہنچے۔ وہاں جانے کیا
 گفتگو ہوئی کہ ایک خدمتگار آیا اور ان عورت عیسائیہ کو جن کو انہوں نے ہنگام غدر
 اپنے گھر میں چھپا کر رکھا تھا لے گیا اور وہ عورت سے کہہ گئیں کہ ہم ابھی آتے ہیں۔

اور میاں ناصر الدین کو اپنے ساتھ لاتے ہیں اور سارے ٹھیکٹ لاتے ہیں۔ غرض کہ وہ عورتیں بھی جامع مسجد میں پہنچیں اور خدمتگار باہر مسجد کے دروازہ پر کھڑے رہے مگر پھر نہ وہ عورتیں اور نہ میاں ناصر الدین آئے۔ اپنے خدمتگاروں نے شام کو واپس آکر حال بیان کیا۔ رات بھر سب کو تشویش رہی اور اس اثنا میں تمام محلہ کی عورت مرد ہمارے مکان میں آکر جمع ہو گئے۔ باہر باغ میں مردانہ دونوں حویلیوں میں عورتیں۔ دو سو آدمی زن و مرد یکجا تھے نفی آغا جان اور ان کی تین اور عورتیں سب یہیں تھیں۔ صبح کے وقت نفی آغا جان اور ان کا بیٹا اور یہ سب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میاں امیر مرزا نماز پڑھ کے اپنے شغل اشغال میں حسب معمول مشغول تھے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ضربیں لگا رہے تھے کہ ناگہاں دو گھرے باغ میں آئے اور سامنے سے کہا ہم کو روپیہ دو۔ میاں امیر میرزا نے کہا کہ ہمارے پاس روپے کہاں ہیں۔ کہ ان میں سے ایک نے بندوق ماری کہ نفی آغا جان کے بیٹے کے سینہ پر لگی کہ اس نے باپ کو پکارا۔ میاں امیر مرزا نے کہا بیٹا خدا کا نام لے اس وقت باپ کو یاد نہیں کرتے انہوں نے لا الہ الا اللہ کہا تھا کہ دوسرے نے گولی ماری کہ وہ ان کے سینے پر لگی انہوں نے محمد رسول اللہ کہا اور چیت لیٹ گئے اور تسبیح کا اٹھان کے سینے پر رہا۔ اور ان جھاکاروں نے پھر بندوقیں بھریں اور دو خدمتگاروں کو مار کر اپنا رستہ لیا۔ مٹیا محل میں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ اس غل شور کی آواز جامع مسجد میں پہنچی۔ وہاں سے دو انگریز واولا سٹنر آئے پوچھنے لگے کہ یہ کیا غل شور ہے۔ عورتوں نے بیان کیا دیکھ لو تمہاری فوج نے یہ ظلم کر رکھا ہے۔ ہمارے دارتوں کو بے خطا و قصور مار ڈالا۔ دیکھو۔ دیکھو یہ لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ بولے ہم کو روپیہ دو۔ ہم تم کو شہر سے باہر کر دیں گے سب نے کہا۔

بہت اچھا رہم دیں گے مگر اتنا صبر کرو ہم ان لاشوں کو زمین میں دفن کر دیں۔ چنانچہ
جلدی جلدی سب نے ملکر گڑھے کھودے اور شہیدوں کو اسی پہنے ہوئے لباس میں
سپردہ خاک کیا۔ اور انگریزوں کے ساتھ ہوئے۔ وہ ہم کو لئے ہوئے ترکمان دروازے
آئے اور جس جس کے پاس جو تھا ان کے حوالہ کیا اور انہوں نے دروازہ کھلوا کر ہم کو
باہر کر دیا۔ غرض کہ یہ حقیقت سن کر میں برف خانہ میں آیا مگر خاموش اب اگر ان کا ذکر کرتا
ہوں تو یہاں کہہ رام مچتا ہے اب میرے گھر میں بعد میں کہ تم کہو سہی چپ چپ کیوں
ہو۔ آخر میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ میری بی بی سمجھ گئی کہ کچھ حادثات ہوئی
ہے مجھے قسم دلا کر پوچھا میں نے اتنا کہا کہ جس بات کا اندیشہ تھا آخر وہی ہوا وہ سمجھ
گئی کہ میرا پشہید ہوا پھر تمام عورتوں میں رونا دھونا مچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے
تمام کیفیت بیان کر دی۔

جہاں کی تشنہ خوں تیغِ آبدار ہوئی سانِ نیزہ ہر اک سینہ سے دچا رہوئی
رسن ہر اک بشر کے گلے کا ہار ہوئی ہر اک سمت سے فریاد گیر ہوئی

ہر اک دشتِ قضا میں کشاں کشاں پہنچا

جہاں کی خاک تھی جس جسکی وہ وٹاں پہنچا

ہر اک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا ہر اک قبیلہ و سرخان قتل ہوا

ہر اک اہلِ زباں خوش بیان قتل ہوا غرض خلاصہ یہ ہے ایک جہان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں

نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

غرض کہ جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے ان میں کئی اشخاص باکمال نام آور فروروز کا

مارے گئے ہیں۔ جو دہلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے۔ جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں
ہوا۔ اور نہ ہوگا میاں محمد امیر پنجم کاش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔ مولوی
امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور چیلوں کے کوچے کے
اور بہت سے شریف خاندانی لوگ۔ سنا گیا ہے کہ اس محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار
کر کے راجکھاٹ کے دروازہ سے دریا پر لے جا کر بندو قوں کی باڑیوں میں مار دی گئیں اور
لاشیں دریا میں بھنکوا دی گئیں۔ عورت کا یہ حال ہوا کہ گھروں میں سے نکل کر بچوں
سمیت کنوؤں میں جا گئیں۔ چیلوں کے کوچہ کے تمام کنوئیں لاشوں سے پٹ گئے تھے
آگے پہر قلم نہیں چل سکتا۔ نہ مجھے اس کی تحریر کی تاب ہے جو کچھ سنا گیا ہے۔ واللہ
اعلم بالصواب۔ دروغ برگردن راوی باقی اور اضلاع شہر کا یہ حال ہوا کہ عورت اور
مردوں کو شہر سے نکالا گیا تو اس طرح کہ مردوں کو تو کشمیری دروازہ سے باہر کیا اور
عورت کو کابلی دروازہ کی راہ سے شہر بدر کیا کہ باہمی مفارقت ہو گئی۔ ایک ایک کو
ڈھونڈھتا پھرا غرض کہ جب زن و مرد شہر سے باہر ہو گئے تو اب مخبری کا بازار گرم ہوا اور
وہی بد معاش جو نمک حراموں کے ہمراہ ہو کر انگریزوں کو بتاتے پھرتے تھے اور شہر کو لٹواتے
تھے اب سرکاری مخبری اور شہر والوں کو پھانسیاں دوانے لگے۔ دروپیہ آدمی پیچھے مخبری
کا صلہ ملتا تھا +

پانچواں باب

ہجرت

پانچہ چار پانچ روز ہم کو برف خانہ میں گرے تھے کہ میر نواب کپتان بادشاہی کو
 پکڑوا کے پھانسی دلا دی گئی۔ باوجودیکہ وہ میر حمید علی ماروغہ فیل خانہ انگریزی کا داماد
 تھا اور تمام غار میں ہمراہ صاحبان انگریز پہاڑی راکٹا تھا۔ تمام کمرٹ کا کام اُسکے
 سپرد تھا۔ اور سرکار کی بہت سی خیر خواہی کی تھی۔ اور میر نواب کپتان اس کا داماد تھا۔
 اس نے بہت کچھ منت و معذرت کی مگر کچھ نہ سنی گئی اور اس خیر خواہی پر کچھ نظر نہ ہوئی۔
 جب یہ واقعہ نظر سے گزرا تو سب کو اپنی اپنی جانوں کا فکر ہوا۔ نواب حامد علی خاں صاحب
 نے میری والدہ سے کہا کہ میں ان لوگوں کا یہاں رہنا مناسب نہیں جانتا ہوں۔ ان کو
 رخصت کیجئے۔ جہاں ان کو اپنے بچاؤ کی صورت نظر آئے چلے جائیں اور اپنی جان بچائیں
 یہ لوگ کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ہمارا متبار کیا ہے ہم تو بوڑھے ہیں۔ ہم تم اہل و عیال
 کو سنبھالیں گے اور یہ روانہ ہو جائیں۔ یہ امر مجھے پہلے ہی مرکوز خاطر تھا۔ میں نے والد
 بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ بلا شک نواب صاحب نے سچ فرمایا ہے مصلحتِ وقت

یہی ہے کہ اب ہماری مفارقت گوارا کیجئے۔ اور ہم دونوں بھائیوں کو اور ہمارے بھنوئی
آغا سلطان کو اجازت دیجئے۔ جدھر خالے جائے گا نکل جائیں گے۔ مجھے اپنی جان
سے زیادہ آغا سلطان کا خیال ہے۔ یہ بخشی فوج شاہی ہے اسے کوئی نہیں چھوڑے گا
اگر خدا کو زندگی رکھنی منظور ہے تو پھر اگر قد مبوسی حاصل کریں گے۔ یہ کہہ کر میں نے
یہ کام کیا۔ کہ تھوڑی سی چاندی کے پتر لے کر جوتی کے تلے کے دونوں پرت جدا کر کے
اس کے جوت میں بھری یعنی جوتی میں اوپر نری کا چمڑا ہوتا ہے اور نیچے اودھوڑی۔
ان دونوں کے بیچ میں چاندی کے پتر بھرے میری بی بی نے اس وقت یہ کام کیا
کہ ایک فردوسونے کی پہنچی کی میرے آگے رکھ دی میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آگئی
انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت میں نے اپنا زیور اتار کر ڈبے میں رکھا تھا تو بے اوسانی
میں یہ پہنچی میرے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ میں نے اس وقت اس کا ڈورا توڑ کر وہ دانے
انگ کر کے کمر بند کے اندر بھرے اور دستار باندھی کمر سے دوپٹا باندھا۔ ہاتھ میں
لکڑی لی اور چلنے کو تیار ہوا۔ اور میرا بھائی امراؤ مرزا اور آغا سلطان بھی تیار ہو گئے
اس وقت ہماری رخصت کا حال قیامت سے کم نہ تھا۔ میری بی بی ہر چند شرم کے
مارے منہ سے کچھ نہ بولی اور نیچے آنکھیں کئے ہوئے رو رہی تھی۔ آخر جب اٹھنے
لگا تو چپکے سے یہ لفظ کہا کہ باب چچا تو مارے گئے فقط ہمارے دم کا سہارا تھا۔
مجھے کس پر چھوڑے جاتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ خدا کے حوالے کرتا ہوں اگر
زندہ رہا تو پھر آملوں گا۔ اگر میں مارا گیا تو تم سن لو تو ہر بخش دینا یہ کہہ کر میں مکان
سے باہر ہوا۔ اور بسم اللہ کہہ کر خواجہ صاحب کی طرف روانہ ہوا۔ کوئی نصف میل
کے قریب راہ طے کی ہوگی کہ ادھر سے سوار آئے آئے ہی انہوں نے گھیر لیا اور

کہا تلاشی دو۔ اور سب کے سب کا بدن ٹھول لیا نہ میرے پاس کچھ پایا نہ
 میرے ہمراہیوں کے پاس کچھ دیکھا۔ مگر ایک سوار نے میری پگڑی اتار لی اور پیارستہ
 لیا۔ میں نے دوپٹہ کمر سے کھول کر سر پر باندھ لیا۔ آگے بڑھا اور سوار ملے انہوں نے
 بھی یہی بات کی جب تو میں نے کمر بند پانچامہ میں سے کھینچ کر ایک گیند بنالی۔ اور
 پانچامہ کے نیچے کو بطور بند گرہ لگا دی اور وہ گیند اپنے ہاتھ میں رکھ لی۔ جب
 سواروں کو دور سے آتے دیکھتا تو اس گیند کو دور پھینک دیتا۔ وہ آکر تلاشی لے کر
 آگے بڑھ جاتے ہیں دل میں کہتا تھا کہ ابے تم تو ڈاکو ہو مگر میں بھی تمہارا استاد ہوں
 بھلا تم مجھے کیا لوٹ سکتے ہو۔ اور جب وہ دور چلے جاتے پھر اپنی گیند اٹھا کر اپنے
 ہاتھ میں لے لیتا۔ غرض کہ ہزار خرابی خواجہ صاحب میں پہنچا وہاں میں نے دیکھا کہ
 ایک ہجوم کثیر مرد و زن کا فراہم ہے۔ شب کو میں نے کچھ چاندی ایک صراف کے ہاتھ
 نیچی اور کھانے کا بندوبست کر کے دیوان خاص میں ہم غنیمت آدمی زمین میں پڑے
 صبح کو ایک پندرہ بیس ہزار آدمی کا قافلہ جس میں نواب امین الدین احمد خاں اور
 ضیاء الدین احمد خاں اور احمد قلی خاں بادشاہ کے خسر اور بہت سے بڑے آدمی
 شامل تھے وہ گرجوں کو دو ہزار روپیہ دے کر اور انہیں ہمراہ لے کر خواجہ سے روانہ
 ہوئے۔ ہم بھی اسی قافلہ کے ہمراہ ہوئے۔ راستہ میں وہی سامان صحرائی دکھائی دیئے
 جو اول لکھ چکا ہوں۔ اب اعادہ اس کا فضول ہے۔ ہزار عورت پردہ نشین اور بچے
 ہمراہ تھے۔ منزل دراز تھی اوپر کی دھوپ نیچے پاؤں کے جلتی ہوئی ریت۔ جنگل بے وق
 سایہ کا نام نہیں۔ آب و دانہ کا کام نہیں۔ تلواروں میں آبیے۔ زبانوں میں بے آبی سے
 کانٹے پڑے ہوئے روتے دھوتے چلے جاتے تھے۔

وہ دھوپ اور وہ ریگ طپاں اُہ گرم ہوا وہ فوج فوج ہراک سو سے نرغہ ادا
وہ کینہ و رزی غارتگران بے پردہ اور اس پتہ ظلم گنواروں کا وہ کہ وہ اویلا

جو ہم سے کھٹکتے ہیں وہ انقلاب کی باتیں

تو لوگ کہتے ہیں کرتے ہو خواب کی باتیں

وہ گل سے چہرے حرارت تھماتے ہوئے وہ گریسے گریسے بدن خاک میں ملا ہوئے

لبوں پر آہ جگر میں الم سائے ہوئے جفا کی تیغ کے سبب زخم دل پہ کھائے ہوئے

وہ داغ مرگ عزیزان وہ دشت پیمانی

وہ ریگ خار مخیلاں وہ آبلہ پانی

غرض خدا کر کے وہ منزل قطع ہوئی اور قریب شام سول بسنت کی سرا میں
پہنچے تھکے مارے رستہ کے پاؤں میں بڑے بڑے تپے پڑے ہوئے برا حال

بری نوبت خیر بہر حال سوائے صبر و شکر کے کیا کیا جائے شب کو کچھ بانار سے چنا

چھینا لاکر کھا لیا۔ پانی پی کر مٹائے کی زمین پر پڑ رہے۔ اب آغاز اودا انجام اس سفر کا

کچھ معلوم نہیں کہ یہ راستہ کہاں کو جاتا ہے کون کون سے شہر راستہ میں پڑیں گے کس

ریاست میں پہنچیں گے پس ہمراہ قافلہ کے ہیں جد مضر قافلہ جاتا ہے اسی کو منزل مقصود

سمجھا جاتا ہے۔ گھر سے کبھی نکلے نہیں۔ اس مصیبت کا سفر کیا نہیں راستہ سے

تا بلکہ منزلوں سے ناواقف۔ شہروں اور ریاستوں کا حال سوائے عملداری انگریزوں کا کچھ

نہیں جانتے۔ ایک دوبار پہلے سفر کا اتفاق ہوا ہے تو آگرہ میرٹھ وغیرہ کی طرف ہوا ہے

تو بحال آسائش سوار یوں پر آدمی خدمت میں بڑی دل لگی کا سفر ہوا ہے نہ اس مصیبت

کا کہ زمین تک قدم دھرنے کی رطاد نہیں۔ جہاں جھپٹا۔ کانا کانا دشمن جان ہے

گھر میں الود۔ جے پور۔ بیکانیر کا نام تو سناس ہے۔ مگر کبھی اتفاق سفر ہوا نہیں۔ نہ یہ معلوم کہ کتنی دور میں مقصد مختصر شب کو پڑے رہے صبح ہوتے ہی پھر قافلہ کے ہمراہ ہوئے دوپہر کو جا کر فرخ نگر میں داخل ہوئے۔ کچھ چاندی بیچ کر کھانے کی تجویز کی۔ اب جو وہ راہ ہے وہاں سے سب طرف کو راستہ جاتا ہے۔ وہاں باہم کھڑی کپنی شروع ہوئی اور صلاح و مشورے ہونے لگے۔ کسی نے کہا ہم ادھر جائیں گے کسی نے کہا ہم ادھر جائیں گے ہم چلن میں کہ یا الہی ہم کہاں جائیں۔ آخر ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں سے جھجھر قریب ہے۔ یہ نام سنتے ہی جان میں جان آگئی کہ وہاں تو ہمارے ماموں حکیم مرزا فاسم علی خاں صاحب مختار ریاست ہیں ان کے پاس چلیے اور ان کی صلاح کے کار بندہ بنیے۔ بدھروہ رہنمائی فرمائیں ادھر جانا چاہیے +

جھجھر میں ورود

غرض کہ دوسرے روز جھجھر کا راستہ پوچھ کر ادھر کو روانہ ہوئے اور اسی دن جھجھر پہنچے اور مکان پوچھ کر ان کے ہاں پہنچے ماموں صاحب نے جب شکل دیکھی تو چیخیں مار کر رونے لگے۔ اس میں کس غضب میں گرفتار ہو گئے۔ غرض کہ گلے سے لگایا۔ پاس بٹایا۔ تشنی دی۔ ہاتھ منہ دھلوا یا۔ کھانا کھلوا یا۔ دیوان خانہ میں کہا اب یہاں رہو آغا سلطان سے وہ خوب واقف ہی تھے تیسرے پہر کے قریب آغا سلطان تو باہر کھڑے مجھے اور بھائی کو گھر میں لے گئے ممانی سے کہا دیکھو تو بھانجوں کا کیا حال ہے۔ میری بہن بادشاہ بیگم نے انہیں کس مصیبت سے پرورش کیا تھا آج یہ اس بلا میں مبتلا ہیں وہ بھی آبدیدہ ہوئیں۔ انہوں نے حال پوچھا سب حال بیان کیا دوسرے روز ممانی صاحب نے کپڑا منگا کر جوڑے تیار کرائے اور کہا۔ اب یہاں سے کہیں نہ جاؤ میرے پاس رہو۔ ہم آٹھ روز سائیش

سے وہاں رہے۔ یہ بھی فلک کو ناگوار ہوا اور ظالم جفا کار نے ایک اور ستم ڈھایا۔ اُدھی
رات کے وقت اُن کو نواب صاحب نے بلوایا۔ وہ وہاں گئے ایک گھنٹہ بعد واپس آئے
اور ابیدہ آئے۔ میں نے پھر پوچھا۔ ماموں خیر ہے فرمایا بھائی کیا پوچھتے ہو جس بلا
میں تم مبتلا ہو کر یہاں آئے ہو وہ بلائے ناگہانی یہاں بھی نازل ہو گئی اور انگریزی فوج
یہاں بھی آپہنچی۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت نواب صاحب نے مجھے اس واسطے
بلایا تھا۔ اب تم ایک کام کرو۔ یہاں سے سیدھے پانی پت کو براہِ سوئی پت روانہ ہو جاؤ
تمہارے والد اور خالائیں اور سارا کنبہ پانی پت پہنچ گیا ہے۔ مجھے خبر آ گئی ہے۔ یہاں
سے میری بہلی تم کو سوئی پت پہنچا دے گی۔ وہاں سے تم گاڑی کر کے چلے جاؤ۔ اور نہ
وہاں بھی تیری نہضیاں ہے۔ تم کو آگے جانے بھی نہ دیں گے۔ غرض کہ اس وقت بہلی تیار
ہوئی اور ہم سوار ہو کر پانی پت میں آئے۔ یہاں میرے نانا کے حقیقی بھائیوں کے
مکان تھے انہوں نے مجھے روکا اور کہا کلاب تم غارتک یہاں رہو کہیں نہ جاؤ۔ جب
اسن ہو جائے گا چلے جانا میں نے کہا کہ میرے والد۔ والدہ۔ بھائی۔ بہن۔ بیوی سب برسط
میں میری خالہ کے ہاں تھے۔ غرض کہ میں روانہ ہو کر وقتِ شب برسط میں پہنچا اور ایسے
وقت کہ رات کے گیارہ بج گئے تھے اور میرے والد گریہ و زاری کے صحنِ خانہ میں
کھڑے ہوئے، ہماری سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔ خداوندِ اوجامع المتفرقین ہے
تو میرے بچوں کو مجھ سے زندہ و سلامت لا کر ملا دے میں نے تیرے حفظ و امان
میں سوچا ہے اُسی وقت میں دروازہ پر پہنچا اور میں نے آواز دی کہ دروازہ کھولو میری
بڑی خالہ میری آواز پہچان کر دوڑیں اور میرے والد کو یقین نہ آیا۔ جب میری خالہ نے
قسم کھائی کہ میں نے ابھی نواب میرزا کی آواز سنی ہے وہ دروازہ پر پکار رہا ہے غرض کہ

دروازہ کھلا اہل میں نے جا کر والد کے قدم لئے انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا ۛ

پانی پت پہنچے | وہاں سے پانچ چار روز کے بعد ہم سب پانی پت میں پہنچ گئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور ایک چھوٹی سی تجارت کا ڈھنگ

ڈال کر قوت بسری کی سبیل کی اور ایک دوکان کرایہ کو لی۔ ایک آدمی نوکر رکھا خرید و فروخت کے لئے اور حساب کتاب اپنے ہاتھ میں رکھا۔ دو نو وقت جا کر دوکان کا مال متاع سنبھال آتا تھا۔ خدا کی صفت رزاقی ہے ان روزوں میں اس تجارت نے ایسی ترقی پائی اور ایسی برکت ہوئی کہ تمام گھروالے اس میں بخوبی روٹی کھاتے تھے اور نوکر کی تنخواہ کرایہ دوکان اور کر کے مال تجارت دن و نا اور رات چوگنا ہوتا جاتا تھا۔ پھوٹے عرصہ میں تین چار سو کا سامان دوکان میں فراہم ہو گیا تھا۔ اور دو روپیہ روز کا میرے گھر کا خرچ تھا۔ پانچ ماہ تک ذرا امن و آسائش کی صورت رہی مگر فلک کج رفتار اور زمانہ ناہنجار کب دیکھ سکتا۔ پھر اس غریب آزار کو رشک و حسد پیدا ہوا اور نشتر رشک جگر فلک میں نیش زن ہوا۔ اور از سر نو ایذا رسانی پرستہ ہوا۔

زمانہ مرد و مصافحت و من ساڈولی کنہم بچوشتن تدبیر و ہم دفع مضار
زمین خنق قنک سنگ فتنہ می بارو من ابلہانہ گریزم در آگینہ حصار
کہ یکا یک آسمان سے سنگ حوادث برسنے لگے اور زمین نے فتنہ مازہ براگینختہ کئے اور حشرات الارض کی طرح زمین سے ایک بچھو پیدا ہوا۔ یعنی وہلی سے وہی موزی ادبائش مخبروں کا سرغنہ گامی بد معاش بلائے ناگہانی کی طرح پانی پت میں نازل ہوا۔ اور داروگیر کا بازار گرم ہوا اور دلی والے گرفتار ہونے شروع ہو گئے۔ ادھر برسط میں نواب حامد علی خاں صاحب اور ان کے سب کنبہ کو گرفتار کر لائے ادھر پانی پت

میں قیامت برپا ہو گئی۔ اور پانی پت کا محاصرہ ہو گیا۔ مگر آفرین مردمانِ پانی پت پر وہ مسافر نوازی فرمائی کہ باپ بیٹے کے ساتھ یہ سلوک نہ کرے گا۔ دلی والوں کے ساتھ جانیں لڑا دیں اور اپنے گھروں کے زنانوں میں چھپا چھپا کر رکھا اور جان سے آبرو سے ساتھ دینے کو موجود تھے۔ اور جس دن سے دلی کے لوگ پہنچے تھے اپنے گھروں میں بٹھا لیا تھا۔ اور روپیہ سے پیسے سے روٹی سے کپڑے سے سب طرح سلوک ہوتے رہتے۔ ایسے احسان کو آج تک کسی شخص نے کسی کے ساتھ نہ کئے ہونگے جو سلوک کہ پانی پت والوں نے دلی والوں کے ساتھ کئے +

قصہ مختصر جب پانی پت کے گرد گھیل پڑ گیا اور ناکہ بندی ہو گئی۔ اور دلی والے گرفتار ہونے لگے۔ میں

پانی پت کا محاصرہ

ایک دن دو گھڑی دن پچھلے سے اپنی بھوپھی کے مکان پر گیا وہ مولوی ابراہیم حسین صاحب کے فروکش تھیں۔ وہاں اپنی بہن سے یہی گرفتاری کا ذکر کر رہا تھا کہ میری طبیعت گھبرائی اور میں چلنے لگا۔ میری بہن نے مجھے روکا بھی مگر میں اٹھ کر ڈیوڑھی کے باہر آیا میں نے دیکھا کہ بہت سے آدمی اس گلی میں چلے آتے ہیں اور آگے تھانہ دار ہے میں نے یہ سوچا۔ اب جو تو اٹھا پھر کرتا ہے تو یہ گھڑیں جا کر گرفتار کر لیں گے۔ میں سیدھا یہ کہتا ہوا ہوا۔ ان کے سامنے سے چلا گیا۔ بھئی ان دلی والوں کے سبب ہم لوگ بھی مصیبت میں آ گئے۔ ان آدمیوں کے برابر سے نکل گیا اور انہوں نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ آدمی اسی مکان میں گھسے جس میں سے میں برآمد ہوا تھا۔ مگر آگے بڑی ڈیوڑھی تھی جس میں دونوں طرف راہیں تھیں۔ ایک مولوی ابراہیم صاحب کے مکان کو اور وہ ہماری دیوان خانہ کو اس ڈیوڑھی میں پہنچ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور مجھ سے

بھاگنا نہ گیا۔ کچھ اندھیرا ہو گیا تھا۔ کچھ پولیوں کا ڈھیر کوٹنے میں لگا ہوا تھا میں اُنکے نیچے چھپ گیا اور اُس تھانہ دار نے گھر میں داخل ہو کر میرے پھوپھا اور بھائی اور میرے بہنوئی کو گرفتار کیا اور میرے آگے سے گرفتار کر کے لے گیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں وہاں سے نکل کر گریزاں ہوا تو ایسا بے اوسان تھا کہ راستہ میں کئی جگہ گرا۔ غرض کہ اُذال و خیزاں میں اپنی خوشدامن کے مکان پر پہنچا۔ اور یہ حقیقت بیان کی اور کہا کہ اب میرا یہاں سے نکل جانا صلاح ہے ورنہ گرفتار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص بوعلی نامی جو پانی پت کا باشندہ اور شاید میری خوشدامن کے بزرگوں میں سے کسی کا خانہ زاد تھا۔ اُسے بلوایا اور کہا بھائی تو مجھ پر ایک احسان کر کہ میرے بچوں کو یہاں سے نکال کر بچا اور کسی حفاظت کی جا پہنچا دے۔ اُس نے کہا اچھا بیگم صاحبہ میں پہنچاتا ہوں +

چھ گھڑی رات گئے وہ مجھے اور یوسف سلطان پانی پت سے رخصت

سے چلا اور ایک جا سے شہر کا ڈنڈا ٹوٹا ہوا تھا۔ وہاں سے کودا کر شہر سے باہر ہو گیا اور پھر جلدی جلدی قدم بڑھا کے ہم آٹھ کوس پر ایک گاؤں شیخ زادوں کا تھا وہاں پہنچے اُس گاؤں کا نام گڑھی تھا۔ پچھلے پہر ہم وہاں پہنچے اور گاؤں والوں کو اُس نے جگا کر ساری حقیقت بیان کی وہ لوگ نہایت مرد آدمی اور مسافر نواز تھے انہوں نے میری بہت خاطر و مدارات کی اور تسکین و تشفی دی کہ اب اگر تمام عمر یہاں بیٹھے رہو تو تم پتہ نہ لگنے دیں گے کیا مقدور ہے کسی کا کہ تم کو گرفتار کر سکے۔ جب دن ہوا تو انہوں نے ہم سے کہا کہ اب ایک کام کرنا چاہیے کہ دریا کے کنارے پر کھا رہے۔ وہاں ہم

ایک جھونپڑی ڈال دیتے ہیں۔ دن کو تو تم دونو آدمی وٹاں رٹا کرو اور رات کو گاؤں میں آجایا کرو اور ہماری طرح کالباس پہن لو۔ ہم میں سے دو آدمی تمہارے پاس رہاؤ گے ہمارے کوشی وٹاں چرا کرتے ہیں۔ تم دیہاتیوں کے بھیس میں رہو۔ ہم نے منظور کیا اور ہم رہنے لگے۔ پھر میں نے بوعلی سے کہا کہ بھائی تم اب میرے بھائی اور میرے والد کو کہ پیر جی محمد حسین کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں نکال لاؤ۔ تو بڑا کام کرو۔ اُس نے کہا کہ بہت اچھا۔ مگر شکہ اُس دن روانہ ہوا اور تیسرے دن میرے بھائی اور آغا سلطان میرے بہنوئی کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا میں نے اُسے کچھ روپے دے دیئے۔ ایک دن ہم سب وٹاں رہے اور دوسرے روز اُن گاؤں والوں کا بہت شکریہ ادا کیا اور وٹاں سے جمنپار اتر کر مصطفیٰ آباد سیدوں کی بستی میں پہنچے۔ مصطفیٰ آباد کی سادات نے ہماری بڑی خاطر مدارات کی اور نہایت درجہ مہمانداری کے علاوہ کہا کہ جب تک یہ ہنگامہ ہے آپ چین سے بیٹھیں سمیٹے رہو یہاں آپ کا بال بیکانہ ہوگا۔ ہم نے کہا یہ سب آپ کی عنایت ہے اب اس کے عوض اور ہم پر عنایت فرمائیں۔ وہ یہ سنے کہ میراں پور جانسٹھ والوں کے ذریعہ سے ہمیں گنگا کے پار اتر وادیں کہ وٹاں عملداری انگریز کی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کتنی بڑی بڑی بات ہے۔ ہم آپ کو خط لکھے دیتے ہیں آپ وہ خط لے کر میر طالب علی کے پاس چلے جائیے وہ آپ کو گنگا کے پار اتر وادیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہم وہ خط لے کر کراہ کی منہولی میں سنبل سیرہ پہنچے اور بیرون قصبہ ٹھہر کر میر طالب علی مہندار کے پاس وہ خط بھیجا مگر انہوں نے اس امر سے صاف انکار کیا لیکن اُن کے بھتیجے میر عنایت حسین نے نہایت اومیت کی اور وہ آکر ہم سے ملے۔ رات کو

اپنے مکان میں لے جا کر پوشیدہ رکھا۔ اور تین روز ہماری دعوت کی اولینے بیہات کے گوجروں کو بلوا کر ان سے کہا کہ ساٹھ آدمی ہمارے بھائی بند آگئے ہیں ان کو کسی طرح گنگا کے پار اتار دو۔ انہوں نے کہا دن کو تو ممکن نہیں مگر آئندہ شب کو ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ گنگا کے کنارے دونوں طرف گھاٹیوں پر فوجوں کے مورچے لگے ہوئے ہیں۔ اس پار انگریزی فوج کی چوکیاں ہیں۔ اس پار نجیب آباد والوں کے مورچے ہیں۔ قصہ کوتاہ ایک شب وہ تیس آدمی مسلح ہو کر بندوق تلوار چھپا لے کر آموجود ہوئے اور گھوڑیاں ہمراہ لائے تھے۔ کوئی پہر بھرات گئے ہم سب کو گھوڑوں پر سوار کر کے ہمراہ لے چلے۔ وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے کو سہارا۔ راستہ میں انہیں کی برادری کے گاؤں ملتے گئے مگر وہ ان کو ہوشیار کرتے گئے کہ اگر تم کچھ شور و غل سنو تو فوراً ہماری مدد کو چلے آنا میں نے راد میں ایک گوجر سے کہا کہ تم میں باہم اتفاق ہے اس نے کہا کہ اگر اس وقت ہماری ایک بندوق چل جائے تو تین لاکھ گوجر موجود ہو جائے۔ سب گاؤں ہمارے ہیں غرض کہ پچھلے پہر ہم گنگا کے کنارہ پر پہنچے اور گھوڑیاں وہیں چھوڑ دیں۔ ان بیچارے گوجروں نے ہمارے ہاتھ تھام لئے اور ہمارا سامان سرول پر رکھ لیا دریا میں سے ہمیں پار اتار دیا۔ اور فیروز آباد گاؤں سیدول کا تھا۔ وہاں پہنچ کر منبردار صاحب کو میر عنایت حسین کا رقعہ دیا اور ہماری رسید لکھوا کر واپس بھیجی۔ ہم رات کے بارے تھکے سردی کھائے ہوئے تھے پُرال گھاس پر پڑ کر اور وہی گھاس اوڑھ کر سو رہے صبح کو دوپہر کے قریب بیدار ہوئے تو ان سید صاحب نے کھانا کھلایا اور حقیقت ریا کی ہم نے سب حال بیان کیا کلاس میں نجیب آباد والے نواب کا آدمی آیا کہ رات

کون آدمی گنگا تر کر تہارے ہاں آئے ہیں۔ کوئی انگریزی مخبر تو نہیں ہیں رہم نے کہا کہ ہم آئے ہیں اس نے کہا کہ اچھا تم میں سے ایک آدمی ہمارے ساتھ چلو غرض کہ میں ہی اس کے ہمراہ ہولیا۔ تھوڑی دور پر فوج پڑی ہوئی تھی ڈیرے خیمے لگے ہوئے تھے وہ آدمی مجھے ایک ڈیرے پر لے گیا۔ وہاں چند لوگ عزت دار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اُن کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ انہوں نے مجھ سے حال پوچھا میں نے مختصر بیان کیا کہ تباہی زدہ ولی کا رہنے والا ہوں۔ انگریزوں کے خون سے ہم لوگ جان بچائے پھرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک آدمی بولا کہ تم لوگ نوکری کر لو۔ یہاں ٹھہر جاؤ۔ میں نے جواب دیا کہ ہم نوکری کے لائق نہیں۔ ہم لوگ لکھنؤ کو جائیں گے۔ غرض کہ وہاں سے آکر اُس شب وہاں رہے۔ صبح کو کوچ کیا منزل بمزمل طے کر کے مراد آباد ہوتے ہوئے بریلی پہنچے۔ وہاں ایک دوست آغا ذمین صاحب مرثیہ گو کے مکان پر قیام کیا۔ اُس مہمان نواز نے وہ خاطر مدارات کی کہ بیان سے باہر ہے وہاں سے بڑھنے کا ارادہ تھا کہ معلوم ہوا لکھنؤ کی بھی وہی کیفیت ہوئی جو دلی کی ہوئی تھی۔ اب حیران پریشان ہوئے کہ یا رب اب کدھر جائیں کیا کریں۔ پندرہ روز بریلی میں آغا ذمین کے مکان پر رہے +

ایک اور آفت

ایک دن کا اتفاق ہے کہ میں اور ایک شخص ولی کا باشندہ جنگ باز خاں نامی بادشاہی سواروں میں ملازم وہ میرے ہمراہ بریلی کے بازار میں ایک مسلمان جوتے والے کی دوکان پر جوتا پہننے کو گئے میں نے جوتا اٹھا کر اُس کی قیمت پوچھی۔ اُس نے بیان کیا سوار و پیہ میں نے وہ جوتا رکھ دیا اُس نے پھر مجھ سے کہا رکھ کیوں دیا تم بھی تو کچھ قیمت کہو میں نے کہا کہ

بھائی مجھ میں اس قیمت کا مقدور نہیں۔ میں سستی قیمت کا جوتا چاہتا ہوں میں غریب
 تباہی زدہ ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا کہ
 دلی کے وہ بولا کہ تم لوگ بڑے نامزد ہو کہ تم نے دلی توڑوادی۔ ادب گھربار لٹوا کر
 بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ یہ بات سنکر میں تو خاموش رہا۔ مگر جنگ باز خاں سپاہی آدمی
 قوم کا مغل بچہ اور لال کنوئیں کا رہنے والا تھاں کے لقمے بڑے بڑے مشہور ہیں۔ بھلا
 آنکا صاحب کو کہاں تاب کدیسے سخت کلمے کی برداشت کریں۔ جواب دیا "بٹیا گھبراؤ
 نہیں چچا کے بیٹے آئے جاتے ہیں۔ جو رو کے پانچا مے میں چھپتے پھرو گے۔" یہ کہنا تھا
 کہ اس حجت فروش نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ دوسرے ہاتھ سے
 جنگ باز خاں کا اور یہ آواز بلند پکار کر کہا کہ یارو دوڑو یہ دونوں انگریزی مخبر ہیں۔ یہ کلمہ
 ہمارے حق میں غضب ہو گیا۔ چہار طرف سے پوربے دوڑ پڑے اس وقت بازار میں
 سوار پیادوں کی یہ کثرت تھی کہ کھوے سے کھوا اچھلتا تھا بازار میں رستہ نہ ملتا تھا
 آتے ہی پوچھا نہ گچھا ہم دونوں کی مشکیں کس لیں اور کہا کہ جرنیل صاحب کے پاس
 لے چلو۔ اور ہم دونوں کو باندھ کر لے چلے۔ ایک انبوہ خلایق ہمراہ ہوتا جاتا ہے جیسے کسی
 کو گردن مارنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ وہاں سے نصف میل پر قلعہ تھا قلعہ کے
 سامنے ڈیرے کھڑے تھے۔ وہاں ایک ڈیرے کے آگے ایک پوربیا پچا پچا پچا
 برس کی عمر کا گلے میں موٹے سونے کے دانوں کا کنٹھا پہنے ہوئے بیٹھا تھا اس کے
 سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا اور بیان کیا کہ یہ دونوں انگریزی مخبر ہیں۔ ہم ان کو گرفتار
 کر کے لائے ہیں۔ جرنیل صاحب کا عدل و انصاف ملاحظہ ہو، کہ بغیر تفتیش حال حکم
 دے دیا کہ توپ سے باندھ کر اڑا دو۔ اسی وقت وہ جو دو توپیں ڈیرے کے آگے

لگی ہوئی تھیں۔ اُن میں تعصیبات بارود کی ڈال کر ہم دونوں کو توپوں کے منہ سے
باندھ دیا۔ اور نواب خان بہادر خاں والی بریلی سے کہلا بھیجا کہ دو مخبر اگر بریلی گرفتار
ہوئے ہیں اُن کو اڑانے کا حکم ہو جائے۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے بھی سوار نے آکر
حکم پہنچایا کہ اڑادو۔ یہ باتیں ہم سب سن رہے تھے اور آسمان کی طرف دیکھ رہے
تھے کہ یا الہی کس بلائے ناگہانی میں گرفتار ہو گئے۔ گھر سے تو اسی مصیبت سے جان
بچا کر آئے تھے اور یہاں آکر پناہ پذیر ہوئے تھے۔ یہ نہ معلوم تھا کہ ہماری قضا یہاں
لکھی تھی معلوم ہوا کہ ہماری موت ہم کو کھینچ کر لانی تھی۔ اب تیرے سوا ہمارا فریاد کس
کون ہے۔ جنگ باز خاں میرے منہ کو تکتا ہے۔ اور میں جنگ باز خاں کو دیکھ رہا ہوں
اسی اثنائیں دوسرا سوار خان بہادر خاں کے پاس بھیجا گیا اور وہ بھی یہی حکم لایا۔
ہم کو اپنی زندگی سے بالکل پاس ہو گئی اور بندھے ہوئے کلمہ پڑھ رہے ہیں اور میرا
حکم آنے کی دیر ہے وہ حکم آئے تو توپ کمر بستی دکھائی جائے۔ اُس وقت اُس کی شان
رحیمی کو دیکھنا چاہیے کہ پردہ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے اور ہم کو پنچہ اجل سے کس
طرح نجات دیتا ہے۔ وہی مثل ہے کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ قوی ہے۔

چو عاجز رہا نندہ دانم ترا دریں عاجزی چوں نخواستم ترا

ناگہاں دیکھتے کیا ہیں کہ قلعہ کے دروازہ میں سے کچھ سپاہی دوڑے ہوئے چلے
آتے ہیں اور مجھے اُن کے ایک شخص سنہرے گھوڑے پر سوار سفید پوش سفید منديل
باندھے ہوئے ہماری طرف چلا آتا ہے اور اُس کے جلو کے سپاہیوں نے آتے ہی
کہا کہ ہٹ جاؤ اور سب پھیر کر مٹا دیا۔ نو وارد سوار نے پیشتر جا کر جنگ باز کو دیکھا اور
دیکھتے ہی جنگ باز سے کہا۔ ارے جنگ باز تو کہاں؟ جنگ باز مجھے کیا دیکھتے ہو۔

دوسرے کو دیکھو کون ہے۔ جب مجھے دیکھا تو فی الفور گھوڑے سے کود کر جلدی تلوار
 سے وہ رتی کاٹ دی جس سے مجھے جکڑ رکھا تھا اور جنگ باز کی بھی رتی کاٹ کر ہم
 دونوں کو چھڑایا اور ہمارا ہاتھ پکڑ کے اس جو نیل کے سامنے لے گیا اور ہزاروں گالیاں
 مغلطات اس اسفول کوسائیں اور کہا نک حراموں تم نے ہمارے بادشاہ کا گھرتا
 کرا بولی کا ستیاناس کر دیا۔ غیث کو خاک میں ملا کر گھر سے بے گھر کر دیا۔ اور اب بھی
 اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ ارے یہ بادشاہی ملازم ہیں۔ بچا رہے غریب انگریزوں
 کے خوف سے اپنی جان بچائے پھرتے ہیں یہ کیا مخبر ہیں تو نے حال تو پوچھا ہوتا۔
 یا پہلے بغیر پوچھے گچھے گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ اگر اس وقت میں نہ آتا تو ان دونوں
 بے گناہوں کو جان سے مار چکا ہوتا۔ ان کی زندگی تھی کہ میں آ گیا۔ یہ کہہ کر وہ مجھ سے
 حال پوچھنے لگا جنگ باز نے ساری حقیقت بیان کر دی پھر اس نے کہا کہ تم میرے
 مکان پر آنا۔ اور ہم سے کہا کہ تم اپنے مکان کو جاؤ۔ اب یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ وہ
 ہمارا محسن کون تھا جس نے اس بکھی کے وقت میں جان بچائی وہ ہمارا خواجہ تاش بادشاہی
 ملازم کباروں کا واروغہ میر فتح علی تھا۔ خیر جب ہم نے اس بلا سے نجات پائی اپنے
 مکان پر پہنچے تو میرے والد اور سب ہمراہی فسر مند تھے کہ خدا جانے وہ دونوں کہاں
 چلے گئے کس بلا میں مبتلا ہو گئے۔ سب پوچھنے لگے کہاں چلے گئے تھے جو اتنی دیر لگی
 جنگ باز نے سب حال بیان کیا کہ ہم تو موت کے شکنجے سے نکل کر آئے ہیں۔ سب سن
 کر حیران و پریشان ہو گئے۔ مگر خدا کا شکر ادا کیا کہ زندہ سلامت آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد
 یہ خیال ہوا کہ یہ جائے معرض خطر ہے یہاں سے کلنا چاہیے مبادا یہاں شکارگری
 آن پہنچے اور ہم گھر جائیں۔ دلی سے تو بھاگ کر یہاں آئے اب یہاں سے نکل کر۔

کہاں جائیں گے۔ ہم خیال دوڑا رہے ہیں کہ کوئی جائے مقر نظر نہیں آتی۔ اس سبب
 الاسباب کی قدرت کو دیکھا چاہیے کہ اس حالت یا اس دور ماندگی و سرسبکی میں کس
 طرح اُس پر آشوب حالت سے نکال کر ساحل عافیت کو پہنچاتا ہے کہ ایک روز بازار
 میں ایک شخص بموطن کو دیکھا کہ مسافروں کی طرح کمر بندھی ہوئی ہاتھ میں ٹکڑی منہ پر
 غبار پڑا ہوا اور ایک عورت اس کے عقب میں چادر سے منہ چھپائے ایک چھوٹی
 بڑی بغل میں مارے چلی آتی ہیں۔ جب پاس آئے تو انہوں نے مجھے اور میں نے ان
 کو پہچانا صاحب سلامت ہوئی۔ آٹا میر غلام عباس تم کہاں وہ بولے میں لکھنؤ
 سے چلا آتا ہوں میں نے پوچھا کہا ٹھیرو گے کہا خدا جہاں ٹھیرے میں نے کہا جہاں
 ہم ہیں وہاں تم بھی چلو۔ اور وہاں سے ہم تم شامل ہو کر خدا جہاں لے جائے وہاں
 چلے چلیں گے۔ وہ میرے ساتھ ہوئے اور مکان فرود گاہ پر پہنچے سب سے ملے
 انہوں نے اپنی تمام حقیقت بیان کی۔ خیر اس دن تو وہیں مقیم رہے۔ دوسرے روز
 صلاح و مشورے سفر کے ہوئے انہوں نے صلاح دی کہ رام پور سے بہتر کوئی
 جامقر کی نظر نہیں آتی۔ میری شامت اعمال مجھے لکھنؤ بھیج کرے گی تھی۔ وہاں
 بھی وہی صورت پیش آئی جو دلی میں ہوئی تھی غرض کہ سب کی رائے اس پر قرار پائی۔
 کہ رام پور چلو۔ مگر چلیں کیونکر راستہ مسدود ہے رام پور اور بریلی کی سرحد پر پوچھے
 بندھے ہوئے ہیں۔ نو چلیں پڑی ہوئی ہیں۔

اور وہ وقت وہ ہے کہ بریلی میں سب طرف کے مفزورین کا اجماع ہے اور
 سب سردار مثل نانا، لاؤ اور فیروز شاہ وغیرہ اور دلی لکھنؤ کے آدمی جمع ہیں۔ رام پور کے
 تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردمان رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھکان

کا دوپٹہ سر سے بندھا ہوا ہے اور اس پر گولٹا لگا ہوا ہے۔ آدھا دوپٹہ سر سے بندھا اور
 آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکتا ہوا ہے اور چار چار ٹہنچے کمر میں لگے ہوئے
 دوسری تلواریں ڈاب میں لٹکتی ہوئی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کودا
 پھرتے ہیں۔ پچاس ہزار سوار کا اجماع بریلی میں موجود ہے اور سپاہ انگریزی کی آمد کی
 خبر چار طرف سے گرم ہے قصہ مختصر اس کے دوسرے روز ہم سات آدمی بریلی سے
 نکل کر رستہ کو چھوڑ کر جنوب کی جانب روانہ ہوئے اور یہ ارادہ کیا کہ غیر راہ سے رامپور
 داخل ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم بریلی سے روانہ ہو کر قصبہ آنولہ میں پہنچے اور وہاں ایک مسجد
 کہنہ میں جا کر مقیم ہوئے۔ آنولہ کے ایک مرد آدمی سن آکر ہم سے ملے اور تفتیش حال
 کرنے لگے بروقت دریافت حال وہی کلمات انہوں نے بیان کئے جو جنت فروش نے
 کئے تھے جنگ باز پھر کچھ کہا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ دھر دیا تھوڑی دیر
 نہ گزری تھی کہ دیکھتے کیا ہیں جنگل کی طرف سے دو سوار ہر سیمہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے
 چلے آتے ہیں اور اسی مسجد کی سیڑھیوں پر آکر گھوڑوں پر سے اترے اور گھوڑوں کو
 درخت سے باندھا۔ وہ مسجد میں داخل ہوئے۔ جب پاس آئے تو میں نے ان کو پہچانا
 کہ احمد خاں جنرل جھمپہر کے ہیں۔ اہل جنرل صاحب آپ کہاں۔ انہوں نے بیان کیا کہ کچھ
 کے گھاٹ پر میری مورچہ بندی تھی اور میں ہزار فوج سوار و پیادہ معہ توپخانہ جات وغیرہ
 میرے زیرِ حکم تھے جب انگریزی فوج دیانے گنگ سے اس طرف عبور کرنے لگی، تو
 میری فوج بغیر لڑے بھڑے بھاگنی شروع ہو گئی۔ ہر خیردو کا گیا لنگر کن سنا تھا اور
 سب ہم کو تنہا چھوڑ کر مفور ہو گئے فقط ہم دو باپ میٹھے رہ گئے تھے لاچار ہم بھی اپنی
 جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب یہ تقریر احمد خاں کی ختم ہوئی تو جنگ باز خاں

نے اُن پر مرد کو سلام کیا جو ہم کو لوٹا اور نامزد تار سے بچھے وہ حضرت اسی وقت اٹھ
 کر منتشر الحواس اپنے مکان کو روانہ ہوئے ہم لوگ اُسے اُس روز آلولہ میں قیام کیا۔
 دوسرے روز صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر مقام شاہ آباد عملداری رام پور کا ارادہ کیا
 وہ مقام آلولہ سے اٹھارہ کوس تھا۔ غرض کہ بارہ کوس راہ دن میں طے کی اور پھر تھک کر
 چوراہہ گئے چلنے کی طاقت نہ ہوئی پاؤں سو ج گئے تلووں میں آبلے پڑ گئے۔ جاٹوں۔
 کا ایک گاؤں تھا اُس گاؤں کے باہر تالاب کے کنارے پر ایک درخت کے نیچے
 ہم نے مقام کیا۔ اسی اثناء میں ایک مسلمان بنجار گاؤں میں سے پانی بھرنے آیا ہم کو دیکھ
 کر اُس نے کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں پڑے ہو۔ جاؤ اپنا رستہ لو۔ گاؤں والے تم کو
 دیکھیں گے تو مار ڈالیں گے۔ یہ لوگ مسلمان پٹھانوں کی جان کے دشمن ہیں۔ کیونکہ خان
 بہادر خاں کی عملداری میں جو لوگ ان پر حاکم رہے ہیں۔ انہوں نے اُن پر بڑے ظلم و
 ستم کئے ہیں اب یہ لوگ اپنا بدلہ لے رہے۔ ہم نے کہا کہ ہم بھی مرنے کو پھرتے ہیں
 مگر ہم ایسے سخت جان ہیں کہ ہمیں کسی طرح موت نہیں آتی۔ ہم خلا سے چاہتے ہیں کہ
 ہمیں کوئی جان سے مار ڈالے کہ اس روز کی مصیبت سے نجات حاصل ہو۔ وہ بنجار
 پانی کا گھڑا سر پر رکھ کر گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا اور آکر کہا
 کہ تم کو مقدم جی بلاتے ہیں۔ ہم نے جواب دیا ہم فقیر ہیں۔ ہمارا گاؤں میں کیا کام ہے
 ہمیں یہیں پڑا رہنے دے۔ رات کو سیر لے کر صبح کو چلے جائیں گے۔ اس شخص
 نے نہ مانا۔ اور ہم کو اپنے ہمراہ چوپال میں لے گیا وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ ایک شخص بڑا
 قوی سیکل جھان مار ڈھکی چڑھائے ہوئے ایک بہت بڑے ماچھے پر لیٹا ہے اور آگے
 اس کے ایک بہت بھاری لٹھ دہرا ہے اُس جو انہوں نے ہم کو دیکھ کر کہا اومیاں جی

بیٹھ جاؤ۔ برابر اس کی دوسرا مچا اونچے پاؤں کا بچھا ہوا تھا۔ اس پر ہم کو بیٹھنے کی اجازت دی۔ ہم بیٹھ گئے اور وہ عورت جو ہمارے ہمراہ تھی الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھی اس نے (مرد مالکِ دہ نے) ہم سے استفسار حال کیا ہم نے بیان کیا کہ ہم پر ویسی ہیں۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ تباہ و برباد ہو کر گھر سے نکلے ہیں۔ انگریزوں کے خوف سے جان بچائے پھرتے ہیں۔ رام پور جانے کا ارادہ ہے اس مردِ رحمِ دل نے ہمارے حالِ زار پر بہت تاسف کیا اور ہمارے منہ ماتھ دھلائے۔ تھوڑی دیر بعد مکی کی روٹیاں گھی سے چھڑی ہوئی اور دال اور ایک برنجی کا سے میں دودھ اور شکر منگوا کر ہمارے آگے رکھے اور ہم سے کہا کہ اچھی طرح خوب سیر ہو کر کھا لو اس نیک بخت عورت کے لئے علیحدہ روٹی منگوا دی۔ بعد تناولِ طعام کے ہم اُسی چوال میں جا کر سو رہے۔ صبح کو جب ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو اس مردِ بامروت نے ہم سے کہا کہ تمہارے پاؤں تو سوچے ہوئے ہیں۔ راستہ کیونکر طے ہوگا۔ اور اپنے گاڑیوں کو بلا کر کہا کہ ان کو گاڑی میں سوار کر کے شاہ آباد پہنچاؤ۔ علاوہ برین پانچروپیہ اور اپنے پاس سے نادراہ ہمارے حوالہ کئے۔ ہم نے ہر حیدر لینے سے انکار کیا مگر اس عالی ہمت نے ہرگز نہ مانا اور ہم کو سوار کر کے شاہ آباد پہنچا دیا۔ ہم نے خدا کی رزقِسانی کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا ہے

عَدُو شُد سَبَبِ خیرِ گَرِ خَدَا خواہد

اب ہم شاہ آباد میں پہنچے وہاں رام پور کی عملداری ریاست رامپور میں درود تھی اور رام پور وہاں سے بارہ کوس تھا اب ہم یہ مشورہ قرار پایا کہ آج تو یہیں قیام کرنا چاہیے صبح کو یہاں سے رام پور روانہ ہونگے

غرضکہ اُس دن اور اُس شب کو ہم دہلی مقیم رہے علی الصبح قبل از نماز میں ٹالے
 کر رفع حاجت کے واسطے ملر کے باہر کیا۔ ہنوز فارغ نہیں ہوا تھا کہ میں نے دیکھا
 مغرب کی جانب سے فوج کثیر چلی آتی ہے میں دم بخود ہوا۔ اور اُس فوج نے آبادی
 کے باہر اپنا قیام کیا اور دو توپیں سلامی کی سرکس میں فارغ ہو کر سڑکے میں آیا اور یہ
 ماجرا اپنے ہمراہیوں سے بیان کیا۔ اسی اثنا میں فوج کے چند آدمی سڑک میں داخل
 ہوئے اور گاؤں والوں پر تشدد کرنے لگے اور اکثر آدمی سڑک میں بھی آکر فروش ہوئے
 ہم ایک جانب کو ایک جھڑے میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ لڑکے اور جھڑوں میں آکر
 مقیم ہوئے۔ ہم نے باہم صلاح کی کہ آج کوچ کرنا مناسب نہیں کیونکہ انگریزی فوج
 کی آمد و رفت ہے مبادا ہم کو باغی تصور کر کے جان سے مار ڈالیں۔ ہم تو کل بخدا کے
 دہلی ٹھہر گئے کہ صبح کو یہاں سے کوچ کریں گے غرضکہ اُس روز اور اُس شب وہ
 فوج بھی دہلی رہی اور ہم بھی وہیں رہے ہم سے کسی نے کچھ مزاحمت نہ کی صبح کو فوج
 تو آلودہ کی جانب روانہ ہو گئی اور ہم رام پور کو چل نکلے۔ اثناءِ راہ میں جو سوارانِ مفزور
 بریلی کے اُس فوج کو ملے سب تیغ بیدیع ہوئے مگر ہم تو خدا کی عنایت سے صحیح
 سالم قریب شام رام پور پہنچے۔ دروازہ شہر میں سے شہر کے اندر داخل ہونا چاہا مگر
 دروازہ پر بندوبست تھا۔ دربانوں نے ہم کو مسافر سمجھ کر شہر میں نہ آنے دیا مجبور ہو کر
 دوسرے دروازہ شہر پر گئے وہاں بھی یہی کیفیت دیکھی حیران ہوئے کیا الہی اب
 کیا کیجے میر غلام عباس شہر کے حال سے خوب واقف تھے۔ وہ وہاں رہ کر لکھنؤ
 کو گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اور راہ سے تمہیں شہر میں لے چلوں۔ غرضکہ ایک جا سے
 بانسوں کی چار دیواری شہر کی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اُس طرف سے شہر میں داخل ہوئے

اب یہ فسر ہوا کہ شہر میں تو آگئے۔ اب کہاں قیام کریں میر غلام عباس نے کہا کہ ایک شخص میرا بڑا سہم علی نامی ولی کے رہنے والے یہاں رہتے ہیں ان کے مکان پر چلو پانچ چھ گھڑی رات گئے ان کے مکان پر پہنچے اور ان کو بلایا۔ وہ باہر آئے انہوں نے سب کو شناخت کیا مجھ سے اسی سے کچھ قرابت بھی تھی وہ گلے سے ملے اور ان کی ڈیوڑھی میں ہم سب بیٹھے۔ باہم حال پرسی ہوئی منور نے کیفیت بیان ہو رہی تھی کہ ایک فتنہ دیگر برخواست ہوا۔ ایک عورت ہمسایہ مکان میں یہ حال سن رہی تھی۔ کہ اک بارگی اس نے غل مچا یا کہ محلہ والو دوڑ واس سید کے گھر میں باغی لوگ آکر چھپے ہیں۔ ہر چند میرا بڑا سہم علی نے اٹھ جوڑے منتیں کی قسمیں کھائیں کہ یہ باغی نہیں ہیں میرے بھائی بند میں دلی سے آئے ہیں۔ وہ بد بخت کب سنتی تھی۔ آخر انہوں نے اس سے کہا کاجھ میں ان کو اور جا پہنچا دیتا ہوں تو خاموش ہو جا۔ وہ ہم کو ہمراہ لے کر اکیہ ایرانی کے مکان پر پہنچے اور ان سے جا کر بیان کیا کہ یہ لوگ میرے عزیز قریب ہیں آپ اتنی عنایت کریں کہ آج کی رات ان کو اپنے مکان پر مہمان رکھیں۔ صبح کو میں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے اور ہم شب کو وہیں رہے۔ صبح کو اٹھ کر ہم مکان سے باہر ہوئے میر غلام عباس سے کہا اب کیا تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ آؤ سب تو چل کر اجیت پور کی سڑک میں بیرون شہر قیام کریں تم کو ایک امیر ختم بہت کے مکان پر لئے چلتا ہوں اگر اس نے حامی بھری اور تم کو اپنے مکان پر ٹھیرالیا تو پھر نواب صاحب بھی نہیں نکال سکتے۔ غرض کہ اور سب کو تو سرائے اجیت پور کو روانہ کیا اور میں اور غلام عباس ان امیر صاحب کے مکان پر پہنچے۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ بڑا دروازہ ہے اور اس میں ایک بڑا دیوان خانہ ہے۔ اور ایک چوبی تخت بچھا ہوا ہے

اُس پر جاننا نہ بھی ہوئی ہے اور ایک مرد پر زورانی شکل بیٹھے ہوئے تیسرے پڑھ رہے ہیں۔ میر غلام عباس کو دیکھتے ہی بیتاب ہو کر وعدے سے ابے میاں غلام عباس تم کہاں چلے گئے تھے۔ تھکے سو یکھنے کو انکھیں ترس گئیں مگر منہ باہم مصافحہ کر کے ہم غنیوں شخص تحت پر بیٹھے میر غلام عباس سے اُن حضرت نے حال دریافت کیا انہوں نے ازاں بتلاتا تھا اپنے لکھنؤ جانے اور اس آنے کی کیفیت بیان کی پھر میری جانب مخاطب ہو کر ان بزرگوں نے فرمایا۔ ان کی تعریف بیان کیجئے میر غلام عباس نے کہا ان کا حال نہ دریافت کیجئے۔ آپ کو سننے کی تاب نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دلی کے رہنے والے ہیں اور عائد شہر سے ہیں مگر اب تو مصیبت نہ وہ مظلوم تید ہیں جب سید کا لفظ ان کی زبان سے نکلا تو وہ بزرگوار کریم الصفات اٹھ کر جھ سے بغلیں جوئے اور میر غلام عباس سے کہا کہ واسطے خدا کے تم مفصل حال بیان کرو۔ ان کی کیفیت سن کر میرے دل پر نہایت حد مرہ ہوا۔ میر غلام عباس نے بیان کیا کہ ظاں ظاں شخص ہیں اس مناصب کے لوگ ہیں گھر بار لٹ گیا۔ خانہ دیراں ہو کر اپنی جان بچائے پھرتے ہیں زمین بھی اپنے اوپر پاؤں رکھنے نہیں دیتی۔ اگر آپ سماعت نفازی فرما کے اپنے مکان پر ان کو تھوڑی سی جادیں اور کوئی دن ٹھہرائیں یہ آپ کے احسان مند ہونگے۔ یہ سُن کر وہ فرشتہ سیرت بولے میرے کہاں نصیب کہ پانچ یا چار بنی فاطمہ میرے فقیر خانہ پر مہمان ہوں۔ میری عین سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ یہ میرے مکان پر تشریف رکھیں اور اس کے ساتھ یہ امر بھی آپ یاد رکھیے۔ جب تک فصیح اللہ خاں کا جسم سلامت ہے کسی کا مقدور نہیں کہ ان کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ اُسی وقت حکم دیا کہ میری منجھولی لے جاؤ اور باقی صاحبوں

کو سوار کر کے لے آؤ۔ غرض کہ دیوان خانہ میں فرش کرادیا۔ خدمتگارانوں سے کہہ دیا
خدمت میں حاضر ہو اور گھر میں کھانا تیار کرانے کا حکم بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے
والد اور بھائی اور بہنوئی بھی آگئے۔ نواب صاحب سب سے ملے اور بہت خوش
ہوئے اور کھانے کے واسطے گھر میں کہہ دیا کہ دونوں وقت تیار کر کے بھجوا دیا کرو۔
غرض کہ اب فضل الہی شامل ہوا اور اس دشت گردی صحرا نوردی سے نجات پا کر
ایک امن کے گنبد میں ہم ہو بیٹھے۔ دو تین روز کے بعد اس رئیس مسافر نواز نے
یہ اور احسان کیا کہ نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے پاس گئے۔ نواب
صاحب نے پوچھا دادا صاحب آج آپ کس طرح تشریف لائے کہا کہ میں تمخہ
بے بہا آپ کے واسطے لایا ہوں۔ نواب صاحب بہادر نے پوچھا کیا تمخہ ہے
نصیح اللہ خاں صاحب نے کہا زادِ عقبے۔ نواب صاحب نے دریافت کیا کہ زادِ
عقبے کونسا ہے کہا کہ پانچ شخص بنی فاطمہ کو میں نے اپنے مکان پر پناہ دی ہے۔
تم سے اس بارہ میں امداد کا خواستگار ہوں تاکہ تم اس کا رخیہ میں شریک ہو۔ وہ
یہ ہے کہ یا تو تم صاف مجھ سے کہہ دو کہ تم ان کو اپنے مکان پر نہ رکھو تو میں ان
کو رخصت کر دوں یا حمایت کرو تو پوری کرو۔ بعد چار دن کے اگر تم ان کو گرفتار کر
کے انگریزوں کے سپرد کر دو تو یہ مجھ سے گوارا نہ ہو سکے گا۔ جب میرا سرکٹ جا بیگا
جب کوئی انکی کو ہاتھ لگائے گا۔ نواب صاحب بہادر نے فرمایا کہ بھلا دادا صاحب
میں ایسا شخص ہوں کہ سادات میرے گھر پر آکر پناہ پذیر ہوں اور میں ان کو آگے
دے کر قتل کر دوں۔ ہرگز مجھ سے نہ ہو گا بشرطیکہ بریلی میں نوکری نہ کی ہو ویرج اللہ
نے قسم کھائی کہ نہیں حضرت انہیں نوکری سے کیا تعلق وہ تو دلی کے آدمی ہیں۔

بادشاہی ملازم وہ بریلی میں کیا لوکری کریں گے۔ شاید تم ان لوگوں کے نام و نشان
 سے واقف ہو کیونکہ دلی میں بہت دنوں تک رہے ہو۔ جب فصیح اللہ خاں صاحب
 نے نام بتائے عہدے بتائے نواب صاحب نے فرمایا میں سب سے واقف ہوں
 کوئی بناوت پیشہ نہیں ہے۔ شوق سے اپنے گھر میں رکھو اور ان کا اطمینان کرو دو
 کہ اب کسی طرح کا تم کو جان کا اندیشہ نہیں میں سمجھ لوں گا۔ بریلی کا فیصلہ ہونے کے
 بعد میں خود تمہاری صفائی انگریزوں سے کرادوں گا اور معافی نامہ دلا دوں گا۔ چپن
 سے یہاں بیٹھے رہو۔ یہ باتیں کر کے فصیح اللہ خاں صاحب وہاں سے خوشی خوشی مکا
 پر آئے اور ہم سب سے کہا کہ لو مبارک ہو میں نواب صاحب بہادر سے تمہاری
 صفائی کر آیا۔ نواب صاحب بہادر نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں انگریزوں سے معافی
 نامہ دلا دوں گا۔ جہاں جی چاہے رہو۔ کوئی مزاحم نہ ہو گا۔ غرض کہ اس امر کے بعد
 ہم کو اطمینان کلی حاصل ہو گیا۔ اور اپنے بے خوف و خطر رہنے سہنے لگے۔ داغ صاحب
 کو خبر ہوئی۔ وہ اسی روز آکر ملے انہوں نے چمن سلوک کیا کہ مجھے اور میرے چھوٹے
 بھائی امراؤ مرزا انور کو صاحبزادہ محمد رضا خاں صاحب داماد نواب یوسف علی خاں
 صاحب مرحوم کی سرکار میں نوکر رکھوا دیا۔ صاحبزادہ موصوف کے مکان پر مشاعرہ
 ہوتا تھا اور منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم آکر نواب کی غزل اور اپنی غزل پڑھا
 کرتے تھے۔ صاحبزادے محمد رضا خاں صاحب نے فرمایا کہ تم بھی غزلیں لکھو ہم
 نے سہرچند لکھا کیا کہ منور ہمارے اوسان درست نہیں ہیں مصیبت زدہ ہیں
 کیا غزل لکھیں گے۔ مگر صاحبزادے صاحب موصوف نے زیادہ تر اصرار کیا ناچا
 ہم نے غزلیں لکھ کر مشاعرہ میں پڑھیں پس اسی روز سے تمام رام پور میں ہمارے

کلام کی شہرت ہو گئی۔ خلقت نے ہماری گرویدگی اختیار کی۔ نواب صاحب بہادر
 نے حسب وعدہ بریلی میں جا کر صاحبان انگریز سے صفائی کا سارٹیفکیٹ حاصل
 کر کے ہمارے پاس بھجوا دیا۔ عرصہ چار سال کے قریب ہم رام پور میں رہے انہیں
 ایام میں ہمارے گھر کے آدمی بھی پانی پت سے رام پور پہنچ گئے ۔



چٹا باب

وطن کو مراجعت

نواب فیض اللہ خاں صاحب جن کے اوصاف حمیدہ اوپر بیان ہو چکے ہیں یہ نواب فیض اللہ خاں بہادر مرحوم کی اولاد میں سے تھے اور نواب یوسف علی خاں بہادر نواب رام پور کے رشتہ کے عا دا ہوتے تھے۔ زمانہ قیام رامپور میں جب میرے گھر کے آدمی میرے پاس پہنچے ہیں تو ایک سال بعد میرے گھر میں راجا کا پیدا ہوا۔ اور ان کا نام سہادر مرزا رکھا گیا۔ وہ بچہ سات مہینے کا تھا جب اشتہار واکذاشت جائداد دہلی کا میرے پاس پہنچا اور مضمون اشتہار یہ تھا کہ سرکار نے کل رعایا کا قصور معاف فرمایا جس جس کی جائداد دہلی میں ہو وہ آکر سرکار میں عرضی گزارنے بعد تحقیقات اس کو سارٹیفکیٹ وراثت کا دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی خوشی میں میں رام پور سے دہلی کو آیا تو اس زمانہ میں ہملٹن صاحب کمشنر تھے اور رامپور بہادر ڈپٹی کمشنر دہلی تھے مگر یہ دونوں حاکم ایسے رحم دل منصف و عادل رعایا پر و ہر واد گستر تھے کہ ان کی تعریف میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں

بہادروں نے دلی کو آکر آباد کیا اور خلقت کو شہر میں بسایا اور وہ رعیت نوازی فرمائی
 کہ رعیت کے دل سے سب رنج و غم زمانہ غدر کا بھلا دیا میں نے شہر آشوب میں
 کو پر صاحب بہادر کی تحریف میں ایک بند لکھا ہے فی الحقیقت وہ بیان واقعی ہے
 اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے یا تو وہ زمانہ تھا سرکار کا نائرہ قہر و غضب التہاب پر تھا
 اور مدد ماغیر چھوٹے ہوئے تھے۔ اور جا بجا سے دلی کے آدمی گرفتار ہو کر دلی میں
 چلے آتے تھے اور دلی میں تین پھانسیاں گڑھی ہوئی تھیں۔ ہر روز سینکڑوں پھانسی
 پر کھینچے جاتے تھے اور ٹکافت صاحب شکار کھیلنے پھرتے تھے جس کو جوان دیکھتے
 تھے پیچھے سے شکار کرتے اور کچھ پریش تصور بے تصور کی نہ تھی چنانچہ بہت سے
 آدمی بے تصور دلی کے مشرق و مغرب میں اکثر امیر زادے اور نام آور اشخاص تھے مثل
 نواب محمد حسین خاں اور نواب مظفر الدولہ اور میر محمد حسین وغیرہ سکنا کے محلہ ٹلی ماراں
 اور سے گرفتار ہو کر دلی کو آتے تھے جب مقام گڑ گاؤں سے میں پہنچے تو حاکم ضلع نے
 حکم دیا کہ ان کا دلی لے جانا کچھ ضرورت نہیں ہے ان کا یہیں فیصلہ ہو جانا چاہیے
 اور ان غریبوں کو وہیں باڑیں مار دی گئیں اور ان کا کام تمام کر دیا۔ دلی میں ہزاروں بگینا
 پھانسی پاگئے اور بادشاہ کو قید کر کے مسجد نبوت محل سکیم و جوان بخت و شاہ عباس
 وغیرہ شاہزادگان خورد سال کو مملہ بادشاہ رنگون میں لے جا کر نظر بند رکھا گیا۔ یا ایک
 زمانہ یہ دیکھنے میں آیا کہ نواب وائسرائے لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل ہو کر ولایت
 لہ یہ وہی لارڈ لارنس ہے جو غدر کے ایام میں پنجاب کے فٹنٹ گورنر و چیف کمشنر تھا۔ لارڈ
 ایلیگن کے سرنے پر ۱۸۶۲ء میں اسے ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ بادشاہ کے مقدمہ میں کمیشن
 کے فیصلہ پر اسی نے ریویو لکھا تھا اور بادشاہ کو جلاوطن کرنے کی سفارش کی تھی (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۹)

سے ہندوستان کو آئے اور حکام ماول رحمدل مقرر کئے گئے اور رعیت کو مثل اولاد کے چھاتی سے لگایا گیا اور جا بجا سے بلما کر دی میں آباد کیا گیا اور سب کی جائداد و اگشت فرمائی۔

یہ وہی فوٹ صاحب ماکم گڑگانوں تھے جنہوں نے گرفتار لان اور کوٹا راہ میں تہ تیغ کیا تھا اب مقام کجلی بن میں متصل سلی بہت پہنچ کر اسماعیل خاں جرنیل کی معرفت تمام باغیان باغیہ فوج کا قصور معاف فرمایا۔ اور گھوڑے اور ہتھیار لے لے کر ساڑھے ایک معافی قصور کے تقسیم کئے اور ان کو گھروں کو روانہ کیا میں ان روزوں میں مقام رامپور میں مقیم تھا جب یہ معاملہ پیش آیا ہے اور اسماعیل خاں جرنیل فوج باغیہ رام پور میں آئے ہیں اور ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ ان کی زبانی یہ سب حال مجھ کو معلوم ہوا اس وقت تک چالیس ہزار فوج باغیہ نے جو مسلح کجلی بن میں موجود تھی ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ سب انقلابات میری نظر سے گزرے ہیں۔

قصہ کوآہ جب میں دہلی میں وارد ہوا ہوں اور کوہ صاحب بہادر تلاش معاش سے مل کر اپنے مکانات و گزاشت کرانے ہیں تو اس کے بعد

میرے والد بزرگوار سب اہل و عیال کو ہمراہ لے کر دہلی میں آ گئے اور امراؤ میرا میرے چھوٹے بھائی کو مولوی رجب علی خاں صاحب چھاپے خانہ میں کتابت پر بچا پس و پیہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸) غدر کے نام میں اسی نے پنجاب سے سکھوں کی فوجیں دہلی بھیجی تھیں۔ ان خدشات کی وجہ سے اس کے گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ اس نے دہلی میں سرکر کو پر حکم اٹھائے مقرر کیا۔ اور غدر کے زمانے کے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو دہلی میں آکر آدھونے کی اجازت دے دی۔

(تخلیر)

مہوار کا نوکر رکھ کر مقام جگراؤں ضلع (دھیانہ) کو لے گئے اور والد بزرگوار میرے چھوٹے
 بھائی کے ہمراہ گئے۔ میری یہ کیفیت تھی کہ میں بے روزگار تھا۔ ہمراہ اہل و عیال اور میری
 خوش دامن و خیر اہل میں اپنی سسرال کے مکانات میں مقیم تھا۔ اس لیے مجھے اور فکر و انگیز
 ہوا کا الہی دلی میں تو آیا مگر سب اوقات کی کیا صورت کی جائے اور وہ زمانہ قحط صالی
 کا تھا آٹھ سیر کا نرخ غلہ کا تھا۔ مگر خدا رزاق ہے میری سمجھ میں ایک بات، آگئی۔ کچھ حیلہ
 کر کے روٹی پیدا کرنی چاہیے۔ ان دونوں ریل وہلی میں نہیں آئی تھی۔ کاسٹ میل پر
 ڈاک روانہ ہوا کرتی تھی۔ اور ڈاک خانہ کے گھوڑے بہت مر گئے تھے۔ ڈاک خانہ میں
 گھوڑوں کی بہت خواستگاری تھی۔ میں نے گھوڑوں کی تلاش کی ایک گھوڑا قلعہ میں
 ایک انگریز کے پاس تھا۔ میں نے اس ایک نے شریک ہو کر وہ گھوڑا چودہ روپیہ کو خرید
 کیا۔ اسے لے کر ہم دونوں ڈاک خانہ میں پہنچے۔ ستر روپیہ کو وہ بکا۔ مالک کے چودہ
 روپیہ مالک کو دے دیئے۔ منافع ہم دونوں نے برابر تقسیم کر لیا شام کو آدھے آدھے
 روپیہ لے کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ پھر تو ہم دونوں آدمیوں کو یہ مزہ بڑا کہ علی الصبح
 اپنے اپنے گھروں سے دعا مانگ کر نکلنے تھے یا رزق مطلق تو روزی دینے والا ہے
 دن بھر شہر میں گھوڑے تلاش کرتے ایک دو گھوڑے ہم کو مل جاتے ہم رزناں قیمت
 پر خرید کرتے اور گراں قیمت میں ڈاک خانہ میں جا کر فروخت کر آتے تھے روز خداوند
 عالم ہم کو دس پندرہ روپیہ محنتانہ کے دلا دیتا تھا۔ شام کو خوشی خوشی اپنے گھر چلے
 لے ضلع دھیانہ میں مقیم تھے۔ جہاں ارسطو جہ میر مولوی رجب علی خاں بہادر میرنشی گورنر جنرل
 کا خاندان آباد تھا۔ یہ خاندان ستمبر ۱۹۴۷ء کے انقلاب تک یہاں آباد رہا۔

آتے تھے۔ ہم کو قحط سالی معلوم بھی نہ ہوتی تھی کہ کئی روز کے بعد ایک گھوڑا پھر ہم
 نے تیرہ روپیہ کو خریدا اور وہی ستر روپیہ کو جا کر ٹاک خانہ میں بیچا۔ اسی طرح خدائے
 تعالیٰ ہم کو منافع دلانے جاتا تھا۔ اور وجہ یہ تھی کہ باعث قحط سالی کے لوگوں کو
 گھوڑے کا رکھنا دشوار معلوم ہوتا تھا لامحالہ ارزاں قیمت پر فروخت کر دیتے تھے۔
 ایک روز کا مذکور ہے کہ ہم دوپہر تک متلاشی رہے۔ کوئی گھوڑا ہم کو دستیاب ہوا
 دوپہر کو کنچنیوں کی گلی میں گزرتے تھے کہ یکایک ایک شخص نے ہم سے کہا کہ ہمارے
 پاس ایک گھوڑا بہت عمدہ ہے۔ اگر تم خرید کر دو ہم فروخت کرتے ہیں۔ ہم دونو
 آدمیوں نے اُس شخص کے ہمراہ جا کر گھوڑے کو دیکھا۔ واقعی گھوڑا خوش قوم ترکی
 بخارا کا تھا اسی روپیہ کو ہم نے وہ گھوڑا خرید کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے مالک کے
 حوالہ کئے اور اتفاقاً کا وعدہ کیا کہ شام کو زر قیمت ادا کر دیں گے اور خدا پر توکل کر کے
 گھوڑا اٹھوا کر ہم لے کر چلے جب تک شہر کا کابلی دروازہ برقرار تھا مگر مکانات انہدام
 کرائے جا رہے تھے۔ جب ہم کابلی دروازہ میں پہنچے تو ایک چہرہ اسی ہم کو ملا اس نے
 پوچھا کیا گھوڑا بکاؤ ہے ہم نے کہا ہاں بیچنے کا ہے چہرہ اسی نے کہا تم دروازہ کے
 باہر جاؤ۔ ہمارے صاحب کی پٹن پڑی ہوئی ہے۔ وہ پلٹن کے کپتان ہیں تم ان کا
 ڈیرہ دریافت کرو ان کو ایسے گھوڑے کی تلاش ہے۔ وہ دیکھتے ہی فوراً خرید لینگے
 ہم شہر سے باہر نکل کر انہیں صاحب کے ڈیرے کے پاس پہنچے کہ صاحب خود ہی
 ڈیرے سے برآمد ہو گئے اور ہم سے پوچھنے لگے کہ گھوڑا بیچتے ہو ہم نے جواب
 دیا۔ ہاں صاحب بیچتے ہیں۔ پھر لو چھپا یہ شوخی تو نہیں کرتا ہے ہم نے کہا نہیں صاحب
 یہ ترکی ہے شوخی کیا جانے۔ کہا ہم اس پر سوار ہوں ہم نے کہا۔ بیشک سوار ہو

دیکھ لیجے۔ صاحب انگریزی زین بندھوا کے اس پر سوار ہوئے گھوڑا نہایت قدیم
 خوش رفتار تھا۔ صاحب بہت خوش ہوئے۔ گھوڑے پر سے اتر کر قیمت پوچھنے
 لگے۔ ہم نے چار سو روپیہ قیمت بیان کئے۔ وہ بڑے قیمت زیادہ ہے۔ واجبی دام
 کہنے چاہئیں۔ بعد ازاں یہ کہا ہمارے پاس ایک گھوڑا ہے وہ گھوڑا ہم سے لیلو
 باقی کی قیمت لے لو۔ ہم نے کہا وہ گھوڑا ہمیں دکھاؤ۔ وہ گھوڑا منکا کر دکھایا گیا وہ قبی
 وہ بھی جوان تھا۔ اچھا تھا مگر اتنی بات تھی کہ قوم کا تاناری تھا۔ بہر حال وہ گھوڑا اور سو
 روپیہ نقد ہم نے لئے اور اپنا گھوڑا ان کے حوالہ کیا۔ ہم سو روپیہ اور وہ گھوڑا لے کر
 شہر میں آئے تھے کہ گھوڑے کی قیمت کے روپیہ مالک کو چل کر دے دیں۔ اسی
 کاہلی دروازہ کے اندر داخل ہوئے تھے کہ سامنے ایک کمرہ میں سے ایک بوڑھے
 صاحب نے ہم کو آواز دی کہ تم گھوڑا بیچتے ہو ہم نے کہا ہاں بیچتے ہیں وہ کمرہ سے
 نیچے اتر آیا اور گھوڑے کو دیکھ کر پسند کیا اور وہی معاملہ یہاں بھی پیش آیا جو صاحب
 بہادر سے پیش آیا تھا یعنی یہ صاحب بھی بولے کہ ہمارے پاس ایک گھوڑا ہے اس
 گھوڑے کو اس گھوڑے سے بدل لو اور باقی قیمت کے روپیہ لے لو وہ گھوڑا بھی
 جوان تھا۔ ٹاٹھ پاؤں سے صاف۔ بے عیب مگر ہمارے گھوڑے سے کسی قدر لاغر
 تھا قصہ مختصر سو روپیہ اور وہ گھوڑا لے کر ہم نے اپنا گھوڑا ان کے حوالہ کیا۔ وہاں
 سے چل کر ہم نے پہلے گھوڑے والے کی قیمت کے روپیہ ادا کئے۔ اس اثنا میں
 شام ہو گئی جو کچھ روپیہ منافع کے تھے وہ برابر تقسیم کر لئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر
 میں اپنے مکان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں سے دانہ گھاس اکاڑی پچھاڑی مسخیں وغیرہ
 اپنے ہمراہ لیتا ہوا مکان پر پہنچا۔ اور گھوڑے کو لگا دیا۔ گھوڑے کو دانہ خوب شکم سیر

کر کے کھلایا۔ اور گھاس آگے ڈال دی۔ شب کو اپنے گھر میں آرام کیا۔ دوسرے دن صبح کو ڈاک خانہ میں لے جا کر پچتر روپیہ کو اسے بھی فروخت کر دیا۔ خدا کی دین کو دیکھا چاہیے کہ ایک گھوڑے میں اور ایک ہی دن میں ہم کو دو سے روپیہ منافع دلا دیئے غرض کہ جب تک قحط سالی رہی مجھ کو معلوم نہ ہوا کہ گرانی کیا شے ہے۔ بعد سال بھر کے وہ گھوڑوں کی خریداری بند ہو گئی اور میرے والد میرے چھوٹے بھائی امراؤ مرزا کی شادی کرنے کے لئے پانی پت میں آئے اور اس کی شادی کر کے اسے پانی پت میں چھوڑ کر میرے پاس دلی میں چلے آئے اور اتنے ہی بیمار ہو گئے۔ ادھر میں بیمار ہو گیا اور دونوں کو شدت سے بخار آتا تھا۔

اُسی حالت بیماری میں بنارس و اس نواحی نے
مہاجن نے ناش کر دی اپنے قرضہ کی ناش مجھ پر اور میرے والد پر کر دی

اور وہ قرضہ زمانہ غدر سے پہلے کا تھا جو شادیوں میں لیا گیا تھا۔ اور جو سود و سود لگا کر دو ہزار کے قریب کر دیا گیا تھا میں اور میرے والد دونوں بیمار تھے کوئی جواب دہی کرنے والا نہ تھا۔ یکطرفہ ڈگری ہو گئی۔ اس اثنا میں میرے والد نے انتقال فرمایا۔ میں ایک تو بیمار تھا اس پر یہ صدمہ عظیم واقع ہوا زیادہ تر بیمار ہو گیا تھا نیز تجہنیر و تکفین تو ان کی فہم میں آئی مگر میری زندگی کے لالے پڑ گئے۔ میں تین ماہ میں خدا خدا کر کے تندرست ہوا تو اجرائے ڈگری ہو کر مکانات کے نیلام کا حکم چڑھ چکا تھا وہ مکانات جو دس ہزار روپیہ کی قیمت کے تھے۔ دو ہزار میں نیلام ہو کر قرض خواہ کو دلا دیئے گئے ایک حبہ مجھے دستیاب نہ ہوا۔ اب تندرست ہوا تو فکر معاش کی ہوئی خدا کی قدرت سے ان روزوں میں میانیا ٹھیکہ چنگی کا دلی میں ہوا تھا۔ میں تھوڑی سی

تنخواہ کا چنگی (پون ٹوٹی) میں نوکر ہو گیا اور اسی زمانہ میں حکیم احسن اللہ خاں نے مجھ سے قصہ ممتاز لکھوایا دس روپیہ جزو کی اجرت پر میں نے قصہ ممتاز فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ بعد سال بھر کے جب پون ٹوٹی کا ٹھیکہ تبدیل ہوا اور دوسرے ٹھیکہ داروں کے حالہ کیا گیا تو انہوں نے اپنا عملہ بھرتی کیا میں معزول ہو کر خانہ نشین ہوا۔ چند روز کا پی نگاری پر بسر وقات کی مگر انہیں دنوں میں اخبار جلوہ طور جو بلند شہر سے نکلتا تھا میں اس کا ایڈیٹر ہو کر بلند شہر چلا گیا۔ اس اخبار نے بہت ترقی پائی۔ وہ اخبار ریاست اور میں بھی جاتا تھا۔ اور مہاراجہ شودان سنگھ والی ریاست اور کے ملاحظہ سے گذرتا تھا۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ اس اخبار کا ایڈیٹر کون ہیں اور کون لکھتا ہے اتفاق سے میرے ایک دوست مرزا علی نقی صاحب تحصیلدار موجود تھے انہوں نے میل نام بتایا۔ اور حال بیان کیا۔ مہاراجہ صاحب بہادر نے فرمایا کہ اسے یہاں بکواؤ۔ ہم نوکر رکھ لیں گے۔ نعرہ انہوں نے مجھے لکھا کہ تم نوکر چھوڑ کر یہاں چلے آؤ۔ یہاں مہاراجہ صاحب بہادر بہت قد وانی فرمائیں گے۔ پہلے دو چار بار میں نے عذر کئے۔ مگر انجام کشش آب و وطن سے منہاجب اللہ ایسی صورت واقع ہوئی کہ لامحالہ میں اور جانے پر مجبور ہو گیا اور خواہ مخواہ جانا ہی پڑا۔ ادھر میرے عزیز میر ہمدی حسین صاحب مجروح اور میر سرفراز حسین صاحب وٹاں موجود ہی تھے میں اور امر اور مرزا دونوں اور میں پہنچے اور مہاراجہ صاحب کو زندہ گذرانی +

ساتواں باب

ریاست الوری کی ملازمت

ریاست کے حالات

ہمارا جہ صاحب نہایت درجہ کے خوش بیان۔ شیریں گفتار خوش تقریر۔ تھے
 اثنار گفتگو میں فرمانے لگے ہیں میوات کا رئیس ہوں تم دلی کے رہنے والے۔ پلاؤ
 قلیہ کے کھانے والے ہو۔ میرے ہاں تو موٹھ باجر کی روٹی ہے۔ اگر قبول کرو۔ تو
 بسم اللہ حاضر ہے میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ یہ جو باجرہ پلاؤ قلیہ سے بہتر ہے
 ہزار نعمت کے برابر ہے۔ اگر ایک وقت بھی مجھے روٹی ملے جائے گی تو حضور کا دامن
 نہ چھوڑوں گا۔ پھر فرمایا اگر مفصلات میں روزگار چاہو تو وہاں تنخواہ کثیر ممکن ہے۔
 مگر چار کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا اور اگر حکام بالا دست تمہارے شاکی ہوں گے
 تو مجھے پاسداری سرشتہ کی کرنی پڑے گی۔ تمہاری روایت ملحوظ نہ ہوگی اور اگر
 میرے پاس رہنا چاہو تو تنخواہ قلیل ہوگی اور میل ہی محکوم بن کر رہنا پڑے گا۔
 دوسرا حاکم اور نہ ہوگا۔ میں نے عرض کی حضور کی خدمت میں رہنا مفصلات سے

ہزار درجہ بستر سمجھتا ہوں۔ غرض کہ اُسی روز میں اور میرا چھوٹا بھائی ملازم ہو گئے۔ دفتر میں چہرے لکھا دیئے گئے۔ ایک ایک پیش قیمت گھوڑا خالص طوبہ میں سے ہمارے لئے تعینات ہو گیا شبانہ روز خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ عجب عیش عشرت سے بسر ہوتی تھی کہ کوئی رنج و فکر پاس نہ آتا تھا۔ مصرع نے نسیم و زونے غم کالہ دلی رات منہی تہقے۔ دل لگی۔ گنجفہ۔ چوسر۔ ناچ۔ رنگ میلہ۔ تماشا۔ سیر۔ شکار میں زندگی بسر ہوتی تھی۔ جہاں ہمارا ج سوار ہوتے تھے ہم لوگ اردل میں ساتھ رہتے تھے۔ بین بکس آدمی شریف زادے فوجوان۔ خوشخو۔ خوش پوشاک فراہم ہو گئے تھے باہم اتفاق تھا۔ ہمارا جہ کو خوش و خرم رکھتے تھے۔ ہمارا ج کو بھی ہم لوگوں سے وہ انس و محبت تھا کہ دم بھرا پیسے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اچھے سے اچھا لباس پہنتے تھے اور ہر تقریب میں انعام اکرام خلعت وغیرہ ملتے رہتے تھے۔ عجب ایک صحبت رنگین فراہم ہوئی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارا جہ شودان سنگھ بہادر والی اور بیکنٹھ باشتی نے جو عیش و عشرت اور داد و دہش فرمائی وہ ابوالحسن بنانا شاہ کو بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ اس چھوٹی سی ریاست اور کا جوجاہ و تہمل میں نے دیکھا۔ وہ بڑی سے بڑی ریاستہائے ہندوستان میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ اول تو ہرن کا صاحب کمال ایسا الور میں موجود تھا کہ جس کا ہندوستان تو کیا مالک غیر میں بھی جواب نہ تھا۔ آغا صاحب سا خوشنویس میر پنجہ کش مرحوم کا شاگرد جس نے لاکھ روپیہ کی تیاری کی گلستان لکھی۔

نادر اشیار | ابراہیم شمشیر ساز جس کی صناعی کی تمام ہندوستان میں دھوم تھی ایک ایسی تلوار بنائی ہے کہ تمام جسم میں اس تیغ کے بجائے

جو ہر موتی نصب تھے جس وقت ہاتھ میں علم کر دے سب مروارید سمٹ کر قبضہ میں آ جاتے تھے۔ اور حیب تلوار کا ہاتھ مار دے تو وہ موتی دوڑ کر بجائے جو ہر تمام تلوار پر کھل جائیں۔ وہ تلوار میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی۔ اُس کے سوا اور بہت بہت نایاب تلواریں اس کے ہاتھ کی سلخانہ میں دیکھنے میں آئیں۔ ایک تلوار میں سے تین تلواریں برآمد ہوتی تھیں۔ ایک بنجار مستری نے ایک پانچ گز دراز۔ ڈیڑھ گز عریض چاندی کی ایک میز تیار کی تھی۔ اور اس میں ایک صنعت ہوئی تھی کہ جب سامنے کے رخ سے اُس میں کبھی پھیر دے تو ایک طلسم کا کارخانہ نمودار ہوتا تھا۔ یعنی اس میز کے ایک جانب ایک بارہ دری بنائی تھی۔ اور اس کی پشت پر پہاڑ بنایا تھا۔ اور آگے بارہ دری کے منظر میں ایک نہر بنائی تھی۔ اور دونوں جانب باغ لگائے تھے جس وقت اس کی کل کو مروڑا جاتا تھا۔ تر بارہ دری کے اوپر اور پہاڑ پر برابر آتا معلوم ہوتا تھا۔ اور اُس میں گرج پیدا ہونے اور گرجنے کی آواز آتی تھی۔ اور بجلی چمکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور حینہ برستا دکھائی دیتا تھا اور اس نہر میں پانی لہریں لیتا ہوا چلا آتا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی پھلیاں لال سبز رنگ کی اس میں نظر آتی تھیں۔

گتے | شکار خانے میں جو بھنگیوں کا فاروغہ نوکرتھا۔ اس کو یہ کمال حاصل تھا کہ بازاری کتوں کو شیر سے لڑا دیتا تھا۔ اور وہ کتے شیر کو مار لیتے تھے بارہ شکار شیر میں یہ کیفیت نظر سے گزری ہے۔ اُس کا قاعدہ تھا کہ جب کتوں کے بچے ہوتے تو وہ زبردست پتے پکڑوا لایا کرتا تھا۔ اور ان کو پرورش کر کے موٹا کرتا تھا اور جس دن شکار شیر کا حکم پہنچتا۔ اسی روز وہ پانچ چار جوڑی کتوں کو ایک ہلاس کی پڑیا لٹکھا دیتا تھا۔ اُس ہلاس کا سونگھنا اور کتوں کا آپس سے باہر ہونا اور شیر کی

بُوکی اُن کو جھٹو ہو جاتی تھی۔ اور دورہ کے اٹھ میں قیاب رہتے تھے جب تک
شیر پر اُن کو نہ چھوڑا جائے اور جہاں وہ چھوٹے اور شیر کی بو پر لپکے جہاں
شیر کو پایا وہ چپٹ کئے اور چھپرے اڑا دیئے۔ اُس میں ایک دو کتے مارے بھی
جاتے تھے۔ بلا سے کچھ غم نہیں بازاری کتا ہے کچھ قیمتی نہیں پچاس ساٹھ کتا ہمیشہ
کتے خانہ میں تیار موجود رہتا تھا۔

اصطبل جیسا اور میں دیکھا کسی ریاست میں نہیں دیکھا۔ خاص طریقے
گھوڑے میں ساڑھے چار سو گھوڑا ران سواری کا ایک سے ایک اعلیٰ تیار

مرتب سائنتہ ہزار کا دو ہزار کا۔ چار ہزار کا۔ پانچ ہزار تک ہر وقت موجود رہا پانچ سو و پیر
سے کم قیمت کا ایک نہ تھا۔ بلکہ اسپ تو رخانہ زاد تھا۔ اس کی نسبت ہمارا ج نے ایک
بار سوداگران سے میرے سامنے کہا تھا۔ کہ اگر اس کے ساتھ کا دوسرا گھوڑا مجھ کو
لا دو۔ تو میں پچاس ہزار روپیہ دیتا ہوں۔ اسپ سو را اور اسپ بے نظیر و نو بھائی تھے
خانہ ردان کے ماں باپ دونوں کا ٹھیاوار کے تھے۔ اور اسپ من پیارا اور اسپ
من مراد یہ بھی خانہ زاد تھے۔ ان کے باپ علیحدہ تھے۔ یہ جس قدر خاصوں کی تعداد
میں نے اوپر بیان کی ہے۔ یہ ہر قوم کے اور کھیت کے تھے ان میں کا ٹھیاواری
اور مارواری ان کے علاوہ کبھی خانہ کی گھوڑیاں جدا گانہ تھیں۔ اٹھارہ سو سوار
خانگی رسالہ کے تھے۔ جن میں گھوڑے راج کے اور سوار بار گیر تھے رسالہ کے چھپے
دوسانڈ کا ٹھیاواری رہا کرتے تھے۔ کہ وہ رسالہ کی گھوڑیوں پر ڈالے جاتے تھے اور
ان کے بچے جو ہوتے وہ الگ پرورش پاتے۔ اچھے چھانڈ کر خاص طریقے میں
داخل ہوتے باقی رسالہ میں بھرتی کئے جاتے۔ علی ہذا القیاس گھوڑیاں غمدہ

بگھی خانہ میں۔ باقی سواران میں تقسیم ہو جائیں وقت سواری جس وقت وہ خاص کوتل
 نکلتی ہے۔ عجب اک شان و تجمل ہوتا تھا کسی گھوڑے پر چاندی سونے کا جڑاؤ
 ساز۔ پہیوں پر سنہری پاکھریں۔ کہنیوں پر جھانجن کے کڑے گلے میں رو پہیلی۔
 سہری سیکلیں بطنوں کے کرمانگے ہوئے زیر بند بھاری منفرد زر و زنی کام کے
 غاشیے پڑے ہوئے چاکروں کے ہاتھوں میں کھیتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہ معلوم
 ہوتا تھا پرستان سے پریاں ناچتی ہوئی چلی آتی ہیں۔ اب صطبل تو ہندوستانی
 راستوں میں کہیں نہیں دیکھنے میں آتا جس میں اس قدر گھوڑے خاصے ہوں۔ ہاں
 سلطان روم یا شاہ ایران کے ہاں ہو تو ہو۔

سواری روزمرہ شیودان نگھ کی اس شان و شوکت سے نکلتی تھی کہ کسی رئیس
 کی جلو سے سواری نہ نکلتے گی۔ شام کو دو گھڑی دن باقی رہے آدمیوں نے پوشاک
 بدلی اور دستار بند کے ہاتھ کا پیچا بند ہوا ہلکے رنگ کے یا تو دستار یا مندریل
 پر رکھے اور عطر کے کنڑوں کی کشتی آئی۔ اس میں سے ایک کنڑ اٹھا لیا اور اس کے
 بلا کر دیباہ داروں کی تتیلی پر عطر تقسیم کرنا شروع کیا۔ جب عطر مل چکے تو جلیوں
 نے عطر ہاتھ میں مل کر پوشاک کو بسانا شروع کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو
 بنارسی دوپٹے سے کمر باندھی اور تلوار ڈاب میں ڈال کر محل سے برآمد ہوئے۔
 خاصے گھوڑے پر آپ سوار ہو گئے۔ پھر ہم لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر ہتھکڑی
 میں سوار ہوئے آہستہ آہستہ موتی ڈونگرے تک سواری پہنچی۔ بعد وقت شام ہاں
 سے واپس آتے تو دونوں جانب بانسوں پر تندہیں روشن ہیں اور بیچ میں مہاراج
 کا گھوڑا ہے اور عقب میں پرافیقوں کا ہے کہ وہ بھی سب زرق برق چلے آتے

ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ برات چلی آتی ہے اور واقعی شودان سنگھ دولہا معلوم ہوتے تھے
ایسی خوش نما سواری کسی رئیس کی دیکھی نہیں۔ ارباب نشاط کی یہ کیفیت تھی کہ تمام
جہاں کے انتخاب اور برگزیدہ۔ ستار باز بین کار۔ ربائی۔ سرودیے۔ گوتے۔ کلاوت
موجود تھے۔ امرت سین۔ لال سین۔ ستار باز۔ غلام نقی اور بین کار جو مشہور روز کار ہیں
الور میں موجود تھے۔ گویا پنجابن سی گانے والی جو فرد روز کار تھی۔ وہ الور میں موجود تھی۔
اس کے علاوہ اور دنیا کی حسین طوائف الور میں موجود تھیں دو عورتیں سترہ سو روپیہ
تنخواہ تھی جب مسند تک پہنچا رہا راج اجلاس فرماتے تھے اور دو روپیہ دربار مودب ڈانڈ
بیٹھے ہوتے تھے اور ارباب نشاط سامنے ہوتے تھے۔ اور پچیس تیس شاہان باری
پری پیکر حور شمال مشرقی زہرہ خصال نامید نوابی ادا سرا پانا زوانداز کا ایک گزرا
حسن کھلا ہوا تھا محفل کیا اکھاڑا ہوا تھا۔

مسند کے آگے ایک جوڑا گلاب کی پتیوں کا دو ڈھانی گز لمبا چوڑا ایک فٹ
اونچا بنا دیا جاتا تھا۔ اور قریب بیس پچیس سیریش بادلہ کے گردا گرد سامون پر گراتا تھا
اور وہ اس گلاب کے پتوں میں ملایا جاتا تھا۔ اور پانچ چھ پترے چاندی کے چھوٹے چھوٹے
خوبصورت وگرے شہاب اور زعفران کے رنگ کے پڑ کر آگے مسند کے رکھ دیے
تھے۔ ہمارا جہ صاحب نے اس ڈنگرہ کا رخ ایک شخص کی جانب پھیرا اور اس کی کل
وبائی اور بہت باریک اس میں سے برآمد ہوئی اور اس رنگ کی پھنوار برسے لگی۔
اور مہین مہین افشاں تمام سفید پوشاک پر ہو گئی جو گلاب کے پھولوں اور کترے
ہوئے مقیش کے ریزوں کی مٹھیاں بھر بھر کے اہل دربار پر ڈالنی شروع کیں۔
جس شخص پر رنگ کی پھنوار پڑی اور مقیش کی مٹھی پڑ گئی۔ وہ اٹھ کر آداب بجالایا۔

اب یہ کیفیت ہو گئی کہ سر سے پا تک ہر شخص جگمگا اٹھا اور تمام دستار اور پوشاک اور چہرہ امد بال اور ڈاڑھی پر مقیش کی افشاں ہو گئی۔ غرض کہ وہ تمام پھول اور مقیش ہولی کھیلنے میں برابر ہو گئے اور لباس پر لوگوں کے مقیش جمکيا ایسی محفل تانا شاہ نے بھی کبھی خواب میں نہ دیکھی ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس سالگرہ اور دہرہ کی تقریب اور تیجوں کنگھوروں کی تقریبیں نہایت دھوم دھام سے ہوتی تھیں اور مسلمانوں کی دعوتوں میں ایک ایک آدمی کے پاس گز گز بصر میں کھانا چلنی کے نایاب برتنوں میں چنا جاتا تھا اور خلعت و انعام وغیرہ تقسیم ہوتے تھے۔ ایسا رفیق پرور دریا دل رئیس تو میری نظر سے نہیں گزرا۔

سختوڑوں کی قد و منزلت | ہمارا جہ صاحب بہادر کو شعر و سخن کی جانب زبرد
 رغبت تھی اور نہایت درجہ کے سخن فہم عالی

و ما غنتے مذاق سخن اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اچھا شعر سن کر بے تاب ہو جاتے تھے اور فی الفور یاد فرماتے تھے۔ قصیدہ بغیر صلہ کے کبھی نہیں سنا جس نے قصیدہ لکھا۔ صلہ معقول عطا فرمایا۔ ایک بار میں نے سالگرہ کا قصیدہ لکھ کر پڑھا جس وقت میں نذرینے کو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر سوال کیا کہ کیا چاہتا ہے میں نے عرض کی حضور نے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اب میرے مانگنے کی حاجت ہی کیا کوئی ایک ہاتھ تھامتا ہے تو عمر بھر اس کی دستگیری کرتا ہے حضور نے تو میرے دونوں ہاتھ تھام لئے اب مجھے کیا حاجت رہی فرمایا یہ خوشی کی باتیں ہیں۔ مطلب عرض کر میں نے عرض کی کہ قصیدہ ملاحظہ ہوا لکھا ہوا کیسا ہے فرمایا بہت اچھا ہے سا کا ما بہائی کے ہاتھ میں نے عرض کی کہ قصیدہ میرا نہیں اور شخص کا ہے فرمایا بہت اچھا لکھتا ہے میں نے عرض کی۔

باوجود اس کمال کے روٹی کو محتاج ہے۔ اس قصیدہ کے صلہ میں اس غریب کی پرورش ہو جائے فرمایا کون شخص ہے میں نے عرض کی دولہ خاں پٹھان کی ملٹن کا ایک سپاہی ہے حکم ہوا سامنے بلاؤ۔ غرض کہ وہ سامنے حاضر ہوا اس کا بیس روپیہ ماہوار مقرر کر کے کتب خانہ میں تعینات کر دیا گیا۔

مہاراجہ صاحب کے روبرو مشاعرہ ہوا کرتا۔ دیباری شعر کے نام یہ ہیں میر ہمدی حسین مجروح۔ مرزا قربان بیگ سالک۔ امراؤ مرزا انور۔ میاں غلام احمد تصویر میاں خدا بخش تنویر اور فقیر ظہیر۔

شاعر کی نہایت عزت و آبرو فرماتے تھے اور شعر کی قدردانی کرتے تھے۔

غرض کہ تین چار سال کے عرصہ تک الوریں اس
الوری کی ملازمت سے علیحدگی
عیش و آرام سے بسر ہوتی رہی۔ اب ملک

تفرقہ انداز کو یہ صحبت بھی ناگوار گذری اور درپے تخریب ہوا۔ قوم راجپوت کہ ہمیشہ سے شترکینہ ہوتے آئے ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے مادہ فساد و تعصب ان کے سرشت میں مخمر ہے اور نازہ رشک و حسد سے ان کے دل میں اتہاب ہوا کہ یہ لوگ مسلمان مہاراج کے درخور صحبت ہیں اور آٹھوں پہر مہاراج کے پاس رہتے ہیں اور صاحب گرم ہے اور مہاراجہ صاحب ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ یہ جمعیت مثل اوراق گنجہ منتشر ہو جائیں۔ چنانچہ باہم خفیہ یہ صلاح و مشورے ہونے لگے اور لکھنؤ پر سنگھ بٹھا کر مخزنج کو آمادہ فتنہ و فساد کے بغاوت پر راغب کیا اور سکھ دیوسنگھ راغی نے ایک جماعت بدسگال غارتگر جمہوری جیلپور میں فراہم کر کے پانچ چھ ہزار آدمی سے عملداری الوری پر حملہ کیا

اور علاقہ تحصیل نراین پور اور پرگنہ بانور و لال گڈی وغیرہ پر تاخت کر کے تاراج کرنا شروع کیا اور تحصیلیں لوٹ لیں۔ گھوڑوں کے اطمینان جلا دیئے۔ جب یہ خبر بہاراج کو پہنچی تو الور سے دولہ خاں کپتان کو معہ مسیح پلٹن اور نواب کا مدار خاں کو معہ رسالہ سواران واسطے سرکوبی فرقتہ باغیہ روانہ کیا۔ ان بہادران بہور شکار اور غازیان نصرت و قارنے جاتے ہی ان بد محاشوں کی وہ کفشت کاری کی کہ بھاگتے نظر آئے اور کئی کوس تک لاشیں ڈال دیں۔ اور بہت سے سرغنائوں کے سر کوٹا کر حضور میں بھیج دیئے۔ کہہ دیر سنگھ باغی ہنسیت پا کر علاقہ پر تاپ گڑھ راج گڑھ وغیرہ کی جانب مفرور ہوا ان بہادروں نے وہاں بھی ان کا تعاقب کر کے کہیں اُس کا قدم جھنے نہ دیا آخر الامر اہلکار زیر بندے نے آکر اس کو تنبیہ اور تہدید کی کہ اگر آج سے پھر عملداری اور میں قدم دکھا تو سرکار کی جانب سے بڑی خبر لے جائے گی۔ جب وہ مایوس اور پشیمان ہو کر عملداری جے پور میں پناہ پذیر ہوا تو راجپوتوں نے عرضیاں بھیجی شروع کیں کہ یہ مسلمان لوگ راجہ کو بہکا کر خراب کرتے ہیں اور راجہ کو مسلمان کر لیا ہے ان لوگوں کا اور سے اخراج ہونا مناسب ہے۔ ان کی وجہ سے الور میں فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے۔ سرکار سے مسلمانوں کے علیحدہ کر دینے کا حکم بہاراجہ صاحب کے پاس پہنچا ایک حکم مال دیا و دوسرے حکم مال دیا آخر تیسرے حکم پر ہم لوگوں نے متفق ہو کر عرض کی۔ ہم لوگوں کے واسطے آپ اپنی ریاست کیوں برباد کرتے ہیں آپ ہم لوگوں کو رخصت فرمائیں۔ ہم آپ کے قدموں سے لگے ہوئے پڑے ہیں۔ ایک دو برس میں پھر حاضر ہو جائیں گے۔ غرض کہ بہزار وقت سمجھا سمجھو کر ہم الور سے رخصت ہو کر ولی میں آ بیٹھے۔ برس روز تک ہماری تنخواہیں گھر پر آتی ہیں

بعد ایک سال کے میں نے نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفۃ سے ایک روز یہ بات کہی کہ الوری کی صورت آپ کو معلوم ہے یہ امر تاج کے گھر بیٹھے ہوئے کون تنخواہ عمر بھر دیا کرتا ہے۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ریاست جے پور میں کوئی سبیل روزگار کی نکل آئے تو بہت مناسب ہے میں آپ کا ممنون احسان ہوں گا۔ چونکہ نواب صاحب ممدوح کریم الاخلاق تھے اور مجھے پیشتر ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور مجھ پر الطاف بزرگانہ فرماتے تھے۔ انہوں نے اسی وقت نواب فیض علی خاں صاحب بہادر مدار المہام کے نام میری سفارش میں خط لکھ کر روانہ فرمایا۔ اور ان کے صاحبزادہ نواب محمد علی خاں نے بخشی امداد علی خاں صاحب برادر کو چک نواب صاحب کے نام خط بھیجا۔ پانچویں روز نواب مصطفیٰ خاں صاحب بہادر نے مجھے بلا کر نواب فیض علی خاں صاحب کا خط جو میری طلب میں آیا تھا۔ مجھے دیا۔ اور فرمایا اب بسم اللہ کیجئے اور جے پور کو روانہ ہو جائیے۔ اب جاتے ہی آپ نوکر ہو جائیں گے میں وہی سے روانہ ہوا۔ جب جے پور میں پہنچا ہوں تو اول اپنے بھائی خسر لور احمد مرزا خاں صاحب آگاہ کے مکان پر فروش ہوا۔ پہلے بخشی امداد علی خاں صاحب سے ملا اور ان کے ذریعہ سے نواب فیض علی خاں صاحب بہادر سے ملاقات کی اور نواب فیض علی خاں نے مجھے امیدوار کیا اور بعد دو ماہ کے مجھے کھنڈا کا تھانہ وار کر کے بھیج دیا۔

کھنڈا جے پور کا ایک پرگنہ ہے۔ گوشہ

ریاست جے پور کی ملازمت | مشرق و جنوب سرحد جے پور کا اور قصبہ

سے تین کوس پر دیریاں چنیل ہے۔ رود سناس اسی محل پر چنیل میں شامل ہوتی

ہے اور ایک اور ندی علاقہ گوالیار سے آکر چنبل میں ملتی ہے۔ ایک بٹ خانہ ہے
 اسے رامیسر کہتے ہیں اس کے نیچے ان مینوں کا اجتماع ہوا ہے اور رودخانہ چنبل
 مابین جے پور و گوالیار حد فاصل ہے۔ کھنڈار میں بالائے کوہ قلعہ مستحکم اور وسیع
 ہے کسی ہزار کی جمعیت سپاہ اندرون قلعہ رہتی ہے۔ پہاڑ بہت بلند ہے کوہستان
 قلعہ ریسور سے یہ کوہ پانچ چار میل کے فاصلہ پر واقع ہوا ہے۔ پرگنہ کھنڈار تخت
 نظامت سوائی مادھو پور ہے اگر زمانہ تھانہ داری کے حالات تحریر ہوں تو ایک
 کتاب دیگر تصنیف ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نہایت عزت آبرو حکومت کی نوکری
 تھی۔ بارہ بارہ کوس تک علاقہ زیر حکومت تھا۔ سو سو گاؤں کا تو اسی تھانہ سے تعلق
 ہے۔ پانچ چھ ماہ تک اس پرگنہ پر حکمرانی کی اس حکومت میں وہ لطف حاصل ہوا کہ
 اور کے عیش و عشرت فراموش ہو گئے بعد چھ ماہ کے تھانہ امر یہ میں تبدیلی ہو گئی
 وہاں سے جے پور آیا تو اہل و عیال دلی سے اب جے پور آ گئے تھے اور اپنے
 بھائی سیٹا احمد مرزا خاں صاحب خسر پور کے مکان پر مقیم تھے میں نے جے پور میں
 آکر مکان کرایہ کو لیا اور گھر کے آدمیوں کو وہاں رکھا اور آپ امیر کو روانہ ہوا۔ امیر
 میں جب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ تھانہ صدر ہے اور اس کے آبرو کو توالی جے پور کی بڑی
 ہے اور قدیم دار الخلافہ ریاست جے پور کا ہے یہاں تھانہ دار کے واسطے مسند
 تکبہ لگایا جاتا ہے بخیر چھ ماہ اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہا اب دسہرہ قریب آیا۔ ملازمین
 ماتحت کی زبانی معلوم ہوا کہ سامان رسد وغیرہ فراہم کرنا چاہیے۔ مہاراجہ صاحب بہا
 رونق افروز ہوا کرتے ہیں اور چند روز قیام فرماتے ہیں۔ تھانہ دار کا ڈپوڑھی پر بند
 رہتا ہے۔ بہر حال وہ سامان فراہم کر لیا گیا۔ دسہرہ کے ایام شروع ہوئے روز

اول شام کے وقت ملازمان تھانے لے کہا کہ بالائے کوہ محلوں میں چل کر رسومات دہرائیں
 اذاکر اؤ مجھے عمارات نہ تھیں کہ کیا رسومات ہیں انہوں نے کہا کہ آپ چلتے سب معلوم
 ہو جائیں گی۔ غرضکہ میں تلوار اٹھا کر دستار رکھ کر کمر باندھ کر ان کے ہمراہ ہوا اور
 جب بازار میں پہنچا تو حلوانی من ڈیڑھ من شیرنی دودھ کے ہمراہ لوا کر میرے ہمراہ
 ہوا میں آگے بڑھا تو مند و قصاب جو ٹھیکہ دار سرکاری تھائیں چالیس بکرے
 لے کر ساتھ ہو لیا۔ اب میں یہ تماشا دیکھ رہا ہوں اور کچھ معلوم نہیں کیا ہو گا۔ جب
 بلندی کوہ کے وسط میں پہنچا تو دروازہ محلوں کا نمودار ہوا اور میں اندر داخل ہوا تو دیکھا
 کہ بالائے کوہ ایک قطع وسیع زمین کا ہے اور چار جانب اس کے عمارات شانانہ
 ہیں اور ایک مندر ہے عالی شان اور بہت سے سران میں اس پر مانا کا مندر ہے
 اور اس کے پہلو میں خاص محل کا دروازہ ہے اور اس پر آبادی کی یہ صورت ہے
 کہ چار جانب کوہ بلند آسمان سے باتیں کرتے ہیں اور ان پہاڑوں کے بیچ میں آبادی
 شہر ہے مغرب کی جانب جو پہاڑ ہے وہ بہت بلند ہے اور اس کی چوٹی پر جاکر قلعہ
 وسیع ہے اور دامن کوہ میں محل واقع ہوئے ہیں اور اسی پہاڑ کے نشیب میں جانب
 مشرق ان محلوں کے نیچے اک بڑا پختہ تالاب ہے کہ پشتہ اس کا بہت مستحکم باندھا
 گیا ہے اس تالاب کے وسط میں اک باغ لگا گیا ہے کہ اس کا ارتفاع سطح زمین
 سے قریب دس گز کے ہے اور گرد باغ کے سنگ سرخ کا ایک کھڑا ہے جب
 اس تالاب میں پانی کی طغیانی ہوتی ہے تو اس باغ میں چھوٹی کشتیوں اور بحیرہ وغیرہ
 کے ذریعہ سے عبور کیا جاتا ہے۔ یہ باغ ان محلات کے زیر حصر و کہ ہے عجب کیفیت
 کا مقام ہے اور راستہ محلات اور قلعہ کے سمت تہ آب ہے غرضکہ جب محل

پر چڑھ کر مندر میں داخل ہوا تو نہایت خوش قطع عمارت نظر آئی۔ جنوب کی جانب
 ایک بڑا مکان مالان در مالان ہے اس کے بعد وہ حجرہ وسیع ہے جس میں سلاوی
 کی برنجی ایک مورت قد آدم ہے اور ایک جانب کو اس کا منہ پھرا ہوا ہے۔ غرض کہ
 وہ شیرنی تو پوجاریاں مندر نے لے جا کر اس مورت کے آگے رکھیں اور بکرے
 لے جا کر صحن مندر میں کھڑے کر دیئے ہیں باہر کے مالان میں ایک ستون سے
 لگ کر کھڑا ہو رہا اور پوجاریوں نے تھالی میں بہت سے چراغ گھی کے روشن
 کئے اور مورت پر سے آثار چڑھاؤ کرنے لگے اور کچھ کہتے جاتے ہیں میں کچھ نہیں
 سمجھا اور بہت سے گھنٹے اور گھڑیاں اور تھالیاں اور نقارے وغیرہ بجانے
 شروع کئے اور تمام مندر میں روشنی ہو گئی۔ ایک گھڑی پہر تک یہ تماشا میں نے
 دیکھا جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو پوجاری بھی میرے پاس آ کھڑے ہوئے
 اور مندر میں بخوارت روشن تھے اور مندر کے صحن میں دو مشعلیں کھڑے ہوئے
 اور ایک شخص ایک بہت بڑا چھرا زبردست ہاتھ میں لے کر آ موجود ہوا۔ اب ایک
 بکرے کے سینگوں میں رسی باندھ کر ایک شخص نے آگے سے کھینچی ایک شخص نے
 پیچھے سے بکرے کو کھینچا اور اس شخص نے دونوں ہاتھوں سے وہ حر باو پر سے
 مارا بکری کی گردن اور گرد گرد جاری اسی طرح کئی بکرے جھکے ہوئے اسے وہاں
 کہتے ہیں۔ غرض کہ وہ ہنگامہ ہو لیا تو پوجاری نے شیرینی تقسیم کی بعد ہم کو رخصت دی
 اب ہم کو معلوم ہوا یہاں کی یہ نوکری تھی۔ یہ رسومات تھانہ دار آکر ادا کرتا ہے غرض کہ
 حسب معمول روز شام کو جانا پڑتا اور پھر بھرات کے واپس آنا ہوتا۔ ایک دن
 شام کا وقت ہے آفتاب پہاڑ کے نیچے پہنچ گیا ہے۔ کچھ کچھ شاعریں آسمان پر

پھیلی ہیں۔ سرخی پھیلتی جاتی ہے کہ ایک جوان رعنا خوش رو چہرہ پر بدن اوسط قیامت
 سرخ مندیل سرخ بنارسی دوپٹہ گمر سے بندھا ہوا کیت گھوڑے پر سوار گھوڑا
 دوڑائے محل کے مدعاہ سے داخل ہوا اور چوکی خانے کے چوترہ کے پاس آکر
 گھوڑی روک لی۔ امیر خاں برقنداز نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا میں نے دوڑ کر
 گھوڑی کی باگ تقام لی اور دوسرا بڑھا کر ہاتھ میں دے کر گھوڑی پر سے اتر دیا
 اور خوب گھوڑی کا جائزہ کیا اور چند قدم آگے لے گیا ہٹلانے لگا کہ اتنے میں چاکر
 مدعا ہوا آیا۔ اور اس نے میرے ہاتھ سے گھوڑی لے لی اور میں نے آگے بڑھ کر
 سلام کیا اور نذر دکھائی۔ فرمایا میں نذر تو بھر کر لیں گا۔ تم ایک بار میری کمر کھولا میں
 نے پہلے تو دونوں جانب سے تلواریں ڈاب میں سے کھینچیں اور پھر کمر کھولنی شروع
 کی اور دھال بچھا کر سب چیزیں چوترہ سے پر رکھتا جاتا تھا۔ بعد بنارسی دوپٹہ کھولا
 اس کے نیچے اور سفید دوپٹہ تھا وہ کھولا اور اس کے نیچے اور ایک لنگر ریشمی تھا
 وہ کھولا۔ اس میں ایک گچھا تھا کہ اس میں بہت سی کہنیاں تھیں اس کے بعد ایک
 اور گچھا میاؤں کا تھا کہ وہ میان سب بانا تے تھے۔ اس میں قنچی۔ چاقو۔ شتر۔ گھوڑے
 کے پاؤں۔ ہاتھ کا ناخن گیر ہوگی۔ تاکہ خدا جانے کیا کیا تھا۔ بعد ایک بہت بڑا بٹوا
 سرخ قند کا اس کا وزن تین چار سیر کے قریب ہو گا وہ کھول کر رکھا تو تمام لنگر سنبے
 میں تر ہو رہا تھا۔ پھر فرمایا اپنی تحویل میں رکھو کشن لال آئے تو سب چیزیں سنبھال دینا
 یہ کہہ کر اوپر چوکی خانہ میں چڑھ گئے چاکر نے دوڑ کر گھوڑے کی گدی اٹار لی اور لیجا
 کر پچھا دی۔ میں وہیں اس مال کی حفاظت کرتا رہا۔ گھوڑی دیر میں لشکر کا تانتا
 بندھ گیا۔ تمام صحن آدمیوں سے بھر گیا کہ کشن لال چلیہ گھوڑی پر سوار آیا۔ اور میں

آکر اترائیں نے کہا کشن لال جی یہ سامان سنبھال لو۔ غرض کہ مشغل کی روشنی میں
 وہ سب سنبھلا دیں۔ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی جتنی بکار آمد چیزیں ہوتی ہیں۔ سب
 ان میانوں میں موجود تھیں۔ اگر بڑی قلمدان بھی فیسل بھی۔ کاغذ بھی سبھی چیزیں۔ اب
 سینے بڑے کا حال۔ بڑے میں دو سو روپیہ۔ سوا تشرنی۔ کوئی سو دو تیاں چو تیاں ڈبل
 پیسے کوئی آٹھ آنے کے کوئی ایک پیسے کی چھوٹی چھوٹی کوڑیاں اور ایک مٹھ نوٹوں کا
 مگر وہ موم جامہ کیا ہوا تھا۔ اس کی تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مندر
 میں گئے وہاں بلدان کرایا گیا۔ چار گھڑی کے بعد فارغ ہو کر مندر سے باہر گئے تو پیسے
 میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باہر مندر کی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئے میں نے رومال بچھا
 دیا۔ ہوا آ رہی تھی میں اور کشن لال قہقہے کھڑے ہو گئے۔ حکم ہوا بیٹھ جاؤ۔ مجھ سے
 ارشاد ہوا تم کتنے روز سے اس تھانہ میں تبدیل ہو کر آئے ہو میں نے عرض کی حضور
 پانچ مہینے ہوئے پھر لو پچا پہلے کون تھا نے پر تھے میں نے عرض کی تھانہ کھنڈار
 پر۔ فرمایا شملہ سے نواب صاحب نے تمہاری منظوری کرا کے بھیجی تھی۔ میری دستی
 مہر تھی حکم پر میں نے عرض کی میرے واسطے حکم صادر ہوا تھا۔ پھر پانچ روز ہمارا راج
 وہاں رہے میں ہر وقت خدمت میں حاضر رہا۔ بعد جب تشریف لائے ہر وقت میں
 پاس رہتا تمام دنیا کے ذکر ہوتے رہتے۔ گنجھ چو سر وغیرہ بھی ہو جاتا۔ تمام حال
 میرا اور میرے بزرگوں کا اور تعلقات شاہی کا مجھ سے دریافت فرما کر فرما دیا تھا۔
 کہ ابھی تم اس گھر کو بھی وہی تصور کرو۔ یہ نوکری ویسی ہی نوکری ہے اس گھر میں سے
 آدمی آکر پھر علیحدہ نہیں ہوتا ہے جو ایک دو کام ایسے بن آئے کہ اس نوکر سے نہایت
 خوش ہو گئے تو اس وجہ سے زیادہ تر آبرو فرماتے تھے اور سوائے اپنے فرض منصبی

کے جو کام اہم ہوتا تھا اس کی تعمیل کے لئے مجھے حکم ہوتا تھا اور اکثر چوکیخانہ میں بھی مجھ سے کام لیا جاتا تھا اور میری معتمدی میں بھیجا جاتا تھا۔ بلکہ ایک بار ایک مہم عظیم درپیش تھی تجویز ہوئی کہ کسے بھیجیں۔ خود مہاراج صاحب نے فرمایا اُسے بلوا کے بھیج دو وہ اس مہم کو بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ غرض کہ خاص رسالہ کا سوار رات کے وقت میری طلب میں روانہ ہوا۔ مگر میری نوکری دلی میں مینڈی پہنچانے کی نکل آئی تھی۔ میں ایک منزل کوچ کر چکا تھا۔ تھانہ میں موجود نہ تھا۔ چونکہ حکم حضوری تھا سوار اُسے بجے مقام اچر دل میں میرے پاس پہنچا اور حکم سنایا کہ اسی وقت جے پور روانہ ہوا وہ شبشب جے پور پہنچا۔ میں نے تھانہ دار چند واجی کے نام رقعہ لکھا کہ میری نوکری مینڈی دلی پہنچانے کی نکل تھی مگر حکم حضوری واپسی کا ہے کارِ سرکار واحد ہے اب تم یہ بند ہو کر یہاں لے لو۔ اور ان کو دلی پہنچا کر رسید مرشدہ لا کر بند ہو کر داخل کرو۔ اور بند ہو کر اپنے سوار دل کے سپرد کر کے جے پور کو روانہ ہو سوار سے کہا تم تیرہ کوس آئے ہو آرام لے کر صبح آ جانا اور میں نے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کی باگ اٹھادی اور ایک سوار دلی میں لیا۔ چار بجے امرکا دروازہ کھلوا یا۔ تھانے میں آکر گھوڑا دوسرا تیار کرایا اور اس غرض میں جانچ ضروری سے فارغ ہو کر منہ اٹھ رہا اور دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹا اٹھا دیا۔ اور گھوڑا ٹیکا دروازہ کھلوا کر آنا فائنا میں روتا اور سنگھ کے دروازہ پر جا پہنچا اُس وقت پہلے دروازہ میں داخل ہو کر گھنٹی خانہ کے آگے ہوتا ہوا صلیب چوک میں سے نکل کر ڈیوڑھی پر پہنچا پہلے سے حضور میں اطلاع کرائی۔ وہاں تو سب راہ دیکھ رہے تھے خبر ہوتے ہی محل میں بلوایا میں جس وقت کہ حضور کے سامنے گیا ہوں تو حضور مسواک کر رہے تھے

میں نے سلام کیا فرمایا آگیا بڑی حیرانگاہی میں نے عرض کی تیرہ کوس سے آیا ہوں
 فرمایا شاہنشاہ اب تم کو ایک مہم پر بھیجا جائے گا۔ جیسے تیرے بزرگوں نے سرکار
 بادشاہی میں کام انجام دیئے ہیں اسی طرح اس کو انجام دو۔ جاؤ خدا کو سونپا نواب صاحب
 تم کو اس سے مطلع کروں گے۔ نواب فیض علی خاں صاحب اور منشی رام جی اس میرا
 ہاتھ پکڑ کے چند محل میں علیحدہ لے گئے اور اس راز سے آگاہ کیا حالانکہ وہ غیر وقت
 تھا اس وقت دارالمہام ام حضور میں کیا کام تھا مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ تینوں صاحب
 رات بھر حضور میں موجود رہے اور میرے منتظر تھے۔ مجھ سے نواب صاحب نے
 فرمایا جس قدر رقم کہو روپیہ ساتھ کر دیا جائے اور جتنی جمعیت دسکار ہو ساتھ لو میں نے
 جواب دیا جمعیت دسکار ہے نہ روپیہ نواب صاحب حیران ہوئے پھر کارگزاری
 کیا کرے گا میں نے کہا جس کارگزاری پر مجھے بھیجا جاتا ہے خوشی تو یہی ہے کہ
 ایک پیسہ خرچ نہ ہو۔ ایک آدمی ساتھ نہ ہو اور مقصد حاصل ہو جائے آپ کو کام
 سے کام ہے خدا چاہے کام بخوبی انجام پا جائے گا پھر فرمایا کہ ایک الٹکار زبردستی
 کا ہمراہ ہے ایک الٹکار بخنسی جسے پور کا ہے بغیر اس سے ساز کئے ہوئے کار برآری
 مشکل ہے میں نے عرض کی کہ اگر اس سے ساز کر کے کارروائی کی تو میری کارگزاری
 کیلئے۔ خدا چاہے تو ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو اور کام انجام پا جائے پھر کہا
 آخراں کے صرف خورد و نوش کی تو تجھے ضرورت پڑے گی خزانہ سے لیجنا چاہیئے
 میں نے عرض کی پانسو روپیہ جملہ خیر کے پاس رکھو اور پینے چاہئیں وہ ان کے
 کھانے پینے کی خبر گیری کرتا رہیگا۔ مگر ہاں ایک حکم نامہ کونسل کا جاگیر داران اور
 ماتحتان سپرنٹنڈنٹ وغیرہ کے نام اس مضمون کا ہو جائے کہ جس جاسے جس قدر

امداد کی مجھے ضرورت ہو فوراً میرے پاس پہنچ جائے اور کوئی عدول حکمی نہ کر سکے
 چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ حکم نامہ مجھے دلا دیا گیا وہ مقام چار منزل جے پور سے تھا۔
 میں ان اہلکاران کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ اور موقع وار ذات پر پہنچنے سے پہلے میں نے
 اپنی کارگزاری کر دی اور وہاں پہنچ کر جس امر کی تحقیقات کے واسطے یہ لوگ میرے
 ہمراہ گئے تھے اس کا نام و نشان نہ پایا۔ قائل معقول ہو کر واپس آئے اور تہ بندی
 کو رپورٹ کی کہ وہ ابرام و اتہام بجا تھا اس کا کچھ اثر یا تپا پیا نہیں گیا جب میں نے
 واپس آکر مہاراج کو سلام کیا تو مہاراج نے فرمایا کہ اگر کوئی سردار ریاست جاتا تو وہ
 لاکھ روپے ریاست کے بگاڑ آتا۔ ایسے اکثر کدینیاں اس نوکری میں ظہور میں
 آتے تھے۔ جب میری کارگزاری کا مہاراج کے دل میں گھر ہوا تھا اور عزت و
 آبرو فراتے تھے اور وعدہ پر ورش بے حد کافر یا تھا پھر مجھ سے فرمایا تم اپنی
 تبدیلی تھانہ ساگانیر پر کرالو مجھے زیادہ تر اتفاق ساگانیر میں رہنے کا ہوتا ہے۔
 میں نے عرض کی یہ بھی اختیار حضور کو ہے۔ چنانچہ کونسل میں حکم لکھوا دیا گیا تھا کہ
 ظہیر الدین حسین افسر کراہہ کی تبدیلی ساگانیر میں ہو جائے اور بغیر منظوری مابود
 نہ تبدیلی ہو نہ معطلی ہو نہ برخاستگی۔ پھر میں ایسا درخورد خدمت ہو گیا تھا کہ بڑے
 بڑے مصاحبین کو رشک و حسد ہوتا تھا ہوا خوری کے وقت نکلتے تھے تو سوائے
 ہم دو آدمیوں کے تیسرا نہ ہوتا تھا آگے مہاراج اور عقب میں کشن لال چیلہ اور میں
 سب کھڑے دیکھا کرتے کسی کو ہمراہی کا حکم نہ ہوتا تھا اکثر ازا ایسے تھے کہ وہ
 مجھے معلوم تھے یا مہاراج کو یا خدا عالم الغیب ہے میں بہت بڑا بد نصیب ہوں
 اگر مہاراج اور دو چار برس زندہ رہتے تو خدا جانے میں کس پایہ اعلیٰ کو پہنچتا جب

میری حرقی عہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر فرمائی تھی تو مجھ سے فرمایا تھا تجھے ڈپٹی نہیں کیا
 جنرل سپرنٹنڈنٹ کیا ہے۔ سرسہ بھگتانی کے واسطے نہیں بھیجتا ہوں بعد چھ ماہ
 کے جنرل سپرنٹنڈنٹ ہو جائے گا۔ میری شوخی طالع سے وہ کوئی تین مہینے میں
 انتقال فرما گئے ♦



انکھوال باب

مہاراجہ جے پور کے حالات

مہاراجہ صاحب بہادر مہاراجہ رام سنگھ جی سری سوامی نہایت دانشمند روشن
 دانش بیدار مختر۔ مدبر مصلحت اندیش۔ موحّد کیش۔ رعایا پرور۔ داؤ گستر۔ عادل۔ فیاض
 بلا تعصب۔ انصاف دوست۔ حلیم بطبع سلیم الفکر۔ خوش تدبیر۔ مستقل المزاج
 خوش رو۔ خوش خو۔ بجمع محارباتی و صفاتی موصوف تھے۔ اس مزاج کا کوئی رئیس
 ہندوستان میں نہ تھا۔ ان مہاراجہ بہادر سے اکثر شاید نواب یوسف علی خاں صاحب
 بہادر سوامی رام پور تھے کہ وہ بھی نہایت درجہ منتظم اور حلیم و سلیم تھے۔ مہاراجہ صاحب
 کی بناء فرمائش خردمندی ہے کئی سو پرچہ نویس چوکی خانہ میں متعین تھے۔ تمام
 ہندوستان کا روزنامہ روزانہ مہاراجہ صاحب کی نظر سے گذرتا تھا۔ جتنی ریاستیں
 ہندوستانی ہیں۔ سب جائن کا خبر نویس موجود رہتا تھا۔ جتنے کہ حیدر آباد اور پور
 وغیرہ میں اور دفتر گورنری میں خبر نویس موجود تھا۔ گورنر بہادر کے ہمراہ پھرتا تھا
 اور فردا فردا سی خبر مہاراج کو پہنچاتا تھا۔ ہزارا روپیہ کا صرف محکمہ خبر کا تھا۔ اور

جا بجا پرچہ نویسوں کو تنخواہیں معقول پہنچتی تھیں۔ اپنی ریاست میں کوئی محکمہ کوئی تعلقہ کوئی نظامت۔ کوئی تحصیل کوئی تھانہ۔ کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا جہاں خبر نویس نہ ہو خبر کے ماروغہ کو حکم تھا کہ اگر کوئی ضروری خبر ہو اور ہم زمانے محل میں آرام کرتے ہوں تو ہم کو بیدار کر کے خبر پہنچا دو۔ لندن میں ملکہ معظہ کی خدمت میں مزاج پرسی کا تار روز روانہ ہوتا تھا کسی ایجنٹ رزیڈنٹ کی مجال نہ تھی کہ ان کے منسلکے خلاف ورنہ ہی اختیار کرے۔ ہاں اس کی خاطر مدارات دلو و دہش مہمانداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوتا تھا۔ ایک اونٹنے وصف ان کا یہ تھا کہ تمام عمر کسی نوکر یا مجرم وغیرہ کی نسبت کوئی کلمہ خلاف تہذیب دشنام وغیرہ زبان سے نہیں نکلا کسی کو تو نہیں کہا اونٹنے آدمی سے بھی جی کہہ کر خطاب کیا۔ بہت خفا ہوئے کسی پر تو جا بیوقوف تکیہ کلام تھا۔ مگر باوجود اس حلم کے عرب و جلال ان کا ایسا تھا کہ گیانہی گیار ڈالتی تھی۔ جب کبھی وہ خاموش ہو گئے یہ جان لو غضب آگیا۔ لوگ سمجھ جاتے تھے کہ تاج خیر نہیں۔ مزاج برہم ہے۔ تمام اراکین دولت مارے خون کے تھرتھرتے تھے۔

مہاراجہ صاحب کے زمانہ بے اختیاری میں راول جی صاحب مختار تھے جیلپور میں خاک اڑتی تھی۔ کل چوبیس لاکھ روپیہ زیر خالصہ کی آمدنی تھی نہ کوئی محکمہ بندوبست تھا فقط زبانی جمع خرچ تھا۔ رجوڑی گھس گھس تھی۔ سبے پورے جو ترقی پائی ہے اور تہذیب کی روشنی پھیلی ہے۔ وہ مہاراج کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ مہاراج صاحب کو جب اختیار حاصل ہوئے ہیں اور پنڈت جی صاحب صاحب اور مدارالمہام ہوئے ہیں۔ تنب باون محکمے اور کچھریاں اور نظامتیں اور ضلع اور تحصیلیں اور تھانے قائم کئے گئے ہیں اور نظام ملکی اور مالی۔ فوجداری کلکٹری عدالت نوشیروانی کے قانون

تصنیف ہوئے اور ان پر عملدرآمد ہوا۔ اونے اسی بات یہ ہے کہ کروڑ ہزار روپیہ تعمیر
بندوں اور تالابوں اور انتظام آبپاشی پر صرف کرویا گیا۔ شکرکس اور صفائی شہر اور
مدارس اور شفا خانے تمام ممالک محروسہ میں جاری ہو گئے۔ سب پر کے پانی کا انتظام
نلوں کے ذریعہ سے اور روشنی گیس کا انتظام لائٹنوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہوا
ٹاکوؤں اور قطع الطریقوں اور رہزنیوں۔ فارتگروں۔ ٹھکوں۔ پھانسی گروں وغیرہ کے
انسداد کے واسطے محکمہ گرائی انسداد دیکھتی و ٹھکی قائم کر کے ایسے سخت قانون نافذ کیا
کہ پناہ دہندگان کے مویش باختہ ہو گئے ورنہ سب پر کے دروازہ سے باہر رستہ نہیں
تھا۔ جتنے نامی نامی غارتگر بدین زمین تھے سب پکڑ پکڑ کر قلعوں پر چڑھا دیئے گئے
اور سب سرکش اور پناہ دہندگان کے کان میں کوڑی ڈال دی گئی۔ ہمارا جہ صاحب
کا اپنے اونے اونے آدمی کا پاس تھا۔ اور یہ حکم تھا کہ مار کر آنا پٹ کر نہ آنا میں سمجھ لو گا
پھر تو یہ حال ہو گیا سونا اچھالتے ریاست جے پور میں پھرو کیا مقدمہ ہے کوئی نظر اٹھا
کر دیکھ لے یا انتظام ہو گیا کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے۔

عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ چند انصاف ہمارا جہ صاحب کی ذات سے ایسے
ظہور میں آئے میں جیسے بادشاہان سلف کے مشہور روزگار میں از انجملہ ایک یہ معرض
بیان میں آتا ہے۔ ریاست ٹونک کے چند قصاب کچھ مویشی خرید کے ریاست جیپور
سے ٹونک کو لئے جاتے تھے اٹنا راہ میں ایک منزل پر مقیم ہوئے کچھ گھانس وغیرہ
خرید کر مویشی کے آگے ڈال دیا اس قصبہ کا ایک سانڈ آیا اور اسے کھانے لگا اور
مویشی کو مار کر مٹا دیا۔ قصابوں نے جو یہ امر دیکھا تو اس نزگاؤ کو لکڑی سے مار کر بھگا
دیا۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ آکر چرنے لگا۔ پھر مٹا دیا گیا۔ جب دو چار مرتبہ ایسا ہوا تو

ایک قصائی کو غصہ آیا اور اس نے لموار کھینچ کر اس کے پاؤں پر اٹھ مارا نہر گاؤ کا پاؤں
 قلم ہو کر دوڑ جا پڑا۔ پھر کیا تھا ہندو کی عملداری تھی تمام قصبہ میں فل مچ گیا۔ ہاں ہاں
 لیجو دوڑیو۔ پکڑ لیو۔ مار لیو چار طرف سے ہونے لگا۔ پچارے قصاب گرفتار ہوئے۔
 تھانہ دار نے مثل تیار کر کے معہ مجرمان ضلع کو چالان کر دی وہاں سے بعد تحقیقات
 فوجداری کو روانہ ہوئے فوجداری چونکہ مقدمہ مذہبی ہے تجویز منرائے سنگین کی رائے
 لکھی گئی اور مثل محکمہ اپیل کو رائے ہوئی محکمہ اپیل سے کوئی اور رائے ظاہر کی گئی تھی کہ محکمہ کو نسل میں
 پہنچی ممبران کو نسل کی رائے قرار پائی کہ یہ مقدمہ مذہبی ہے۔ اس میں دھرم ستر سے موسسہ لیا جائے اس کے
 بموجب تجویز منراہونی مناسب ہے چنانچہ دھرم ستری جی کو بلایا گیا اور موسسہ لیا گیا تو انہوں نے
 حکم قصاص کیا یعنی درجہ اول کی منرائے موت و درجہ دوم کی منرا قطع یدین درجہ سوم
 حبس دوام اب اختیار منرا احکام کو ہے۔ غرض کہ منظوری کے واسطے پیشی رکھی گئی۔
 اور کسی وقت پر مہاراج کے سامنے پیش ہوئے۔ مہاراج نے از ابتدا تا انتہا مسل کا
 ایک ایک حوت سنا اور سب محکمہ جات کی رائے سنی پھر حکم دیا کہ شاستری جی کو بلادو
 جب شاستری جی آئے تو ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ منرا بموجب اپنے مذہب کے
 تجویز کی ہے یا بموجب شریعت مسلمانان انہوں نے جواب دیا بموجب دھرم شاستر
 مسلمانوں کے مذہب سے کیا کام ہے مہاراج نے فرمایا کہ مجرم غیر مذہب کا آدمی ہے
 شرط عدالت یہی ہے کہ اس کے مذہب کے موافق منرا بدلتی تھی۔ اس مقدمہ میں شرا
 اہل اسلام سے فتوے لینا تھا یہ کارروائی ناجائز ہے کیونکہ ان کے مذہب میں اس
 کا کھانا روا ہے ہمارے نزدیک یہی منرا کافی ہے کہ دوران مقدمہ کو عرصہ ڈیڑھ
 سال کا منقضی ہو گیا ہے۔ یہی میعاد قید کافی ہے مجرم کو رٹائی دی جائے اور اسی

وقت اُس کو رٹا کر دیا۔ یہ انصاف بھلا کسی ہندو راجہ سے ہو سکتا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کے بہت سے انصاف ہمارا ج کے ہیں۔ ہمارا راجہ صاحب اپنے وقت کے نوشیروان عادل تھے جلم و تحمل کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک غریب مسافر امیدوار بہت روز سے اس بستج میں ہے۔ کہ کسی طرح ہمارا راجہ صاحب تک ہاریا بی ہو تو کچھ اپنا عرض حال کیا جائے مگر کوئی موقع دستیاب نہ ہوتا تھا۔ ایک دن یہ محل کی ڈیوڑھی پر کھڑے تھے کہ پہرہ دار ڈیوڑھی سے ٹہلتا ہوا پرے کو سرک گیا۔ یہ موقعہ پا کر جب ڈیوڑھی کے اندر داخل ہوئے اور سیڑھیوں پر سے چڑھ کر خاص اُس کمرے میں پہنچے۔ جہاں ہمارا راجہ تشریف رکھتے تھے اور اتفاق سے اُس وقت پروہ تھا اور زنانی سواریاں تشریف رکھتی تھیں اور خاص ہارانی صاحبہ موجود تھیں پس یہ دیکھتے ہی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کچھلے قدموں پلٹے اور ہمارا راجہ صاحب نے ان کو دیکھا اور اٹھ کر آئے انہوں نے سلام کیا ہمارا راجہ صاحب نے آکر ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور پوچھا تم کون ہو انہوں نے بیان کیا بندہ اللہ کا۔ پھر ہمارا ج نے فرمایا بندے اللہ کے تو سب ہیں آپ کون ذات ہیں اور کون ہیں انہوں نے جواب دیا مسافریوں اور مولوی ہوں۔ ہمارا راجہ صاحب۔ اس مقام پر کیا کام ہے۔ مولوی صاحب آپ کے پاس کچھ عرض کرنے آیا تھا۔ ہمارا راجہ صاحب کیا عرض حال ہے مولوی صاحب۔ عیال دار ہوں بیست گاہ ہوں امیدوار دو نگاہ ہوں۔ ہمارا راجہ صاحب۔ پہرانی نے تم کو نہ روکا۔ مولوی صاحب اُس کا قصور نہیں وہ ہٹل کر پے کو گیا میں آنکھ بچا کر یہاں چلا آیا۔ قصور میرا ہے میں حضور کا قصور دار ہوں جو چاہیں میری نسبت منزا تجویز فرمائیں بہر حال مستوجب عقوبت ہوں کہ ایسے محل پر حاضر خدمت ہوا مگر حضور بادشاہ

وقت ہیں اور شہزادی اور بیگمات ریت کے ماں باپ ہوتے ہیں اور عیث بمنزلہ
 فرزند و اولاد ہوتی ہے پھر اولاد سے ماحول کا کیا پرورہ ہوتا ہے۔ ہمارا جہ صاحب
 آپ مولوی ہیں۔ آپ نے تحصیل علوم کہاں کی مولوی صاحب بکھنوں میں۔ ہمارا جہ
 صاحب۔ صداقت اس کی۔ مولوی صاحب میرا امتحان لیا جائے۔ ہمارا جہ
 صاحب آپ اگر مولوی نہ ہوتے تو اس وقت آپ کی نسبت خدا جانے کیا منرا تجویز گوتا
 میں فرقہ علماء و فضلا کو اپنا متلاذہ مشیوا سمجھتا ہوں۔ خیر یہ حرکت آپ سے ہوئی تو
 بسنیاتی کے ہوئی میں نے معافی چیلوں کو آواز دی۔ ایک چیلہ اگر حاضر ہوا۔ مولوی صاحب کو مولوی
 رشید الدین صاحب کے پاس گجاؤ اور مولوی صاحب کے پاس جا کر کہہ ان مولوی صاحب کو آپ کے پاس
 پاس بھیجا جائے کہ ان کے علم و فضل کا امتحان لے کر آپ اسی وقت مجھ کو اطلاع دیجئے اگر امتحان میں دست اندر میں تو
 ان کو کسی مدرسہ کی مدد سی پر مامور کر کے مجھے اطلاع دیں چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا
 اور مولوی رشید الدین صاحب نے اس کے علم و فضل کی تعریف لکھ کر تیس روپیہ
 ماہوار کی اسامی پر مامور کیا۔ بھلا ایسا حلم و تحمل کسی دوسرے رئیس سے ہو سکتا ہے
 یہ ہمارا جہ رام سنگھ جی کا طرف عالی تھا +

ہمارا جہ کے خصال

ہمارا جہ رام سنگھ کی صحبت میں ہر قسم کے اشخاص موجود رہتے تھے۔
 دو چار درویش مصری مسلمان صوفی الطریق دو چار ہندو فقیر پیراگی موحّد خدا پرست
 ہمارا جہ کا طریقہ صوفیہ موحّدانہ تھا۔ بیشتر مسائل تصوف کا ذکر کرتے رہتے تھے روایات
 مزاج رکھتے تھے۔ زیبائش امیرانہ سے نفور تھے۔ لباس شانہ رکھتے تھے کلفت سے

برکنار تھے گھوڑے کی کڑوی بچا کر سو جایا کرتے تھے۔ پلنگ۔ چھپرکھٹ کی استراحت
 پر نام رکھتے تھے۔ تپے کلفی کو بہت پسند کرتے۔ مزاج میں عجز و انکسار بدرجہ غایت
 تھا۔ نخت اور عنوت کسی طرح کی نہ تھی۔ صحبت میں دس پانچ فقیر۔ دو چار حکیم۔
 ایک دو ڈاکٹر۔ ایک دو انگریز۔ دو چار زبڈیاں۔ ایک دو ارباب نشاط بہر فن کے ایک
 دو سکار جاننے والے۔ ایک دو تنگ باز وغیرہ ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جہاں
 جاتے تھے۔ یہ جگہ ٹھکان کے ساتھ جاتا تھا اور تھوڑے سے راجپوت سرکار بھی
 ساتھ ہوتے تھے مسلمانوں سے بہت رغبت تھی۔ بمقام سے ایک مرد پیرنا بیٹا
 باجو میاں نام پر نارفق تھا اور شب و روز پاس رہتا تھا۔ جتنے کہ ہمارا ج کے
 شہزادوں کے کمرے کی خدمت بھی۔ اس کا جھرو تھا۔ صبح کو ہمارا ج اس کا منہ دیکھ کر سید
 ہوا کرتے تھے۔ وہ مرد پا خدا قبل از نماز صبح بیدار ہو کر حوائج ضروری سے فارغ
 ہو کر نماز پڑھتا اور بعد و دو وظائف ہمارا ج کے پاس جا کر مونہ بالا پوش یا چادر اٹھاتا
 اور آواز دینا کہ ہمارا ج صبح کا وقت ہے بیدار ہو کر خدا رسول کا ذکر کرو تو ہمارا ج فوراً
 آنکھیں کھول کر پہلے اس کا منہ دیکھتے تھے بعد اور اشخاص کا جرا لیتے تھے لاکھوں
 روپیہ لوگوں کو داد و دہش کے مسافر خانوں میں بھی غربا مساکین فقرا مسافرن کو سدا بہت
 تقسیم ہوتا تھا۔ ایک ایک پیٹیا فی کس ملتا تھا پیٹیا کی مقدار یہ تھی۔ آرد گندم سیر بھر
 مال پاؤ بھر۔ روغن زرد چٹا تک بھر۔ قندریا پاؤ بھر۔ دو پیسے نقد یہ کئی سو پیٹیاں معمولی
 روز تقسیم ہوتا تھا۔ علاوہ خیر خیرات جے پور کی مشہور ہے۔

محرم کی تحریر داری کے واسطے بارہ بیڑے فوج کے تھے ان کو ڈھانی
 ڈھانی سو روپیہ تقسیم ہوتے تھے اور خاص تحریر داری جو حضور کی ہوتی

محرم

لختی اُس کا صرف نیاز نذر علیحدہ تھا۔ اور بیڑے پیچھے پچاس جہان کی نوکری معاف
لختی۔ تعزیه تیاری کے لئے۔

حجاج کی امداد

حجاج کو ہر سال سین پچیس ہزار روپے زادِ راہ حج کے لئے
اور چھپاہ کی رخصت عطا ہوتی تھی نتیجہ اس خیر و برکت کا یہ
ہوا کہ آمدنی نذرِ خالصہ کی کروڑ روپیہ سے اوپر ترقی کر گئی۔ اور چاکر اور صفیہ خیرات
علیحدہ۔

وفات

جب مہاراج رام سنگھ جی نے انتقال فرمایا ہے۔ تو وصیت آسودہ مال
فارغ البال خزانے ملا مال ملازم شاد و آبلو تھے تمام شہر میں تعین دوز
ماتم رہا ہے۔

شہر جے پور باعتبار خوش حالی عمارت و لطافت اور بحالی بلا و ہند میں اپنا نظیر
نہیں رکھتا ہے

اگر فردوس بر روی زمین است زمین است و بہمن است و بہمن است
اللہ اس ریاست کو آباد رکھے بڑا غریب ہو سکتا ہے۔

بعد انتقال مہاراج رام سنگھ کے ایک انقلابِ عظیم برپا ہوا اور مہاراجہ دھو سنگھ
بہادر تخت نشین ہوئے۔ ان کے زمانہ بے اختیاری میں اک عجب طوفانِ بے تمیزی
برپا تھا۔ ایک کو ایک کھائے جاتا تھا ٹھاکرستخ سنگھ جی اور سلس صاحب ایجنٹ
جے پور ریاست کا کام کرتے تھے۔ عجیب ایک اندھیر تھا کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔
جے پور کے عہدے کے لئے بانار بھرے تھے اخباروں میں شائع ہوتا تھا۔
جے پور کی نوکری مالن کا ٹوکرا ہے جس کے جی میں آئے فرید لے۔

غرض کہ اس انقلاب پر آشوب میں جتنے ملازم ہماراج کے وقت تھے۔ سب خانہ نشین ہو گئے اور نئے نئے آدمی روپے خرچ کر کے نوکر ہو گئے ایک ٹھاکر سردار جنرل سپرنٹنڈنٹ ہوئے اور انہوں نے قیدیوں کو بطبع مال موقوف کرنا شروع کیا اور جدید نوکر رکھے گئے۔ ہم چار اضلاع میں چار ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے۔ چاروں ایک قلم موقوف ہوئے۔ مجھے ڈیڑھ دو برس تک مالش و فریاد رہی۔ آخر وہ صاحب ایجنٹ بھی موقوف ہوئے اور ٹھاکر فتح سنگھ بھی موقوف اور بناوانہ نیا پانی ہو گیا۔ اور وہ جنرل سپرنٹنڈنٹ بھی قید ہو گئے۔ مگر فریادیوں کی کچھ عاوری نہ ہوئی۔ اور کوئی بحال نہ ہوا۔ چونکہ میں بھی ان ہی ہر چار ڈپٹیوں کی موتونی میں شامل تھا۔ مجبور خانہ نشین ہونا پڑا۔ چودہ برس تک ہماراج رام سنگھ کی نوکری کی تین برس ہماراج ملوہو سنگھ بہادر کی اس کا صلہ کارگزاری یہ ملا کہ مقصور موقوف ہو کر گھر بیٹھا پڑا۔ مگر ریاست نے میرے حقوق قدیم الخدمتی پر نظر کر کے میرے فرزند سجاد مرزا کو تھانہ دلو کر دیا تھا +

مجھے اس ملک میں مار دہوئے قریب چالیس سال کے عرصہ منقضی ہونے کو آیا ہے۔ اس ملک کا گوشہ گوشہ میرا

ریاست کی آمدنی

دیکھا ہوا ہے۔ اس کا طول جنوب و شمال میں قریب تین سو میل کے ہوگا اور عرض مشرق و مغرب میں قریب ڈیڑھ سو میل کے ہوگا۔ زمین حاصل اس ملک کا ایک کروڑ روپیہ کا تخمینہ تھا اس کی تقسیم تین حصوں پر تقسیم کی گئی تھی۔ ایک حصہ زر خالصہ ریاست یعنی تینتیس لاکھ روپیہ آمدنی ریاست اور اسی قدر تینتیس لاکھ چاکر داران ان میں سب بھائی بیٹے ریاست کے تیسرے حصہ میں صیغہ یعنی صیغہ خراب وہ بھی تینتیس لاکھ اس میں پرورش برہمنان اور خرچ اخراجات معبد گان و مندران وغیرہ ادھک انعامات

وغیرہ میں صیغہ یہ امر قبل از اختیارات مہاراجہ رام سنگھ بہادر الیسا شمار کیا جاتا تھا مگر
زمان مہاراجہ صاحب مدوح میں نہایت خوشی سے داد و پیش مہاراجہ صاحب
سہ چند ترقی پا گیا۔ اب قریب ایک کروڑ سے زرخالصہ کی نشست ہے ۴

نواب احمد علی خاں رونق | قریب اٹھارہ انیس سال کے میرزا نانہ زکری
سرکار میں بہرہ نوار اس عرصہ میں شعر و سخن

کی بھی بہت کم فرصت ملی۔ اس عرصہ میں شاید کوئی بچا پس چالیس غزل اور ایک
دو قصیدے کا اتفاق ہوا وہ بھی بجز جب کبھی نہایت تاکید اور میرے دوست آشنا
نے از حد جبر کیا تو مجبور شاعرہ کی غزل لکھ کر شریک بزم ہو گیا۔ اکثر حکیم محمد سلیم خاں
صاحب فرمائش کر کے غزل لکھواتے تھے۔ بالطبع میری طبیعت راغب نہ تھی اور
احباب کے فرمان سے مجبور تھا۔ ایک روز حسن اتفاق سے میں اپنے تھانہ سا لگانیر
میں تھا اور مہاراجہ صاحب بھی وہیں تشریف رکھتے تھے اور ڈیوڑھی پر میرا بند بشت
ابنی زکری پر حاضر تھا جس باغ میں مہاراجہ صاحب فروکش تھے اُس کے دروازہ
کی چوکی پر میں بیٹھا ہوا قلیان پی رہا تھا۔ تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بزرگوار سا کھٹ پنٹھ
برس کا سن و سال جیم شکاری لباس ماشی رنگ کا انگرکھہ مانسی پاجامہ مانسی عامرہ
جیسے سے دارو ہوئے اور تا نگہ میرے اتر کر میرے پاس آئے میں نے تعظیم دی۔
میرے پاس بیٹھ کر فرمایا میں ختمہ چوں گا میں نے کلی پیش کر دی۔ حقہ پینے لگے۔ مجھ
سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے میں نے جواب میں کہا جتیر کو ظہیر الدین کہتے ہیں
یہ سنکر فوراً متامل ہوئے۔ بعدہ دریافت کیا کہ آپ یہاں کیوں ہیں میں نے کہا۔
زکری پر میں یہاں تھانہ دار ہوں پھر فرمایا ظہیر دہلوی تو آپ نہیں مینے کہا دہلوی تو

لا کلام میں ہی ہوں مگر وہ ظہیر کوئی اور ہوں گے جن کی تلاش آپ کو ہے۔ یہ سنتے ہی ایک قبضہ لگایا اور یہ شعر پڑھا۔

یار درخانہ و ماگردِ جہاں میگردیم آب در کوزہ و ماتشہ لبان میگردیم
اور جلدی سے بنگلیر ہو کر فرمایا کہ ایک عرصہ دراز سے مجھے اور میرے بڑے بھائی
نواب عبدالکریم خاں صاحب کو اس نام کی تلاش تھی وہ اسی آرزو میں انتقال فرما گئے
مگر الحمد للہ کہ میری اتنا آج برائی کہ آپ سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا کہ آپ مجھے
کیا جانیں فرمایا کہ آپ کی غزل ایک محفل میں مینے اور میرے بھائی نے ایک مغلّیہ کی
زبان سے سنی تھی اُس روز سے مجھے اس کلام سے عشق ہوا اور میرے بھائی بھی
یہ کہتے تھے کہ صاحبِ غزل کا پتہ مل جائے تو میں شاگرد ہو جاؤں اُس غزل کے دو
تین شعر مجھے یاد ہیں وہ غزل یہ تھی۔

بتوں سے بچکے چلنے پہ بھی آفت آہی جاتی ہو یہ کافروہ قیامت میں طبیعت آہی جاتی ہے
پھر فرمایا کہ مجھے بھی ابتدائے عمر سے شعر و سخن کا شوق ہے اور شوق کیسا کہ بیماری
ہے اس شوق میں لکھنؤ گیا اور شیخ امام بخش ناسخ سے خواجہ حیدر علی آتش سے اور
دیگر شعرائے نامور سے مل کر آیا ہوں تین دیوان بھی لکھ چکا ہوں۔ میاں خدا بخش صاحب
توزیر بھی ٹونک میں آئے تھے۔ میرے پاس نوکر رہے پھر چلے گئے۔ آپ کی تلاش
تھی۔ اب آپ مجھے شاگرد کیجئے اور کچھ بتائیے میں نے کہا جناب آپ کا سن میرے
والد کے برابر ہے میسرین تینیس چوبیس سال کا ہو گا۔ آپ کا سن ساٹھ سے تجاوز
کر گیا کہا آپ کیا فرماتے ہیں۔ بزرگی بعقل است نہ بسال۔ یہ باتیں ابھی مجھ سے
ہو ہی رہی تھیں کہ سامنے سے مہاراجہ صاحب نے دیکھا اور کہا کہ میاں یہاں

کیوں نہیں آتے ہو۔ پان رکھے ہیں۔ کیوں بیٹھ گئے۔ نواب صاحب! ابھی حاضر ہوتا
 ہوں یہ میرے استاد ہیں ان کے پاس بیٹھ کر حقہ پی رہا تھا۔ مہاراجہ صاحب۔ پھر
 میاں کیا تھا اسے واسطے یہاں حقہ کی ممانعت ہے۔ نواب صاحب نہیں حضور
 ان سے کچھ باتیں کرتا تھا۔ حاضر ہوا۔ غرض کہ نواب صاحب اٹھ کر مہاراج صاحب
 کے پاس آئے۔ مہاراجہ صاحب نے تعجب ہو کر پوچھا کہ یہ آپ کے استاد کس بات
 کے ہیں۔ نواب صاحب۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے شہر و سخن کی دھت ہے۔ مہاراجہ
 صاحب! تو اب یہ شاعر بھی ہیں مجھ سے تو آج تک انہوں نے بیان نہیں کیا کہ شعر
 کہتا ہوں نہ مجھے کبھی کچھ سنایا۔ انہیں بلا ہی لو۔ غرض کہ نواب صاحب نے مجھے آزادی
 کہ حضرت یہاں آئیے۔ مہاراج صاحب یاد فرماتے ہیں میں قریب گیا تو مہاراج صاحب
 نے فرمایا تھا نہ درجی آج تک تم نے کبھی ذکر شہر و سخن کا نہیں کیا میں نے عرض کیا۔ کبھی
 اس قسم کا تذکرہ سرکار میں آیا نہیں۔ میری عادت نہیں کہ خود اپنے منہ سے میاں مٹھو
 بنوں۔ مہاراج صاحب اچھا تو اب کچھ سناؤ میں نے عرض کی پھاٹک تک جانے کی۔
 اجازت ہو جائے تو کچھ لاؤں فرمایا جاؤ میں نے تھانہ میں آکر بے میں دیکھا۔ ایک قصیدہ
 نام تمام سا نکل آیا۔ اسے جلدی جلدی گھسیٹ کر اور اس میں نام درج کر کے دو گھنٹہ میں
 لے گیا اور مہاراج صاحب کو سنایا وہ نواب صاحب نہایت خوش ہوئے اور بہت داد دی
 نواب احمد علی خاں صاحب نے فرمایا حضور یہ اس وقت فی البدیہہ لکھ کر لائے ہیں۔
 مہاراج کو زیادہ تعجب ہوا پھر مہاراج صاحب نے فرمایا مجھے بھی سننے کا شوق ہے۔
 سناتے رہا کرو۔ یہ حال تو مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے میں مشاعرہ کر دیں گا۔ اس میں لکھنا
 میں نے عرض کی بہت بہتر بعد کو نواب صاحب نے عرض کی کہ میں اب سامنے کے

باغیچے میں ٹھہرتا ہوں نماز پڑھ کر پھر آؤں گا۔ یہ کہہ کر میں اور وہ باہر آئے اور سامنے
 والے باغیچے میں جا کر بیٹھے۔ نواب صاحب نے اسی وقت پانچ روپیہ کی شیرینی منگائی
 اور کہا تیار دیکھئے۔ میں نے نیاز دی۔ وہ شیرینی تقسیم ہوئی۔ بعد نواب صاحب نے کہا
 میری غزل کی اصلاح کی کیا صورت ہے میں نے کہا کہ آپ نے بحشم خود دیکھ لیا کہ مجھے
 فرصت ہی سارا دن میسر نہیں ہوتی۔ میرا کہنا سنا سب ترک ہو گیا ہے۔ اب میرا چھوٹا
 بھائی امر اور مرزا اور مجھ سے بہتر کہتا ہے۔ آپ اس سے اصلاح لیجئے اور وہ آپ کو
 دل سے بتائے گا اور وہ اب جے پور آئے گا جب ہمارا جہ صاحب یہاں سے
 تشریف لے جائیں گے اس وقت میں اپنے بھائی کو لے کر مکان پر حاضر ہوں گا۔ غرض کہ
 بعد دو تین روز کے ہمارا ج صاحب جے پور میں تشریف لے گئے اور میں نے جے پور
 جا کر امر اور مرزا کو بلوایا اور نواب صاحب نے غزل دکھائی اس نے ان کے مواجہ میں
 غزل کا اصلاح دی اور جو نقص اس میں تھے اس سے آگاہ کیا بس پھر کیا تھا آنکھیں
 کھل گئیں۔ سروہاں زیدہ اور سنجیدہ سروار تھے اشارہ کافی تھا طبیعت تو موزوں تھی۔
 بنانے کی دیر تھی پھر میں ایک ماہ بعد جب جا کر ملا ہوں تو مجھ سے بیان کیا کہ استاد
 تمہارے بھائی نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ میں کچھ
 بھی نہیں جانتا تھا اور اور لوگ بھی ناواقف ہیں۔ تنکے کے اوچھل پہاڑ ہے میں نے
 اپنے قیوں دیوان چھوادیئے اور اب نئے سرے سے پھر کہنا شروع کیا ہے دو غزلیں
 بلاناغہ میں لکھتا ہوں اور اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اور وقت فرصت میں نے شعر گوئی
 کا مقرر کیا ہے دس بجے رات کے میں پلنگ پر بیٹھا ہوں لکھنے والے میرے پلنگ
 کے نیچے بیٹھے لکھتے جاتے ہیں اور میں کہتا جاتا ہوں حاصل کلام یہ کہ ایک دیوان لکھ کر

اور تیار کیا اکثر اُن کے یہاں میری صحبت رہتی تھی اُس میں کچھ سننے کا اتفاق مجھے
ہو جاتا تھا۔ اور نہ نوکری سے فرصت تھی ورنہ آج تک میرا کلام بہت ہوتا۔ اب نوکری
سے یکسو ہو کر خانہ نشین ہوا ہوں اور میرا بھائی دلی جا کر ملازم ہو گیا ہے۔ دو تین سال
میں بے روزگار رہا۔ پھر میں بھوپال گیا ہوں اور وہاں مشاعرہ نواب شاہ جہاں بیگم
صاحبہ کے مہاجر میں ہوئے ہیں۔ اُن مشاعروں میں شریک رہا ہوں چند غزلیں جب
لکھی گئیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے مجھے امیدوار کیا تھا۔ چار ماہ میں ٹھہرا پھر
مجھے انتقال برادر مرحوم کی خبر پہنچی میں واپس جے پور آ گیا تو نواب صاحب نے فرمایا
کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ مجھے اُس کا نہایت صدمہ ہے۔ اب آپ میرے
پاس رہیں۔ مجھ سے جلدانہ ہو جائے جو سلوک میں اُن سے کرتا تھا وہ آپ سے کروں گا
چنانچہ میں اُس روز سے اُن کی رفاقت میں رہا۔ ایک دیوان دوم کی میں نے اصلاح
کی اور ایک میرے بھائی نے پہلا دیوان جو میرے بھائی نے بنایا تھا وہ چھپ گیا
دیوانِ رونق موجود ہے دوسرے کے چھپنے کی تیاری تھی کہ وہ انتقال فرما گئے مگر دونوں
دیوان اُن کے ایسے ہیں کہ ہم دونوں بھائیوں کے برابر بلکہ کسی درجہ اول میں کیونکہ ہم
دونوں نے جان توڑ کر لکھے ہیں اپنے کلام سے اُن کے کلام کو بٹھا دیا جب ایسا شاگرد
لائق فائق قدردان خوش عقیدہ ہو تو محنت کرنے کو جی چاہتا ہے نواب احمد علی خاں
صاحب مرحوم نے جو میری قدرو منزلت کی ہے ایسی کوئی شاگرد استاد کی نہ کر سکا۔
کوئی چیز ایسی نہ ہو گی کہ وہ مجھ سے دریغ کرتے ہوں حتیٰ کہ دو آنک پیتے تھے۔
تو مجھے پلاویتے تھے نسخہ معجون یا قوتی سات روپے میں کرایا تھا اُس میں سے
بھی مجھے ایک ماشہ بھیج دی یہاں تک اُن کو مجھ سے عقیدت تھی کہ اکثر ایسا ہوتا

کوئی عمدہ شے اُن کے آگے رکھی گئی۔ تو پہلے کہتے تھے کہ ایک چچہ اُس میں سے
 تو کھالے تو میں کھاؤں میں کہتا حضرت آپ کیا فرماتے ہیں وہ کہتے اس لئے کہ تیری
 زبان کا اثر میری زبان میں آجائے۔ جس وقت انہوں نے انتقال فرمایا ہے تو میں اوپر
 پتنگ کے بیٹھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے اپنے
 سینہ پر رکھ چھوڑا تھا۔ اسی طرح اُن کا دم مکلا بڑے صاحبزادے اُن کے سامنے
 بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے زندگی بھر انہوں نے مجھے اپنے سے جدا نہ ہونے دیا
 بار نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر نے مجھے طلب کیا کہ دادا تم استاد کو مجھے
 دے دو صاف جواب دیا آج تو تم استاد کو مجھ سے طلب کرتے ہو اور پھر اُن کی تعظیم
 و تکریم میں فرق آیا تو مجھ دینج ہوگا اور مجھے تم سے کشیدگی ہو جائے گی میں اپنی
 زندگی میں تو دیتا نہیں بعد میرے مرنے کے تم کو اختیار ہے تم ملا لینا۔ چنانچہ ایسا
 ہی ظہور میں آیا۔ بعد انتقال نواب احمد علی خاں صاحب کے نواب صاحب بہادر
 نے اُن کے صاحبزادوں سے کہلا بھیجا کہ تم اب استاد کو میرے پاس بھیجو۔ اور
 حسب الطلب نواب صاحب بہادر کے میں ٹونک میں گیا۔

جس زمانہ میں کہ میں نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم کی رفاقت میں تھا تو
 نواب صاحب کو مشاعرہ کا شوق اذ حد تھا۔ ہمیشہ مشاعرہ وغیرہ ہوتے رہتے اور نواب
 صاحب کی بھی تباکید غزلیں منگواتے تھے البتہ دو سو غزل کے قریب مجھ سے
 نواب صاحب نے لکھوائیں۔ دیوانِ اول گلستانِ سخن اُن کے زمانہ حیات میں قریب
 اختتام پہنچ گیا تھا۔

ملازمستی کا رگزار یاں | جس زمانہ میں میں تھا دار تھا اور نظر پرورش مہاراجہ

صاحب کی میرے حال پر بھی تو اکثر کاروائے نمایاں کا انجام ظہور پذیر ہوتا رہتا تھا اور حکام بالا دست اکثر ہمت اہم پر مجھ کو بھیجتے رہتے تھے جانتے تھے کہ یہ کسی حمایتی سے دینے والا نہیں۔ ریاست جے پور میں قدیم الایام سے یہ بات چلی آتی تھی کہ بڑے بڑے جو سردار جاگیر ریاست تھے ان کے دیہات میں جو کوئی مجرم جا کر پناہ گزین ہوتا تھا وہ اس کو گرفتار کر دینا بہت محبوب جانتے تھے یہ امر گویا ایک طرح کی بہادری میں تصور کیا جاتا تھا کہ غلام مکان میں سے مجرم گرفتار نہیں ہوتا اور پناہ دہندہ پناہ پذیر کو ہرگز نہیں دیتا خصوصاً وہ جاگیر دار جو اراکین ریاست تصور ہوتے تھے۔ راول جی صاحب اور ان کے بھائی ٹھاکر صاحب کہ جن کے خاندان میں قدیم سے مدارالمہمانی ہوتے چلے آئے تھے تو ایسے مواضع سرکش اور حمایتی کی تحصیل احکامات کے واسطے مجھے بھیجا جاتا تھا ایک بار حسن اتفاق سے قصبہ ساہوڑو ٹھاکر راول جی صاحب کا خاص مولد و مسکن اس کا تھا۔ اس میں تین مجرم دار عادت غارتگری کے پناہ گزین ہیں اور مجھے پتہ لگا اور میں نے جا کر خاص ساہوڑو میں ان کو گرفتار کیا۔ کامداران راول جی صاحب مارج اور مانع ہوئے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ مجرم یہاں سے کوئی تھانہ دار یا ملازم فوجداری گرفتار کر کے لے گیا ہو۔ تم ان کو چھوڑ دو۔ اگر راج کو ان کی طلبی منظور ہے تو بذریعہ تحریر طلب کرے۔ ہم اپنے طور پر بھیج دیں گے میں نے جواب دیا پھر راج کی حکومت ہی کیا ہوئی۔ جب مجرم کو گرفتار نہیں کر سکتا میں ان کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اسی طرح ہتھکڑی بیڑی ڈال کر لے جائیں گا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ ان دھمکیوں میں نہ آئے گا تو زنی پراتر سے اور طعنے دینے لگے تھے کہ تین ہزار روپیہ کا لالچ دیا کہ تم ان کو چھوڑ جاؤ تین ہزار روپیہ ہم دیتے ہیں۔

فقط اتنی بات کہ ٹھکانے کی آن ٹوٹی ہے اور تمام ریاست میں بدنامی ہے کہ ٹھکانے
 میں سے پناہ پذیر گرفتار ہو گئے تھے جواب دیا کہ پیشتر تو شاید میں رسید لے کر تھارے
 حوالہ بھی کر دیتا۔ مگر اب تم نے رشوت کا نام لے لیا ہے تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا کہ اس
 لئے کہ آج تو میری قید میں ہیں اور ہتکڑی بیڑی میں نے ڈال رکھی ہے اور کل اسی
 طرح ہتکڑی اور بیڑی میرے ہاتھ پاؤں میں ہو گئی۔ اس پر گفتگو طویل کھینچ گئی۔ راول جی
 صاحب کے کامدار سے انہوں نے کہا۔ بھلا دکھیں تو کیسے تم ان مجرموں کو لے جا سکتے
 ہو بیسیوں تھانہ دار آئے اور یوں ہی ہم نے چلا دیئے ہیں نے جواب دیا کہ کوئی تھانہ دار
 ہی نہ آیا ہو گا۔ مکھڑم سوئی مالے ہوں گے میں ان کو لے جاؤں اور ڈنکے کی چوٹ
 لے جاؤں اور سامنے ایک مکان محفوظ مند کا تھا۔ اُس پر قبضہ کر لیا اور ان مجرموں کو
 اُس کی کوٹھڑی میں بند کیا اور باہر اپنے ہمراہیاں جمعیت کا بندوبست کر دیا۔ اور برابر
 کے تھانہ داران کو اور گرفتار کو بند لچیر رقعہ جات بنا براہ طلب کیا اور جنرل سپرنٹنڈنٹ
 کو اس مضمون کی عرضی لکھی اور براہ طلب کی اور سواران کے ہاتھ رقعہ روانہ کئے غرض کہ
 دوپہر کے عرصہ میں دلو تھانہ دار اور گرفتار میری اطاعت کو آپہنچے اب میرے پاس پچاس
 سوار اور دس ہندو سوار کی جمعیت ہو گئی۔ سب ملازمان راول جی صاحب نے یہ کام کیا
 کہ دوانہ شہر پناہ کے بند کرادیئے اور ہر ایک دوانہ پر تین تین سو چار چار آدمیوں
 کی جمعیت رکھ دی کہ طرہوں کو باہر نہ لے جا سکیں اور صر سارہ وقت انہوں کو منادی کرادی
 کہ کوئی ملازمان سرکاری کو رسد نہ دے اب گھوڑے بھوکے ہیں اور آدمی بھوکے
 ہیں۔ سب حیران ہیں کہ باہلی کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے سوچتے سوچتے ایک بات
 خیال میں آئی۔ مندر کے سامنے ایک گھاس کی کڑی لگی ہوئی تھی اور وہ ایک پٹے

کی تھی اور اُسی کی دکان آٹے وال کی تھی ہاتے ہی اُس بقال کا کان پکڑ کے اٹھا
 لایا۔ اور مندر میں لاکر اُسے اونڈھا ڈال کر اُس کی کمر پائیک من بھر کا پتھر رکھ دیا اور
 اُسے کہا کہ اے ہم بھوکے مریں گے مگر پہلے تجھے مار ڈالیں گے تو جانتا ہے۔ کہ
 بڑے راج کے نوکر میں اور راج نوکری پر آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔
 یا تو یہ جی طرح ہم کو رسد دیدے اور نہیں تیری دکان گھر بار سب لوٹ لیں گے
 وہ لگا واو فریاد مچانے۔ اب راول جی کے آدمیوں کا یہ مقادہ نہیں کہ ہم سے آکر زبردستی
 بیٹھے کو چھوڑ کرے جاتے فقط نہ بانی گیدڑ بھکیاں تھیں جب بیٹھے نے دیکھ لیا کوئی فریاد
 کو نہیں پہنچ سکتا تو مجبور منت معذرت کرنے لگا مجھے چھوڑ دو میں رسد دیتا ہوں۔
 میں نے کہا چھوڑ دینا پس ایسے نہیں ہو سکتا سب چیز بست ہیں میں مٹکا دے
 اس نے اپنے بھائی بندوں کو آواز دی اسے جلدی آو اور مجھے اس بلا سے نجات لاؤ
 اُسی وقت اُس کا بھائی اور بیٹا دوڑے ہوئے آئے اور اُس نے ان سے کہا کہ سب
 چیز سب سامان رسد کی ہیں اٹھا لاؤ وہ جلدی جلدی سب تھیلے اٹھا لائے۔
 مندر میں دکان لگا دی جب میں نے کہا اٹھا لو پتھر اُس کی پشت پر سے اور اُس سے
 کہا آٹھ روز کی رسد تو اب لشکر کو لا دے باقی پھر دیکھی جائے گی اور سواران سے کہا
 کہ گھاس کے گٹھے بانڈھ لاؤ اور اُس کے سامنے لاکر رکھ دو اور مناسب قیمت اُسے
 دیتے جاؤ۔ اور لیتے جاؤ اور جس کے پاس قیمت نہ ہو وہ اپنا نام اور محبت کا اور اپنے
 جاگیر دار کا اُس کی بھی میں کھواتے جاؤ۔ غرض کہ خوراک کا بندوبست کر کے بیٹھے کو رٹا
 کر دیا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ رونا یک عرضی طلب امداد میں ممکنہ صدر سپرنٹنڈنٹ ہیست
 پیادگان روانہ ہوتی ہے۔ کیونکہ دروازے شہر کے بند ہیں۔ سوار تو نہ نکل سکتا تھا۔

کھڑکی کی راہ سے پیدل روانہ ہوتا تھا۔ سات روز تک یہی کیفیت رہی اور محکمہ
 صدر سے کچھ حکم نہ آیا اور نہ وارد آئی۔ آخر الاسرنا چار ہو کر میں نے ایک رقعہ بنام حکیم
 محمد سلیم خاں صاحب داروغہ محکمہ خبر روانہ کیا اور تمام کیفیت از ابتدا تا انتہا لکھ
 بھیجی کہ آپ بذریعہ پرچہ خبر مہاراجہ صاحب کو اطلاع دیجئے اور جیسا حکم صادر ہو مجھے
 مطلع کیجئے چنانچہ حامل رقعہ تین بجے رات کے جے پور پہنچا کیونکہ مقام سامود جیلو
 سے بارہ تیرہ کوس تھا۔ داروغہ خبر نے لغافہ چاک کر کے رقعہ کو پڑھا اور پڑھ کر پاکی
 میں سوار ہو کر رقعہ کو لئے ہوئے محل کی ڈیوڑھی پر بیٹھے اور مہاراجہ صاحب کو اطلاع
 کرانی کہ کوئی خبر ضروری زبانی حضور سے عرض کرنی ہے۔ فی الفور حکیم صاحب کو طلب
 کر لیا گیا اور حکیم صاحب گئے میل رقعہ جو ان کے نام تھا وہ حوت بھرت پڑھ کر مہاراج
 صاحب کو سنا دیا۔ بچہ رستم اس خبر کے مہاراج صاحب نے حکم دیا کہ شفیع میاں
 جنرل سپرنٹنڈنٹ کو حاضر کرواؤ۔ بخشی فرج اور بخشی خانہ جاگیر میں دونوں بخشیدوں کو حکم
 پہنچا دو کہ جس قدر سوار اس وقت موجود ہوں سب تیار ہو کر سامان جنگ گولی بارود
 وغیرہ لے کر ڈیوڑھی پر حاضر ہو جائیں۔ مہاراج کا حکم سنتے ہی لے دے ہو گئی جا بجا
 ہر کارے دوڑ گئے رسالے تیار ہو کر آئے لگے کہ اسی اثنا میں سپرنٹنڈنٹ حاضر ہوا
 فرمایا کیوں جی ہم نے اسی واسطے تم کو سپرنٹنڈنٹ کیا تھا کہ آٹھ روز سے ہمارے
 نوکر قید ہیں اور تم نے اس کا کچھ انتظام نہ کیا اور ان غریبوں کی کچھ خبر گیری نہ کی نہ مدد
 پہنچی۔ سپرنٹنڈنٹ نے عرض کی حضور صاحبین کا معاملہ تھا اس لئے مجھے تامل تھا۔
 فرمایا مصاحبین ہم سے بڑھ کر نہیں ہیں تعین حکم میں ایک سپاہی برابر صاحب کے
 ہوتا ہے وہ لوگ ہمارے حکم کے بموجب اپنا فرض منصبی ادا کرنے گئے تھے۔ جاؤ

ہمارے آدمیوں کو چھڑا کر لاواعدیہ سن لو کہ اگر میرا ایک آدمی بھی ضائع ہو گیا تو مجھ سے
 برا کوئی نہ ہوگا۔ تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سامود کا چوترا بنا کر آنا کوئی یہ نہ جانے کہ
 سامود کبھی آباد تھی یا نہیں۔ سپرنٹنڈنٹ نے عرض کی بہت بہتر ایسا ہی ہوگا۔ غلام
 سوار ہوتا ہے پھر مہاراج صاحب نے فرمایا تم بڑھے آدمی ہو تم کہاں جاؤ گے اپنے
 بیٹے کو سولہ کراہور احمدیاں ان کے بیٹے بھی حاضر تھے انہوں نے آگے بڑھ کر
 آداب بجا یا اور رخصت ہو کر سوار ہوئے اور بارہ بجے رات کے چاند پل دروازہ
 کھلوا کر جمعیت سوارانِ رعانہ ہوئے ادھر جیسے توپ خانہ اور دوپٹوں میں حکم
 پہنچ گیا کہ تیار رہیں اور حکم کے پہنچتے ہی رعانہ ہو جائیں ادھر راول جی صاحب وہیں
 چینی کے برج میں موجود تھے وہ سن کر آتے ہی قدموں میں گر پڑے اور عرض کی کہ
 حضور فوج کو کیوں تکلیف دیتے ہیں میں ان مجرموں اور ملازموں کو جنہوں نے عدل
 حکمی کی ہے۔ دوپٹر تک ڈیڑھ ہی پر حاضر کئے دیتا ہوں۔ ارشاد ہوا کوئی ضرورت نہیں
 جس تعانیدار نے مجرم گرفتار کئے ہیں وہی لے کر آئے گا۔ اُس نے اتنی بڑی تعمیل
 حکم کی ہے میں اس کی دشمنی کیونکر روار کھونگا۔ آپ جا کر اپنے مکان میں بیٹھے کل
 سب ظہور میں آجائے گا۔

آج آٹھواں دن ہے صبح کا وقت ہے چار گھنٹی دن چڑھا ہے میں ہاتھ منہ
 دھو کر دوبارہ مندر کے آگے کے چوترا پر بیٹھا ہوا کلی پی رہا ہوں پانچ سوار میرے
 پاس بیٹھے ہیں میں اپنے دل میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دیکھئے آج اُس رقعہ کا
 کیا جواب آتا ہے کہ دو شخص سامنے کے دروازہ کی کھڑکی میں سے کل کر آئے
 اوپر میرے پاس آکر سلام علیک کی اور کہا کہ حضرت ہم بھی مسافر ہیں حقہ کی طلب ہے

اگر حقہ عنایت ہو تو دو گھونٹ ہم بھی پی لیں میں نے کہا آؤ بیٹھ جاؤ حقہ پی لو۔
 وہ دونوں بیٹھ گئے ایک حقہ پینے لگا اور ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ سے کچھ
 علیحدہ عرض کرنا ہے میں سمجھا یہ مسافر میں کچھ سوال کریں گے میں اس کا حقہ پکڑ کے
 علیحدہ لے گیا اور پوچھا کیا اس نے چپکے سے کہا تمہاری مدد آگئی ہے مگر دروازہ
 شہر بند ہے اندر کس طرح آسکتے ہیں میں سمجھا سو پچاس سوار آئے ہوں گے پھر
 میں نے پوچھا کس قدر جمعیت تمہارے ساتھ ہے اس نے بیان کیا پانچ ہزار سوار
 تو اس وقت موجود تھے اور جیسے کانوپ خانہ اور پیدل فوج عقب سے آئے گی
 یہ سنتے ہی ایک بار تو میرے ہوش پرواز کر گئے میں سمجھا یہ منسی کرتا ہے پھر میں نے
 کہا کیا یہ بات سچ ہے یا ذرا ہنسائی اس نے کہا اب آنکھ سے دیکھ لینا مگر ترکیب اند
 آنے کی بتاؤ میں نے کہا دروازہ کے سامنے سے چکر کاٹ کر شمالی دروازہ سے آنا
 چاہیئے وہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس طرح دور سے گھوڑے اٹھا کر آنا چاہیئے
 کہ دروازہ بند نہ کرنے پائیں اور میں اس دروازہ پر جامو باندھوں گا دروازہ بند نہ ہونے
 والے گا۔ تم جاؤ بسم اللہ کرو ان دونوں کو تو میں نے اُدھر روانہ کیا اور اپنی جمعیت کو
 الگ بنوا کر چپکے سے کہہ دیا کہ مگر بندی کر کے مسلح ہو جاؤ۔ گھوڑے تو کسو نہیں تاکہ
 معلوم نہ ہو جائے مگر پیدل مسلح ہو جاؤ۔ دس آدمی تو مندر کی حفاظت پر رہو اور باقی
 دروازے تک پھیل جاؤ جس وقت کچھ فساد ہو تا دیکھو وہاں سے پرودہ آؤ۔ میں
 ہلتا ہوا دروازے پر جاتا ہوں غرض کہ سب جلدی سے تیار ہو گئے اور میں تلوار اٹھ
 میں لے کر اور ایک اٹھ میں حقہ پیتا ہوا دروازے کی طرف کو چلا۔ خد شکار کا ندھے پر
 بندوق وہ میرے عقب میں تھا اور ہلتا ہوا دروازے پر پہنچا۔ دروازے پر کوئی

ڈیڑھ سو دو سو آدمی کی جمعیت میں وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے مجھے سلام کیا اور کہا۔
 آج تھانہ دارچی اور کسبے تشریف لائے میں نے جواب دیا بھئی ہم تو تمہارے قیدی
 میں کہیں جاتے ہو نہیں شہر میں پھر کر جی بھلا تے ہیں۔ سپاہیان دروازہ نے کہا تھانہ دار
 جی تم کو کون قید کر سکتا ہے تم پھر بھی راج کے نوکر ہو۔ یہ بھی کوئی دن کا بلہ غلام ہے
 میری ان کی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ میں نے دیکھا۔ یکا یک دروازہ کے سامنے سے
 ایک رسالہ کا نائب رسالدار گھوڑا دوڑائے ہوئے بے تکی شا چلا آتا ہے اور اس کے
 پیچھے ہی سواران کا غٹ ہے اور اس نے آتے ہی گھر سے تلوار کھینچ کر علم کی پوری
 قواعد کی پوری اور سب سواروں نے تلواریں کھینچ لیں۔ نگہبان دروازہ سے ہر سکتہ کے
 عالم میں ہک دھک رہ گئے اور نائب رسالدار نے ڈانٹ کر دروازہ والوں سے کہا کہ
 خبردار اگر اپنی جاسے جنبش کی تو مارے تلواروں کے کٹھے اڑا دیئے جائیں گے۔
 جیسے بیٹھے ہو یوں ہی بیٹھے رہو پھر کس کا مقدور تھا کہ چوں کر سکے۔ اور فسر نے
 گھوڑا بڑھا کر کہا آؤ مردو آ جاؤ پس پھر کیا تھا ایک ریلہ سواروں کا ایسا داخل ہوا کہ
 دروازے میں سے بھٹک کر برآمد ہوئے اور سواروں کے غٹ کے غٹ چلے آتے ہیں
 اور ساموویں داخل ہوتے جاتے ہیں ان کے عقب میں تقاریر پر چوٹ دیتا ہوا
 تقارچی داخل ہوا اور احمد میاں نے آکر مجھ سے سلام علیک کی اور پیچھے ان کے
 خاص رسالے آٹھوں رسالے تقاروں پر چوٹ دیتے ہوئے داخل ہو گئے ان کے
 عقب میں تین ہزار جاگیرداروں کا ٹیلہ داخل ہو گیا۔ اب ساموویں تل دھرنے کو
 جائز رہی۔ تمام شہر سواروں سے بھر گیا۔ اس وقت احمد میاں نائب سپرنٹنڈنٹ
 نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہارے قیدی کہاں ہیں لاؤ ان کو میں نے کہا موجود ہیں منہ

میں قید میں۔ اسی وقت ساموئیل سے ایک گاڑی بیکار میں پکڑی اور قیدیوں کو مندر
 سے برآمد کر کے چھوڑے پر سوار کیا اور مجھ سے کہا کہ چلو میں نے کہا کہ ایک پانچ منٹ او
 توقف کیجئے کہ میں ذرا بھائی جی کے ملازول جی صاحب سے مل کر دو باتیں کر لوں
 احمد میاں بولے اچھا میں نے کہا ایک امر اور ہے ذرا ان نقارچوں کو میرے ہمراہ کر
 دو غرنکہ تقاسے گھوڑے ہمراہ لے کر میں کا ملا صاحب کے مکان پر پہنچا تو دوازہ
 کو تیار لگا ہوا پایا میں نے اس وقت بازار بند دیا بھائی جی کا نام لے کر آواز دی کہ رواز
 کھلا کر مجھ سے دو باتیں کر لو ہر چند میں نے اور میرے ہمراہیوں نے پکارا مگر دوازہ
 میں سے صدائے برخاست کا عالم پایا۔ اس وقت میں نے بہت بڑی آواز سے
 پکار کر کہا کہ دیا بھائی جی آپ کہتے تھے کہ بیویں تھانہ دار چلا دیئے ہیں کسی نے آج
 تک ٹھکانے کی آن نہیں توڑی ہے اس کے جواب میں بیٹے آپ سے کہا تھا
 کہ کوئی تھانہ دار ملک حلال نہ آیا ہوگا۔ ورنہ ڈنکے کی چوٹ گرفتار کر کے لے جائیگا
 تو دیکھ مرد جو بات زبان سے نکالتے ہیں اسے پورا کر کے دکھا دیتے ہیں۔ لودیکھ لو۔
 میں ڈنکے کی چوٹ ان کو گرفتار کر کے لئے جاتا ہوں اگر ہم سے چھوڑا نا چاہتے ہو۔
 چھڑاؤ۔ یہ کہہ کر میں نے نقارچوں کو حکم دیا ان بھائی اب تم نقارے پر چوب دو
 یکبارگی دس بارہ نقاروں پر چوب پڑی۔ تمام شہر اور پہاڑ گونج اٹھا اور ہم سب
 افسر قیدیوں کو لے کر شہر سے باہر ہوئے اور شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر
 ماول جی کا ایک بلغ تھاواں جا کر فوج کا ڈیرہ کیا احمد میاں نے دیا بھائی سے
 کہا بیجا اگر اپنی خیر منظور ہو تو سرکاری لشکر کے لئے بہت جلد رسد کا سامان
 اور مٹیوں کی دکانیں روانہ کرو میں نے یہ ٹھکانے کا لحاظ کیا ہے کہ فوج کو شہر کے

باہر لے آیا ہوں سورنہ سامونٹ جاتی۔ اس پیغام کے تھوڑی دیر بعد سامان رسید
 وغیرہ سب آ موجود ہوا اور شکر نے دن بھر اپنا کھانا پکانا کیا رات کو وہیں شب باس ہوئے
 صبح کو سہلے وقت کوچ ہوا گیارہ بجے دن کے مقام ہمارہ پر جہاں میرا تھکانہ تھا
 پہنچے۔ وہاں درختوں کے سایہ میں سواروں نے آرام کیا۔ گھوڑوں کو پانی پلوایا۔ اب
 کچھ چنا چھینا وغیرہ جو کچھ دستیاب ہوا لے کر ناشتہ کیا۔ ادھر میرے آدمیوں نے
 ماسا وال وغیرہ تیار کی۔ احمد میاں اور گردا اور تھکانہ دایان ہمارا ہی اور افسران سوار
 نے وہ ناشتہ کیا بعد منجھے وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب ہم امانی شاہ پر پہنچے۔ تو
 شہر کی خلقت کا ایک اثرہ حام پایا۔ جیسے کوئی میلہ ہوتا ہے۔ شہر کے تماشاخیوں کا
 میلہ امانی شاہ سے لے کر حبیب چوک تک وہ اثرہ حام تھا کہ سواروں کو راستہ نہ ملتا
 تھا۔ غرض کہ اسی طرح ہم سب ان قیدیوں کو لئے حبیب چوک میں پہنچے تو ہمارے چٹا
 اور ہمارا جہ حبونت سنگھ بہادر فرما کر واسے جو وہ پورا اس وقت ہوا محل کے دروازہ
 کی سیڑھیوں کے برابر کے برج میں بیٹھے ہوئے منتظر تھے اور تمام اہلکار محکمہ جات
 حبیب چوک میں راہ دیکھ رہے تھے ہیں نے اور احمد میاں نے اور افسروں نے
 جاکر سلام کیا۔ ہمارا جہ صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تو کہا جا پھنسا تھا
 میں نے عرض کی حضور سرکار کی نوکری ہے ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے۔ فرمایا شاہاش
 نمک حلال ایسے ہی ہوتے ہیں۔ قیدیوں کو سپرد فوجداری کر کے جاؤ مکان پر کمر
 کھو لو تہااری نوکری ہو گئی میں تعمیل حکم کر کے اور فوجداری سے رسید لے کر گھر کو روانہ
 ہوا اور جب لوگ اپنے اپنے قیام گاہ کو گئے میں گھر پر پہنچا ہوں تو سب بریت کی حالت
 مانگ رہے تھے روکھتے ہی خوش ہو گئے۔ صدقے سے آتے گئے۔ اسی طرح

ایک اور معاملہ تھا کہ گوبند سنگھ جی کے گاؤں میں واقع ہوا تھا اگر اس کی تشریح کی جائے تو ایک دفتر ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ ایک سوامی پیراگی کہ سب خلقت کو صاحب نسبت ہونے کا گمان تھا۔ اور ہمارا صاحب کو اس کے ساتھ عیسٰی عقیدت بدبخت غایت تھی اس کی ایک بھینس پوری ہو گئی تھی اس نے خود جا کر ہمارا ج سے عرض کی کہ آپ کیا علاج کر سکتے ہیں آپ سے میری ایک بھینس تو مشکانی جاتی ہی نہیں۔ ہمارا صاحب نے سنتے ہی سپرنٹنڈنٹ پر دس روپے روز کی دستک جاری کرنے کا حکم دیا اور ایک روپیہ یومیہ کی دستک جاری ہوئی میں نے جا کر مدعی سے کہا۔ کہ تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع کی ہمارا ج سے کیوں فریاد کی۔ سوامی جی نے مجھ سے کہا کہ بابا تیرے بس کی بات نہیں میری بھینس بہت بڑے ٹھکانے میں گئی ہے تو نہیں لاسکتا مجھے سب حقیقت معلوم ہے میں نے سوامی جی سے کہا کہ اچھا تم مجھے نشاندہی کرو میں گرفتار کر لاؤں گا سوامی جی نے کہا ایک اشتہاری مجرم کا قصور معاف کرادے تو وہ تیرے ساتھ جا کر نشاندہی کرادے میں یہ بات سن کر کونسل میں پہنچا اور حکام سے عرض کی کہ ایک اشتہاری مجرم کا قصور معاف کیا جائے تو مال مجرم پیدا ہو سکتے ہیں چونکہ ہمارا ج کا حکم باد میں صادر ہو چکا اسی وقت معافی قصور کا پروانہ باس شرط کہ اگر مال مجرم گرفتار کرادے تو مجرم کا قصور معاف کیا جائے میں وہ پروانہ لے کر پھر سوامی جی کے پاس پہنچا اور سوامی نے بیچنا تھا اشتہاری کو میرے سامنے بلوا کر موجود کر دیا۔ وہ مجرم میرے علاقے کا نہیں تھا غرض کہ اس کے دوسرے دن دس سو اور خاص رسالے کے میں ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ بیچنا میرے ہمراہ تھا۔ وہ ایک گاؤں جاگیر ٹھاکر گوبند سنگھ جی میں مجھے لے کر پہنچا وہ

گاؤں جے پور سے چودہ کوس تھا۔ شام کو ہم دہاں جا کر پہنچے تعلقدار وہ سے
 سربراہ کے واسطے کہلا بھیجا گیا کہ ہم واسطے کارِ سرکار کے آئے ہیں تم سربراہ بھجواؤ
 اور خود آؤ جو کچھ سرکار سے کام ہے اُس کی تعمیل کرو۔ اس کے جواب میں تعلقدار نے
 کہلا بھیجا کہ سربراہ دینے کا ہماری سرکار سے حکم نہیں ہے اور مجھے اس وقت
 فرصت نہیں صبح کو ملوں گا۔ پھر میں نے ایک سوار بھیج کر کہلا بھیجا کہ سربراہ نہ دو
 مگر حکم تو سن جاؤ۔ کہا صبح کو آؤں گا میں نے منبر سے کہا کہ پولیس کی نشاندہی کر
 بھینس تو گرفتار کر لی جائے بعد میں دیکھا جائے گا وہ اٹھ کر گیا اور تھوڑی دیر میں
 آکر جواب دیا کہ میں جس مکان میں بھینس بندھی ہوئی دیکھ گیا تھا اب وہاں نہیں ہے
 اور میں بھینس کی پونچھ پر ہاتھ پھیر کر گیا تھا۔ اور تعلقدار جی کو بتا کر گیا تھا کہ یہ بھینس
 جانے نہ پائے۔ اور یہ مجرم اور زمینداروں کو بھی کہہ گیا تھا بھینس ابھی ابھی انہوں نے
 یہاں سے چاادی ہے اور اسی واسطے تعلقدار نہ آیا۔ غرض کہ اس شب کو تو گھوڑوں کا
 دانہ گھاس اور دیہات میں سے منگوا کر کیا مگر آدمی سب بھوکے پیاسے ہے صبح
 کو تعلقدار صاحب آئے تو دیکھتا کیا ہوں کہ بڑے موٹے نادے لچیم شحیم آدمی ہیں۔
 خیر سلام علیک ہو کر آکے بیٹھے میں نے ان سے کہا کہ تعلقدار صاحب خاص ہمارا جہ
 صاحب کا تو حکم اور میں نے اُس کی تعمیل کے واسطے آپ کو بلوایا اور آپ نے عذر
 کیا اس عدول حکمی کا تو مجھے جواب دیجئے پھر اور کچھ کہوں گا جواب دیا کہ یہ نہ معلوم
 تھا کہ خاص حکم حضور سے ہے۔ پھر میں نے کہا کہ وہ چوری کی بھینس اور کالی ناتھ
 سارق میرے حوالہ کرو تعلقدار کیسی بھینس۔ کون کالی ناتھ۔ میں۔ اینجانب
 سد سے والے سوامی کی بھینس اور کالی ناتھ چور جس کو تم نے گاؤں میں آباد کیا اور

جس سے چوریاں کراتے ہو اور مال حرام کا کھا کر موٹے ہوئے ہو۔ تعلقدار کا کیا کوئی
ہمارے گاؤں میں نہیں آیا نہ بھینس آئی میں نے منبر سے کہا کہ جواب دے بیچنا تھ
نے کہا کہ تعلقدار جی میں خود بھینس گاؤں میں دیکھ کر گیا تھا۔ اور آپ سے کہہ گیا
تھا کہ بھینس جانے پائے یہ چوری کی ہے اور کا لیا بھی موجود تھا دونوں کیواسطے
آپ سے یہ کہا تھا۔ اور تاکید کر گیا تھا کہ خبردار دونو جانے نہ پائیں۔

تعلقدار۔ جھوٹا ہے الزام لگاتا ہے پھر میں نے تعلقدار سے کہا کہ تعلقدار
صاحب میں آپ سے دوستانہ فہمائش کرتا ہوں کہ آپ اپنی خیر چاہیں تو بھینس
منگا دیں۔ ورنہ آپ تو کیا ہیں ٹھاکر صاحب کو بری بن جائے گی۔ یہ خاص حکم
ہے۔

تعلقدار۔ اسی حضرت مسیوں افسر گرائی دیکھ لیئے ہیں۔ ٹھاکر صاحب پر
بری بنوانے والا کون ہے۔ اینجانب۔ افسر گرائی کو بھی نہیں دیکھا ہو گا۔ ورنہ
اب تک کبھی کی بیڑیاں پڑ گئی ہوتیں۔

تعلقدار۔ اچھا تو اب آپ میرے بیڑیاں ڈلواد دیجئے۔

اینجانب۔ انشاء اللہ اگر میں افسر گرائی ہوں تو کل اتنے وقت آپ کو زیور
پہنا دوں گا۔ یہ کہہ کر میں نے گھوڑوں پر چار جا مے بندھوائے اور وہاں سے
روانہ ہوا۔ چار بجے جے پور داخل ہوا۔ اور سیدھا کونسل میں پہنچا۔ اور منبر اور دو
سواران ہمراہی کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور جا کر حکام کو سلام کیا۔ نواب فیض علیخان
صاحب نے پوچھا بھینس لائے میں نے ساری کیفیت بیان کی سواران سے
دریافت کیا۔ انہوں نے بھی میرے بیان کی تائید کی۔ بیچنا تھ منبر کو بلا کر پوچھا

کہ تو نے پچھم خود بھینس کو دیکھا تھا۔ بیٹا تھ مجھ دیکھنا کیسا خود بھینس کے سچے
 پرانا تھ پھر کر تعلقدار اور زمینداران کے سپر کر کے آیا تھا۔ اُس کا اظہار کیا گیا اُس نے
 اظہار میں بھی یہی بیان کیا۔ نواب صاحب کو نسل سے اٹھ کر مہاراج صاحب کے
 پاس گئے اور گھڑی بھر کے بعد آکر حکم سنایا۔ کہ چار و بیست جائیں اور ٹھاکر صاحب
 کے دھوئیں کو گھیریں۔ اور کہہ دیں کہ جب تک بھینس اور کالی ناتھ مجرم جے پر دے آئیکا
 آپ یہاں سے کہیں نہ جاسکیں گے۔ حکم پہنچے ہی ٹھاکر صاحب نے سوار اور شتر سوار
 دوڑانے شروع کئے کہ دن نکلتے نکلتے بھینس اور چور تعلقدار اور زمیندار مسل پٹواری
 سب حاضر ہو جائیں۔ کونسل سے تو یہ کارروائی ہوئی ہیں اپنے گھر میں آکر تھکا تھکایا
 کھانا کھا کر سو رہا۔ اور دوسرے روز صبح کو چار گھڑی دن چڑھے تک ستار ہا۔ منور
 نیند میں تھا کہ ہرکارہ محکمہ گرائی کا پہنچا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب بلا تے ہیں خیر منہ ہاتھ
 دھوئے کڑی باندھی۔ تلوار اور چادر بغل میں دبا کر گرائی میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں
 کہ میرا حمد علی خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ کچہری کروہم میں اور وہ تعلقدار صاحب اور
 ٹیل پٹواری سب موجود ہیں میں نے جا کر سپرنٹنڈنٹ صاحب کو سلام کیا۔ سپرنٹنڈنٹ
 صاحب نے پوچھا تم سے اور تعلقدار صاحب سے کیا گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے
 سب بیان کی۔

سپرنٹنڈنٹ۔ تم نے کیا کہا تھا۔

ایمانب۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں افسر گرائی ہوں تو کل آپ کو زیور پہنا دوں گا
 سپرنٹنڈنٹ صاحب :- اچھا تو یہ زیور موجود ہے۔ اس میں سے جو تعلقدار صاحب
 کے شان کے موافق ہو وہ اُن کو پہنا دو۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ اور بیڑیاں میرا گے

ڈلوادی میں نے اس میں سے ایک بھاری ڈنڈے دار بیڑی لے کر تعلقدار صاحب
 کی نذر گزراتی آہنگر نے فوراً پاؤں ڈال کر حلقہ میں کیل مستحکم ٹھونک دی مابقی سب
 زمینداروں کے بھی بیڑیاں پڑ گئیں۔ کچھری میں اظہارِ امت ہونے لگے آخر تعلقدار
 صاحب قبولے کہ وہ بھینس ٹھا کر رنجیت سنگھ جی اجروں کے گاؤں میں ہم نے
 چلا دی تھی۔ اور اب بھی وہی ہے۔ یہ بات سنکر میں کونسل کو پھر دوڑا گیا اور
 تمام کیفیت بیان کی کہ اب تک بھینس ٹھا کر رنجیت سنگھ جی حاکم کونسل کے گاؤں
 میں موجود ہے۔ اور ٹھا کر صاحب خود میرا اجلاس کونسل میں موجود تھے نواب فیض علی
 صاحب بہادر نے ٹھا کر صاحب سے کہا۔ واہ واہ ٹھا کر صاحب آپ کونسل کے
 سر دار ہو کر چوروں کی پناہ دہی کرتے ہیں۔ ٹھا کر رنجیت سنگھ جی نے محمد سے کہا کہ چھا
 بھایا اگر میرے گاؤں میں بھینس ہوگی تو کل تیرے گھر پر پہنچ جائے گی خاطر جمع کر
 یسنگر میں حکام کو سلام کر کے گھر کو آیا دوسرے دن دوپہر کو پھر مجھے گرائی میں
 بلوایا گیا جب میں گرائی میں پہنچا تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کہا کہ بھینس سنبھال لو
 اور ٹھا کر رنجیت سنگھ کے آدمیوں کو رسید لکھ دو میں نے رسید لکھ کر بھینس گرائی میں
 بھجوا دی اور کونسل میں جا کر نواب صاحب سے عرض کی کہ وہ گاؤں میں مہاراج
 کے اقبال سے میرے پاس آگئی ہے۔ اب سرکار کو اختیار ہے جسے چاہے حوالہ
 کر دیں۔ نواب صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مہاراجہ صاحب کے پاس لے گئے میں نے
 جا کر سلام کیا پوچھا بھینس لے آئے ہیں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور کے
 اقبال سے موجود ہے۔ مہاراجہ صاحب نے ہنس کر فرمایا کہ نواب صاحب میں نے
 پہلے آپ سے کہہ دیا تھا۔ کہ وہ بھینس پیدا کر لائے گا۔ بعد حکم ہوا کہ اس سوامی کے

حوالہ کر کے راضی نامہ لے لے۔ سوامی جی کو بلا کر کہا کہ لو تم بھینس لو اور ٹھاکر
 گو بند سنگھ جی کے نام راضی نامہ کر دو۔ سوامی نے راضی نامہ سے انکار کیا۔ اب
 ٹھاکر صاحب کے وکیل منت کرتے ہیں اور روپیہ دیتے ہیں۔ مگر سوامی کسی طرح
 راضی نامہ نہیں دیتا۔ اور نہ بھینس لیتا ہے ٹھاکر صاحب نہایت تنگ ہیں غرض کہ
 میں نے پھر سوامی سے جا کر کہا بھینس تمہاری آگئی۔ اب تم راضی نامہ کیوں نہیں دیتے
 اس نے کہا میری بھینس کے سینک اور دم کاٹ ڈالی ہے۔ بچہ مار ڈالا ہے۔
 میں نے کہا کہ اس کا تاوان اسی روپیہ دلاتا ہوں۔

سوامی۔ راضی نامہ دینے کا ایک سبب ہے مجھے کچھ بھینس کی پروا نہیں ایک
 بھینس نہیں دس بھینس میری چوری جائیں تو میں کبھی فریاد نہ کرتا مگر میرے پاس
 تمام زمیندارہ کی روز فریاد آتی ہے کسی کے بیل چوری جاتے ہیں۔ کسی کا اونٹ
 کسی کی بھینس کسی کا غلہ جب میں نے تنگ آکر ناش کی ہے۔ جب تک زمیندار
 کی چوری کا بندوبست نہ ہو گا میں راضی نامہ ہرگز نہ دوں گا۔ یہ کالیامینہ جس نے میری
 بھینس چورائی ہے یہی چوری کرتا پھر تا ہے۔ اور کپور کے قصبہ کے ارد گرد کے دیہات
 میں چوری کرتا ہے۔ اور گاؤں والوں کو تنگ کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قصبہ کپور کے
 چوکیدارہ میں وہ بھی شامل ہے اس کے بھائی بندوں نے اُسے وراثت سے خارج
 کر کے نکال دیا۔ اس کی جو جائداد اور آمدنی۔ غلہ وغیرہ ملتی ہے مقرر تھی وہ اوروں
 نے چھین لی۔ اب وہ اُنکے چوکیدارہ سے جو دیہات ہیں وہ اُن کو لٹاتا ہے اور بڑے
 بڑے حمایتی دیہات میں رکھتا ہے کبھی علاقہ الوری میں ٹھیکہ چوری کرتا ہے یا تو سرکار
 سے گرفتار کرے یا اس کو بٹھا کر اس کا حصہ دلائے کہ وہ چوری نہ کرے اور رعیت

کو امن ملے چقیقت میں نے سن کر حکام کو گونگزار کی۔ کونسل سے میرے لئے حکم ہوا کہ بذات خود ان مواضع میں جا کر تحقیقات کرو اور جو کچھ اس کی جائداد موروٹی ہو واکذاشت کرادو۔ اور اُسے بلا کر بہ اخذ ضمانت آباد کر دو تاکہ وہ فتنہ فروہ اور رعیت کو آسائش ملے مگر صدمہ میں نے اُسکے ہمنے کا حکم حاصل کر کے دیہات میں اشتہارات لگوا دیئے کہ کالیامینہ یا تو آٹھ روز کے اندر آکر آباد ہو جائے۔ تو اُسکی جائداد موروٹی وغیرہ اُسے دلا دی جائے گی۔ آج تک کے جرائم سرکار سے معاف کرادئے جائیں گے ورنہ جائداد اُس کی دوام کو ضبط کر کے اُس کی جادو سرا چوکیدار مقرر کیا جائیگا اور بعد اُسکے عزرات قابل سماعت نہ ہوں گے۔ اس اشتہار کے جاری ہونے کے تیسرے روز وقت شام اُس نے تھانہ میں آکر میرے قدم پکڑ لئے میں نے اُسکا اطمینان کیا کہ تو تھانے میں رہو میں دورہ پر چکر تیرا سب بندوبست کرادوں گا۔ بعد قصبہ بجنور میں جا کر سب دیہات کے زمینداروں کو بلا کر جو اُس کا حصہ تھا وہ جاری کرادیا۔ اور اُس کی منجانب آباد کرادیا۔ ٹھاکر صاحب کا اضافہ کرادیا حکام اس کارروائی سے نہایت خوشنود ہوئے۔

بعد قصبہ نوالی علاقہ نظامت بالی پر رہیں بھی نظمیں ہو رہی تھیں۔ چوکیدار تحصیل کی جبر و تعدی سے برخاست ہو گئے تھے رعیت کو تانے بٹانے نوالی کے شرفا میری تبدیلی کی درخواست کونسل سے کرا کے مجھے بدلا کر نوالی لے گئے وہاں مدت تک میں بہت حیران و پریشان رہا۔ تمام رات پچاس پچاس آدمیوں کی جمعیت لے کر رات بھر گشت کرتا تھا۔ چور نہ آتے تھے میں ایک محلہ میں جاتا وہ دُسر میں درآمد ہوتے۔ آخر مجبور ہو کر کونسل سے آبادی چوکیداران کی درخواست کی منظور ہو کر

حکم آبادی چوکیداران صادر ہوا میں نے اشتہار لگائے شام کو سب کے سب بچے
 بوڑھے، جوان، عورتیں قریب بس چالیس کے میرے قدموں میں آکرے میں نے
 آباد کروایا۔ پھر اُس وزے قصبہ میں چوری نہ ہوئی۔ مواضعات کے چار دیہات سرکش
 تھے اُن کو ٹھونک پیٹ کے درست کر دیا۔ بندوبست ہو گیا میں جس علاقہ میں رہتا
 تھا وہاں واردات بہت کم ہوتی تھی۔ اور اگر ہو بھی جاتی تھی تو جیت تک اصل مجرم
 دستیاب ہوتے چوکیداروں کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ غرض کہ بعد جب ہمارا جہ صاحب
 سارکانیوالے نے پوچھا تھا نہ دار کہاں ہے رچوت نے عرض کی تو الی بدل گیا ہے
 اسی وقت سوار بھیج کر مجھے بلا بھیجا۔

ایسا ہی جب میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سادرنی تھا تو کونسل سے ایک سائنڈنی سوار
 کیفیت لیکر میرے پاس پہنچا کہ ایک جاگیردار کے قصبہ میں باہم دونوں ٹھکانوں میں
 تنازع واقع ہوا ہے۔ فوج ایک ٹھکانی کے جانب ہے اور کا مداران ریاست
 دوسری ٹھکانی کی طرف ہیں آٹھ سات ہزار آدمی کا بلو ہے مبارا باہم فساد چلے اور
 خونریزی ہو۔ اور ٹھکانا برباد ہو جائے فی الفور موقع واردات پر پہنچ کر بندوبست کرو
 دیکھو فساد کا ذمہ اپنا سمجھو اور یہی حکم ناظم میرا حمد علی صاحب کے نام پہنچا۔ غرض کہ ہم
 دو زادی قریب چار سو سوار سپیل کی جمیت لے موفعہ پر پہنچے تو یہ دیکھا کہ دونوں
 جانب فوج کی مورچہ بندی ہے اور چھ سات ہزار آدمی کا بلوہ طرفین سے ہے اور
 تو میں بندھی ہوئی گراب کی تیار ہیں۔ فقط بتی دینے کی دیر ہے۔ اور شہر میں ہلچل مچی
 ہوئی ہے۔ رعیت تمام محلہ اہل و عیال و مال اپنی دکان سے علاقہ بیکانیر کو بھاگی
 چلی جاتی ہے۔ سیٹھ، ساہوکار، مہاجن، بنیے، بقال، گارایاں بھر بھر کر اپنا سامان

خانگی شہر سے لئے جاتے ہیں۔ اپنی شہر تمام اپنے دیگر علاقہ جات میں لئے جاتے
 ہیں۔ غرض کہ غدر کا نقشہ دوبارہ نظر آگیا۔ میں نے اس وقت گھوڑا بڑھا کے بیچ میں
 دونوں بلوائیوں کے جاکر کھڑا ہو کر بہ آواز بلند سنایا کہ اب ہم لوگ انتظام کے واسطے
 آگئے ہیں اب سے جس کی جانب سے درازی ہوگی۔ وہ راج کا تصور وار سمجھا جائیگا
 اور ہم لوگ دوسری جانب ہو کر اس کی پوری پوری خبریں گے اور پھر مقابلہ راج سے
 آپڑے گا۔ جو تم کو داد فریاد کرنی ہو ہم سے آکر عرض کرو ہم بندوبست کریں گے اور
 ہٹا دیجئے مگر غرضیکہ میں نے اُن کے موچے جو قریب بندھے ہوئے تھے۔ وہ
 فاصلے سے کرا دیئے۔ شب کو سب افسر فوج کے اور بڑی ٹھکرانی کا وکیل میرے پاس
 آیا اور ٹھکرانی کی اوڑھنی لے کر آیا اور مجھے ٹھکرانی صاحبہ کی جانب سے پیغام دیا کہ
 ٹھکرانی صاحبہ نے سلام کہا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ ڈپٹی جی تم میرے دینی بھائی ہو اور
 میں بیوہ ہوں میں نے تم کو اپنا بھائی کہا ہے اس اوڑھنی کی تم کو شرم چاہیئے۔
 اب یہ ٹھکانا تم رکھو گے یا خدارکھے گا۔ ٹھاکر صاحب کو مرے ہوئے دو برس کا عرصہ
 ہوا۔ یہ پانچ برس کا بچہ وہ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ چھوٹی ٹھکرانی سے ہے اس کے پیدا
 ہوتے ہی میری گود میں ڈال دیا تھا۔ اب یہ کامدار چھوٹی ٹھکرانی سے مل گئے ہیں۔
 اور رعیت اور فوج کو تنگ کر رکھا ہے۔ دس مہینے فوج کے چڑھ گئے ہیں۔ تنخواہ
 نہیں پائی جس کو کوئی زمین ٹھاکر دے مرا تھا وہ سب ضبط کر لی ہے جاگیر کو لوٹتے
 اس کو کھاتے ہیں آخر فوج نے لاچار ہو کر کمر بندی کر کے مقابلہ آرائی پر کمر باندھی ملاو
 نے اور ٹھکانوں میں سے جمعیت فراہم کر کے وہ بھی مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے
 اور ان کا ارادہ ہے کہ دوڑ کر ان کی توپیں چھین لیں اب تم آگئے ہو اب اسکا بندوبست

تہارے اختیار تھے اور یہ تین سو روپیہ دعوت کے بھیجے ہیں اور یہ بھی کہا ہے۔
کہ جب تک ڈیرہ رہے گا تہاری فوج کا خرچ میں دوں گی۔

جواب اینجانب:- ٹھکرانی صاحبہ سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جب تم نے
اپنے منہ سے مجھے بھائی کہا ہے تو ہم لوگوں میں یہ دستور ہے کہ بہن بیٹی بھانجی
بھتیجی کا پیسہ سو مردار سمجھتے ہیں۔ یہ دعوت آپ رہنے دیجئے۔ خدا چاہے گا۔ تو
ٹھکانے کا بال بھی بیکانہ ہوگا اور برقرار رہے گا اور دشمن سب رو ہو جائیں گے اور
آپ کا حکم حاصل بنا رہیگا مگر میں جو کہوں گا میرے حکم کے بموجب عملدرآمد رکھنا
چاہیئے۔ میری جانب کی کارروائی تو یہ ہوئی۔ اب ناظم کے یہاں کی کارروائی کا حال
سنئے کہ کامداروں نے پہنچے اور اہلکاران ریاست سے ساز باز کر کے یہ چاہا کہ افسران
فوج کو ناظم صاحب گرفتار کر کے جہنمہ کو لے جائیں تو میدان صاف ہو جائے۔
سپاہی بیچارے کیا کر سکیں گے پھر ٹھکانے پر قبضہ و بست برابر ہماری مداخلت
ہو جائے گی حسب درخواست کارروائی کریں گے کوئی مانع اور مزاحم نہ ہوگا۔ ٹھکرانی
بیچاری پر دہشیں ہے وہ کیا کر سکتی ہے۔ بطور نظر بند کے بیدخل پڑی رہے گی۔
یہ خبر مجھ کو رات کے بارہ بجے معلوم ہوئی کہ ناظم صاحب کے یہاں یہ منصوبہ ہوا ہے
کہ کامداران کی امداد کر کے افسران فوج کو گرفتار کر دیا جائے ایک رسالدار فوج نے
مجھ سے آکر یہ ماجرا بیان کیا اور نیز یہ اظہار کیا کہ ہم لوگوں کا گرفتار ہو جانا کچھ سہل
نہیں ہے آخر ہم سپاہی ہیں اور مرنے مارنے پر آمادہ ہیں جب ناظم صاحب
ہماری گرفتاری کا ارادہ کریں گے تو اس وقت ہم لوگ کچھ لحاظ حکومت نہ کریں گے
کامداران کے شامل ناظم صاحب کو بھی سمجھ کر مقابلہ آرائی میں دریغ نہ کریں گے اس

وقت حاکم محکوم سب برابر ہیں اگر سرکار جے پور کا مقابلہ ہو تو ہم آپ کو جتائے
دیتے ہیں جو ہمارے سامنے آئے گا ہم گلاب ماریں گے خواہ ناظم صاحب ہوں۔
خواہ آپ ہوں ہم کسی کی رُور عایت نہ کریں گے۔ یہ سنکر میں نے اُسے تسلی دی کہ نہیں
ایسا امر ہرگز نہ ہونے پائے گا۔ تم خاطر جمع رکھو میں اسی تدبیر کروں گا کہ یہاں تک نہ
ہی نہ پہنچے گی اور رفعِ شر ہو جائے گا۔ یہ کہہ سن کر وہ تو رخصت ہوا میں اپنے بستر
پر لیٹ کر سو رہا صبح کو جب بیدار ہوا۔ ماتھے منہ دھو کر بیٹھا ہوا حقہ پیتا ہوں اور اس
معالہ میں سوچ رہا ہوں کہ کیا ایک ایک ہرکارہ گھبرا یا ہوا آیا اور اُس نے بیان کیا کہ
ناظم صاحب نے حکم دیا ہے کہ جلدی تیار ہو کر جمعیت آجاؤ۔ وہاں ہتیار چل گیا۔
جلدی چلو میں نے اپنی جمعیت کو آواز دی تیار ہو جاؤ اور آپ ہتیار لگائے۔ بندوق
بھری بارود گولی کا تور دان کمر سے لگایا اور مکان میں سے نکل کر چار میری جمعیت میرے
ہمراہ ہوئی رجب میں ناظم صاحب کے مکان پر پہنچا تو میں نے دیکھا ناظم صاحب بندوق
میں گولی ڈال رہے ہیں۔ مگر اضطراب کے باعث دست و پا میں رعشہ ہے۔ مجھے
دیکھتے ہی بولے۔ وہاں ہتیار چل گیا کشت و خون ہو رہا ہے چلو اور جلدی چلو میں
نے کہا کہ آپ تشریف رکھیں مجھے جانے دیجئے آپ کا چلنا مناسب نہیں ہے۔
آپ کی صورت دیکھتے ہی توپوں پر مٹی پڑ جائے گی اگر تلوار نہ چلی ہو گی مجھے ساری
کیفیت معلوم ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں میں اپنی جمعیت لے جاتا ہوں جب مجھ سے
کسی طرح کی جنگ و جدل واقع ہو تو آپ میری امداد کو آجائیے گا۔ یہ کہہ کر میں محرمہ
میں آیا تو یہی کیفیت دیکھی کہ بالکل آمادگی دونوں جانب سے لڑائی کی پانی گئی اور
دونوں گروہ بہت قریب ہو گئے تھے شاید سو قدم کا فاصلہ ہو گا اور عین بازار میں محرمہ

کارزار ہے۔ فوج والوں کی پشت پر توپ خانہ کی بارک ہے اور آگے توپیں بڑھا رکھی
 ہیں۔ اور توپوں میں ٹکوں کا چھڑا بھرا ہوا ہے توڑا سگتا ہے توپوں کے پیچھے فوج
 جی کھڑی ہے اور کامداران کی طرف کی جمعیت بازار کی دورویہ دکانوں میں بند ہیں
 بھرے کھڑی ہے میں ان دونوں لشکروں کے پہلو میں سے پہنچا جس وقت فوجیوں
 نے مجھے آتے ہوئے دیکھا پکار کر کہا کہ ڈپٹی جی خبردار آگے نہ آنا ورنہ ہم توپ کرتی
 دکھاتے ہیں میں نے پکار کر جواب دیا کہ اچھا میں اپنی جمعیت کو نہیں لاتا تنہا آتا ہوں
 تم سے دو باتیں کرنی ہیں۔ یہ کہہ کر میں آگے چلنے لگا تو میری جمعیت والے میرے
 ساتھ آنے لگے اور کہا کلاس وقت ہم تم کو اکیلا نہیں جانے دیں گے اگر تم وہاں
 مارے گئے تو راج ہم کو توپ سے اڑا دے گا کہ تم اپنے ڈپٹی کو قتل کر آئے۔ میں
 نے انہیں سمجھایا کہ نہیں مجھے کوئی نہیں مارے گا میں دو باتیں ان سے کر کے آتا
 ہوں۔ اور میں نے بیچ میں کھڑے ہو کر سنایا کہ دیکھو تم دونوں کے بیچ میں میری جمعیت
 حائل ہے جس کی طرف سے پہل ہوگی گویا مجھ سے مقابلہ ہو گا اور اپنی جمعیت کو
 بیچ میں بلا کر کھڑا کر دیا۔ اور آپ تنہا افسران فوج کے پاس پہنچا اور ان کو سمجھایا کہ دیکھو
 تم لوگ سپاہی ہو اور سپاہ کا قرینہ جاہل ہوتا ہے ایسا کام نہ کرنا کہ جانیں بھی تلف ہوں
 اور لاشیں بھی کتے کوٹے کھائیں اور بال بچے تباہ ہو جائیں۔ عورتوں کی آبروریزی
 ہو ایسا کام کرو نہ سانپ مرے نہ لاکھی ٹوٹے میرے نزدیک یہ بات مناسب ہے
 کہ تم لوگ سب جے پور کو صدر میں چلے جاؤ وہاں جا کر اپنا استغاثہ پیش کرو افسران
 فوج ہم تو اس بات پر راضی ہیں مگر کامدار بھی مانیں وہ ہم کو گرفتار کیا چاہتے ہیں میں
 نے کہا کہ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں پہلے ان کا چالان جے پور کو کر لوں گا جب تک

بھیجاں گا وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ اچھا کامداران کو بھی ہمارے ساتھ جے پور
 کو روانہ کرو۔ یہ کہہ کر میں کامداران کی طرف کو گیا اور وہاں جا کر ان کو دھمکایا اور کہا کہ
 اپنی خیر چاہتے ہو تو تم دونوں اسی وقت جے پور کو روانہ ہو جاؤ۔ ورنہ پہلے مجھ سے سمجھ لو
 پھر آپس میں لڑنا جھگڑنا جے پور میں اب تو لاٹو جھگڑو ٹھکانے کو کیوں برباد کرتے ہو اور
 ان بلوائیوں کو پیچھے ہٹا دو۔ اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ہٹا دو ان کو پیچھے کو دوکانیں
 خالی کراؤ۔ نیچے جا کر انہیں کھڑا کر دو اور کامدار سے کہا کہ چلو میرے ہمراہ ناظم صاحب کے
 پاس ان دونوں کو ہمراہ لے کر ناظم صاحب کے پاس آکر کہا کہ بس مصلحت وقت اس
 میں ہے کہ آپ ان کو اسی وقت اپنے سوار ساتھ کر کے جے پور کو روانہ کریں اور
 میں اپنے سواروں کے ساتھ افسران فوج کو روانہ کرتا ہوں۔ ورنہ درخواست ہوتا
 ہے اور دونوں طرف کے مورچے ہٹائے دیتا ہوں۔ ناظم صاحب نے بھی چارناچا
 اس تجویز کو منظور کیا اور کامداران سے کہا کہ جاؤ جے پور میں جا کر آپس میں سمجھ لو اور
 تیار ہو جاؤ چلنے کو میں نے جا کر تو میں کھلوا کر توپ خانہ میں رکھوائیں اور میرے
 آدمیوں نے بلوائیوں کو منتشر کر دیا اور دونوں ٹھکانوں سے کھلا بھیجا کلاب اپنے
 اپنے کیل جے پور کو بھیج دو اور اسی روز کامدار اور افسران فوج ہر دو متخاصمین کو علیحدہ
 کو چالان کر دیا گیا۔ غرض کہ نوکری جے پور میں ایسے ایسے کار نمایاں اکثر ظہور میں
 آئے ہیں۔

ایک بار زمانہ تھانہ داری سا بنگانیر میں خفیہ میاں جنرل سپرنٹنڈنٹ نے مجھے
 تھانہ سے معطل کر کے میری جابر قائم مقام کر کے اپنے ایک عزیز کو بھیج دیا۔ مجھے
 اجمینان تھا کہ مجھے معطل کن کر سکتا ہے۔ بے حکم حضور کے میں بھی خاموشی کے ساتھ

ہنستا بوتا دواۓ تک گھر بیٹھا رہا۔ آخر ایک قصیدہ میں حال معطلی درج کر کے مہاراجہ صاحب
 کے پاس پہنچا مہاراجہ صاحب موضع کھاتی پردہ کی شکار گاہ میں تشریف رکھتے تھے
 اور اتفاق سے نواب احمد علی خاں صاحب بھی اور نائب عبید اللہ خاں صاحب ان
 کے بھتیجے بھی کہ ان دنوں میں جے پور میں موجود تھے وہ دونوں صاحب بھی وہیں آ موجود
 ہوئے۔ شام کو میں نے جا کر مہاراجہ صاحب کو سلام کیا۔ فرمایا آج تھانہ دار جی تم
 کہاں آ گئے ہیں نے عرض کی کہ بہت دن سے حضور کو سلام نہیں ہوا تھا اور کچھ کچھ
 کر بھی لایا ہوں مسکرا کر فرمایا بہت اچھا چراغ جل جائیں تو بیٹھ کر سلوں۔ جب چراغ
 روشن ہو گئے تو کھانے پر وہ کے منگوا دیے حضور صاحب بیٹھے اور برابر نواب احمد علی خاں
 صاحب بیٹھے اور سامنے کے رخ کو چراغ دان روشن تھا اس کے ایک پہلو میں
 بیٹھا اور دوسرے پہلو میں نائب عبید اللہ خاں صاحب اور ان کے برابر باور کا مٹی
 چندر بہادر تھے اور میری بغل میں منشی نو کشور مالک مطیع او مدد اخبار اور مہاراجہ کی
 پشت پر مہاراجہ پرتاب سنگھ جی جو دھپور واسے بیٹھے ہوئے اور ٹھاکر فتح سنگھ جی
 ان سے باتیں کر رہے ہیں کہ مہاراجہ صاحب نے حکم دیا ہاں ہوئے اور میں نے قصیدہ
 شروع کیا اور سب تعریف کر رہے تھے منشی نو کشور صاحب بولے واہ کیا قصیدہ لکھا
 ہے۔ بالکل فردوسی کی زبان معلوم ہوتی ہے مہاراجہ صاحب کی خوش اقبالی ہے۔
 کہ اہل کمال آ کر موجود ہو جاتے ہیں اس کلمہ پر مہاراجہ صاحب بہت خوش ہوئے۔
 مگر جب وہ معطلی کے مضمون کے شعر آئے تو نواب احمد علی خاں صاحب سے پوچھا
 یہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا دواہ سے معطل ہو کر گھر بیٹھے ہوئے میں فرمانے لگے۔
 میری بے اجازت کس نے معطل کیا۔ بابو کانتی چندر سے مخاطب ہو کر میں لکھوا چکا ہوں

کہ میری بجز اجازت معطلی۔ تبدیلی۔ برخاستگی نہ ہو۔

بابو صاحب۔ اہل میں نے یہ حکم کو نسل میں لکھوایا ہے زبانی حضور کے۔

مہاراجہ صاحب۔ شفع میاں بڑے بے شعور آدمی ہیں ان کی معطلی کی تنخواہ ان کی تنخواہ سے ولادو کہ آئندہ انہیں خیال رہے۔

اور میں سوچ رہا ہوں ان کے روزینہ داران میں کروڑا اور اگر یہ نوکری بہر کار سرشتہ میں انجام دیں تو کارگزاری کی تنخواہ علیحدہ ملے اور یہ روزینہ علیحدہ ہیں نے اٹھ کر سلام کیا وہاں سے رخصت ہو کر گھر کو آیا وہ نواب احمد علی خاں کے مکان پر آئے اور مجھے بلوایا اور کہا کہ اب تھانے پر جاؤ۔ میں نے کہا مجھے معاف کیجئے۔ مہاراجہ صاحب نے میرا روزینہ کر دیا۔ اب مجھے کار کردہ کی کچھ حاجت نہیں میں نہیں جاتا۔ اب میں انکار کرتا ہوں اور وہ ورپے ہوتے ہیں اور نواب صاحب سے کہا کہ ایک بار ان کو آپ سلو گائز بھیجوا دیں۔ پھر یہ چاہیں استعفا داخل کریں میں بری ہو جاؤں خیر سمجھا کر مجھے تھانے پر بھیج دیا۔ بعد ایک سال کے حضور صاحب نے مجھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کر کے ٹوراواٹی کو بھیج دیا اور نیز یہ فرمایا کہ مجھے تیری چاکری کا حال خوب معلوم ہے انتا اللہ تیری ترقی بہت کچھ ہوگی۔ میری نصیبی سے چھ ماہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور میں اس دلدل میں پھنس گیا ایک سال ٹوراواٹی میں میں نے نوکری دی اور وہاں سے تین برس شیخاواٹی میں ڈپٹی رٹ۔ مہاراجہ صاحب بہادر مہاراجہ مادھو سنگھ جی ان دنوں میں بے اختیار تھے اور ایک طوفان بدتمیزی جے پور میں طغیانوں پر تھا یعنی جس قدر مہاراجہ رام سنگھ جی کے ملازم تھے وہ سب خانہ نشین ہو گئے۔ ایک نے سپرنٹنڈنٹ ہوئے تھے انہوں نے ہم چاروں ڈپٹیوں اور پانچ تھانہ داروں کو موقوف کر کے

نئے بھرتی کر دیئے تھے ان کی نالش فریاد بہت سی ہوئی۔ انہوں نے میری جگہ پر اپنے
 ایک بھائی کو مقرر کیا ان کی نالش فریاد ہوتی رہی۔ آخر دو برس چارہ ہوتی کر کے تھک
 کر اپنے گھر بیٹھ رہا ریاست نے اتنی پرورش کر دی کہ میرے بیٹے کو تھانہ دار کر دیا تھا
 اسی اثنا میں میرا ارادہ بھوپال کا ہوا۔ اور دورانِ سفر میں مقام جاوہرہ میں قیام ہوا۔
 نواب صاحب نواب اسلمیل خاں بہادر والی جاوہرہ سے ملاقات ہوئی میں نے ایک
 قصیدہ نذر کیا آٹھ روز مجھے ہمان رکھا اور پچاس روپیہ صلہ کے دے کر رخصت کیا۔
 میں بھوپال میں آیا اپنے ایک دوست کے مکان پر مقیم ہوا۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب
 سے ملاقات ہوئی حضور نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے موابہ میں مشاعرہ ہوتا تھا۔
 آٹھویں دن روز جمعہ کو شریک مشاعرہ ہوتا تھا پس پانچ سات آدمی شریک جلسہ ہوتے
 تھے نواب صاحب نے امیدوار کیا تھا۔ بعد تین ماہ کے میں واپس مکان کو روانہ ہوا
 ایک قصیدہ عید قربان کا بیگم صاحبہ کے دربار میں پڑھا تھا۔ اس کے صلہ میں دو سو
 روپیہ عنایت ہوئے تھے وہ لے کر مکان کو چلا گیا نواب احمد علی خاں صاحب کے
 بڑے بیٹے کی شادی میں میں نے قصیدہ لکھا پچاس روپیہ صلہ کے دیئے اور کہا
 کہ اب آپ کہیں نہ جائیں میری ریاست میں رہیں چنانچہ مرتے دم تک انہوں نے
 مجھے اپنے سے جدا نہ کیا اور میں آرام سے جے پور میں بیٹھا رہا۔

جے پور کو خدا آباد رکھے عجب شہر ہے باعتبار شہریت یہ اپنا نظیر نہیں رکھتا۔
 اور آب و ہوا بھی بجا اعتدال لطیف و خوشگوار ہے ہر طرح کا امن و آسائش ہے۔
 ایک ایسی عمدہ بات جے پور میں دیکھنے میں آئی کہ تمام ہندوستان میں نہیں لیکن ہر
 قوم اور ہر فریق اور ہر مذاہب کے آدمی جے پور میں سکونت پذیر ہیں مگر باہم تعصب

مذہبی نہیں ہندو مسلمان شیعہ سنی۔ انگریز سب باہم شیر و شکر میں کبھی باہم مذہبی
 تعصب کا تذکرہ نہیں آتا۔ ہولی۔ دسہرہ۔ محرم۔ رام لیلا وغیرہ میں انگریزی عملداریوں
 میں باہم فتنہ و فساد ہوئے آدمی مارے گئے۔ مگر جے پور میں کبھی تکرار تک نہیں ہوئی۔
 یہ سب خرابیاں ہمارا جہاں رام سنگھ بہادر کے عدل و انصاف اور نظم و نسق اور سیاست
 وافی اور تالیف قلوب اور بلا تعصبی کے ہیں کہ آج تک وہی انتظام برقرار ہے جو بناوہ
 ڈال گئے ہیں اور یہ سب نتیجہ ان کی بیدار مغزی کا ہے حالانکہ ہمارا جہ صاحب بہاد
 ہمارا جہ سری سوامی مادھو سنگھ جی کے مزاج میں کسی درجہ تعصب مذہبی نسبت فرقہ
 اہل اسلام ہے مگر رعایا پروری کی نظر سے حقوق سب کے برابر سمجھے جاتے ہیں
 جو سلوک ہنود کے ساتھ ہوتے ہیں اس سے زیادہ کچھ مسلمانوں کے ساتھ مرعی
 رکھے جاتے ہیں۔ ایام قحط سالی میں سب اقوام کے ساتھ ایک برتاؤ کیا گیا اور دو
 روپیہ مہینہ سب کا برابر جاری رکھا گیا اور تین برس سب کو برابر ملے کہا۔ حق تو
 یوں ہے کہ زمانہ قحط سالی میں جو ہمارا جہ مادھو سنگھ جی نے رعایا پروری کی ہے۔
 آج تک نہ کسی بادشاہ نے کی نہ کسی راجہ نے کروڑوں روپے اپنی رعیت پر سے
 صدقے کر دیئے غلہ کے بانزاروں میں انبار چنوا دیئے اور دس سیر کا نیچے گئے۔ ایک
 پیسہ والے کو ایک لپ بھر کے دے دیئے تھے اٹھارہ ہزار آدمی کی مدد جاری تھی
 عورت پر دشمن رات کو جا کر کام کرتی تھیں صبح سے پہلے مزدوری لے کر گھر
 آجاتی تھیں۔ بن میں عام حکم تھا جس کا جی چاہے درخت کاٹ لاؤ اور بچو اور کھاؤ
 اس کے علاوہ لنگ جاری تھا۔ کنگلوں کے واسطے ڈیرے کھڑے کر دیئے۔
 مندرے کا فرش بچھو ادیا کسی ہزار کسب تقسیم کر دیئے۔ علاوہ ازیں ہمارا جہ صاحب مزاج

کے بہت حلیم و سلیم ہیں کسی کے آزار تکلیف کے روادار نہیں منہ سے کسی کو بُرا
 بھلا نہیں کہتے کسی پر خفا نہیں ہوتے رعایا ملازم سب خوش و خرم ہیں فیاض بدھ
 اوسط ہیں جو جس کا مقرر ہے ملے جاتا ہے۔

قلعہ تھنبور یہ قلعہ نظر استحکام روئے زمین کے قلعہ جات سے زیادہ تر
 رفعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی غنیم قلعہ کشائی
 کے ارادہ سے حملہ آور ہو تو ہر چار اطراف سے قلعہ تک سائی محال بلکہ غیر ممکن۔
 اگر قلعہ والوں کے پاس سامان رسد و میگزین وغیرہ و جمعیت مناسب و فعیہ
 محاصرین موجود ہو تو تمام عمر فاتح قلعہ مذکور پر دستیاب نہیں ہو سکتا۔

یہ قلعہ سات کوس کے دو اثر میں بطور نقطہ پرکار واقع ہوا ہے اور حصار کے پہاڑ
 بھی نسب سرنگلک کشیدہ اور نہایت بلند و ضخیم ہیں۔ دائرہ کوہستان میں زمین مزرعہ
 ہے۔ ان میں زراعت بخوبی ہوتی ہے اور جا بجا آبشار و چشمہ سار ہیں۔ پہاڑوں کا
 پانی تالابوں میں جمع ہوتا ہے اور دیہات آباد ہیں۔ طوکار و عضا و وزوہ کوس کے فاصلہ
 میں یہ قلعہ واقع ہوا ہے اور کسی جانب سے راہ ہموار اور درہ اور راہ آند و شد قلعہ
 نہیں ہے۔ سچا نیکہ جادہ ہائے ناہموار و انتہائی دشوار گزار اور لپست و بلند گھاٹیاں کہ جن

۱۷ اس فلک شمال قلعہ کو ۱۲۹۹ء میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے فتح کیا لیکن خاندان کنہے ول
 کے بعد یہ ریاست پھر راجپوتوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ ۱۵۶۳ء میں شہنشاہ اکبر نے جے پور
 پر حملہ کیا یہاں کے راجہ بہار مل نے اکبر کی اطاعت قبول کر لی اور اپنی بیٹی کی شادی شہنشاہ
 سے کر دی اکبر نے راجہ کے بیٹے بھگوان داس اور پوتے مان سنگھ کو امراء میں شامل کیا اور ۵ ہزاری
 منہ عطا کیا۔ شاید اسی وجہ سے اس ریاست میں مذہبی تعصب نہیں تھا۔ (نظیر)

پر سے سوئے ایک دو پیدل اور ایک سوار کے عبور و مرور دشوار ہے۔ کوئی رستہ بھی ایسا نہیں جس سے توپ کا گز قلعہ تک ہو کسی جانب سے لگاؤ ایسا نہیں کہ توپ پہنچ سکے چہار طرف سے پہاڑ قلعہ کو چھلے کے گوند کی طرح گھیرے ہوئے ہیں ان کے پنج میں قلعہ کا بندر واقع ہوا ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ یہ پہاڑ سیدھا بندر کی طرح زمین سے اٹھ گیا ہے۔ قلعہ کا راستہ البتہ ڈھلوان ہے۔ قلعہ کے شمالی جانب پیش قلعہ ایک میدان وسیع واقع ہوا ہے اس میں ایک تالاب عظیم الشان ہے تالاب کے کنارے دو خانہ انہ بکثرت ہیں لیکن یہ قطعہ زمین اس درجہ گلہائے رنگارنگ خود در و سبزہ زار شاداب سے ایسا پر فضا اور پر پہاڑ ہے کہ خطہ کشمیر بھی اس کے نظیر نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کیتلی کے درخت اس کثرت سے ہیں کہ کوسوں تک ان کی مہک پہنچتی ہے۔ تمام کوہستان خوشبو ہو رہا ہے قطعہ زمین سب سرسبز ہے۔ سبزے پر چھوٹے چھوٹے بزمگ کے پھول مہلو کے ہاتھ کے قلم کار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ منظر ایسا خوش نما اور پر فضا ہے کہ اس کا جواب بھی نکلا دشوار ہے۔ بالائے قلعہ بہت وسعت ہے نہارا فوج کی گنجائش ہے پانی کے چشمے عمیق ہیں۔

جوہر یوہرادو کہتے ایسے عمیق ہیں جس میں نہارا من غلہ و مخزن اور اثرفیاں روپیہ کروڑوں سما جائیں اور بالائے قلعہ دو بزرگان دین اولیاء اللہ کا مزار ہے جن کی امداد سے قلعہ فتح ہوا ہے ایک بزرگوار کا نام تو سید صدر الدین صاحب ہے اُن اضلاع میں ہندو مسلمان یا اور کوئی میاں صدر الدین کے نام کی قسم نہیں کھاتے ہیں۔ قلعہ کے پہاڑ سے ملا ہوا رن کا پہاڑ ہے۔ ان دونوں پہاڑوں میں باہم دو سو گز کا فاصلہ ہے۔ عجیب تماشا ہے کہ جب قلعہ پر چڑھو تو رن کا پہاڑ

نیچا معلوم ہوتا ہے۔ اور حیران کن کے پہاڑ پر چڑھو تو قلعہ نشیب میں ہو جاتا ہے۔
 بادشاہ علاؤ الدین خلجی راجہ ہیر سے بارہ برس لڑا ہے جب قلعہ فتح ہوا ہے ہر گھاتی
 میں صد ہا قبریں شہیدوں کی ہیں۔ لاکھوں آدمیوں کے کشت و خون کے بعد قلعہ
 فتح ہوا ہے۔ باداوان دونوں بزرگوارانِ سادات۔

رن کے پہاڑ پر حیر بادشاہ کی فوج پہنچی ہے اور یہاں سے توپ لگائی
 جب میدان میں آکر راجپوت لڑے ہیں۔

قلعہ کے پہاڑ کے گرد و پیش کے جو پہاڑ ہیں سب پر بہار ہیں۔ جابجا چتر ہا
 آب رواں ہیں اور درختان گنجان اور سبزہ زار ہے۔ جہاں دیکھو پہاڑ میں سے
 آبِ زلال جھرتا ہے اور کیتی کی کے پھولوں کا سبزہ ہے۔ یہ قلعہ جے پور سے گوشہ
 مشرق و جنوب میں بہ فاصلہ چیل کوس واقع ہے۔ اس کو ہستان میں شکار پرند چرند
 ورنڈ بکثرت ہیں جو صاحبانِ انگریز جے پور میں آتے ہیں اسی قلعہ کے دیکھنے کو ضرور
 جاتے ہیں اور آٹھ آٹھ دس دس روز شکار گھیرہ۔ ریچھ وغیرہ کا کھیلنے میں سانبھنیل
 گاؤں جنبل۔ بارہ سنگھے۔ جیتے وغیرہ اس افراط سے ہیں کہ چرند تو کیا آدمیوں کے
 قریب آجاتے ہیں اور مطلق وحشت ورم نہیں کرتے۔

برائین نامی ایک پرگنہ ہے۔ علاقہ جے پور کا۔ جے پور

کوہستان برائین سے چوبیس کوس کے فاصلہ پر جانب گوشہ مشرق و شمال

اس مقام پر کچھ آثار و نشانیاں پانچ ہزار سال گذشتہ کی موجود پائی جاتی
 ہیں۔ تواریخ ہندو میں کورہ پانڈوں کا مذکور ہے اور بھارت میں جس جنگِ عظیم کا
 نشان ملتا ہے وہ پانڈے یہیں مقیم تھے اور وہ جنگِ خونخوار اسی نواح میں ہوئی

ہے بھیم اور رجن وغیرہ کے مکانات بھی موجود ہیں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو زمین سے کچھ بلند ہے۔ اُس کی سطح بالا پر ایک حجرہ وسیع پہاڑ میں ترشا ہوا ہے۔ اس کے دروازہ کی چوکھٹ تک موجود ہے کہتے ہیں کہ یہ بھیم کی سکونت کا حجرہ ہے۔ اسی پہاڑ پر دس بارہ گز طویل اور ڈیڑھ دو گز کے قریب ایک چشمہ آب ہے اور اُس کے عمق میں بہت مبالغہ ہے لوگ کہتے ہیں سات چار پائیوں کے بان میں پتھر باندھ کر لٹکایا تھا تاہم نہ کو نہ پہنچا تھا۔ اُس کا عمق کسی کو ثابت نہیں ہوا اُسے مشہور کرتے ہیں کہ بھیم نے پہاڑ پر ات ماری تھی تو زمین کا پینڈا پھوٹ کر یہ پانی اُبل آیا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ دو از دہ ماہ وہاں پانی بھرا رہتا ہے اور اس میں سے لوگ بھر کر لے جاتے ہیں اور پیتے ہیں اور پانی کم نہیں ہوتا۔ اسی پہاڑ پر بڑے بڑے پتھر کے ترشے ہوئے مدور پانچ پانچ گز کے اکثر دیکھنے میں آئے۔ اُن گولوں کی نسبت یہ روایت سنی جاتی ہے کہ یہ اُن ساتوں بھائیوں کے کھیلنے کی گولیاں ہیں۔

اُن کے قریب ہی پہاڑ پر ایک اور سطح مربع قطعہ پہاڑ کا ہے کہ پچاس گز سے پچاس گز تک مربع ایک سل پہاڑ کی ہے۔ اور اس کے ہر چہارہ کونوں پر چھوٹی چھوٹی چار برجیاں بنی ہوئی ہیں مگر طرفہ تر یہ بات تعجب خیز ہے کہ پہاڑ کا کمر از زمین سے اُدھر رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے نیچے اس کے جوف سے چہار طرف سے خالی ہے فقط ایک نوک اس کی پہاڑ پر دھری ہوئی ہے۔ اُس کی شکل ایسی ہے جیسے خاصان کا ڈھکنا اٹھا کر کے رکھ دیتے ہیں اور بصورت اوندھے برج کے وہ پہاڑ رکھا ہوا ہے آگے جا کر ایک پہاڑ پر پتھر کے نقارے دھرے ہوئے دیکھے اور ایک

پتھر کا ایک ہاتھی بقامت فیل اصلی بیٹھا ہوا دیکھا۔

اُس کے اوپر کے پہاڑ پر ایک پتھر کی لٹ چھ گز لمبی دیکھنے میں آئی۔
اُس کا حال دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ لٹھ تو دال گھونٹے کی ڈوٹی ہے۔
اور یہ تقارے اصلی لوہے کے تھے۔ اور یہ فیل بھی ان کی سواری کا ہاتھی تھا
بعد یہ سب پتھر کے ہو گئے۔

شیخاوانی | یہ ضلع جے پور سے جانب شمال دور تک چلا گیا ہے حد غربی
اس کی جو دھپور اور سیکانیر سے ملتی ہے اور حد شمالی ہنسی حصہ

اور پرگنہ لوہارو ہے۔ یہ ملک تمام ریگستان ہے۔ جا بجا ریت کے پہاڑ ہیں جس
وقت ہوائیں چلتی ہے ادھر کا پہاڑ اڑ کر ادھر آ جاتا ہے۔ آدمی اگر سوتا ہو اور ریت
اڑ کر آئے تو کچھ تپ نہیں چلتا کہاں غائب ہو گیا۔ پانی کی اس ٹکر میں کر بلا ہے پانی
اتنی دور جا کر کنوئیں میں واقع ہوا ہے کہ جب کنوئیں میں سے چرسہ برآمد ہوتا ہے تو چرسہ
کھینچنے والے کو کنوئیں پر سے آواز نہیں پہنچ سکتی ہے لامحالہ لب چاہ ایک بڑا ڈھول
رکھا جاتا ہے جب پانی کا چرسہ برآمد ہو جاتا ہے تو ڈھول پر ڈنک دیا جاتا ہے۔

کیلی والے کو خبر ہو جاتی ہے لاؤ کے نرگاوان کو روک لیتا ہے۔ یہ بات مشہور
ہے ڈھولے دھمکے سے پانی نکلتا ہے اب اس پانی کی کیفیت یہ ہے کہ فی گاؤں

ایک کنواں ہوتا ہے بلائے چاہ ایک چو ترہ وسیع ترتیب دیا جاتا ہے اور سر چاہ چار
بینا بلند تعمیر کئے جاتے ہیں اور چاہ میں سے بند ریلوے دلو آب برآمد کیا جاتا ہے اور ہر چار

حوض میں بھر دیا جاتا ہے۔ اب ٹھاکر برہمن بقال ہاجن مسلمان شیخ سید مغل پٹھان
سب ان حوضوں میں سے پانی بھر لے جاتے ہیں۔ وہاں پر بہر مند و مسلمان کا نہیں ہے

یہ تجویز کی گئی ہے کہ ہر چار طرف چوتراہ نالیاں پختہ بنا دی گئی ہیں کہ ان حوضوں میں سے پانی چھلک کر ان نالیوں میں جاتا ہے یا بوقت بھرنے حوضوں کے چوتراہ پر سے بہ کر ان میں جاتا ہے ان میں سے اور اقوام گھڑے بھر بھر کر لے جاتے ہیں یا مویشی پیتے ہیں۔

بعض مقامات پر یہ بھی نہیں وہاں بالکل قحط آب ہے۔ پانی ہے مگر کس کام کا بالکل دریائے شور کا پانی ہے زہر آب کا حکم رکھتا ہے ادھر آدمی کے حلق سے ترا ادھر دست کی راہ سے سب نکل جاتا ہے آدمی کو دست لگ جاتے ہیں۔ تلخ اس درجہ ہے جیسے برگِ نریب۔ ان مقامات پر یہ کاروائی کی گئی ہے کہ صاف چٹیل میدان میں بڑے حوض پختہ ڈھلوان بنائے گئے ہیں اور پہلوئے حوض میں ایک چاہ عمیق کندہ کر کے اس کو پختہ کیا ہے اور اس کی نہ بہت پختہ چونے سے کر دی ہے اور کنوئیں کا دور بھی پختہ ہے۔

موسم بارش میں جب باران رحمت کا نزول ہوتا ہے تو ان حوضوں میں پانی بھرتا ہے اور چاہ کی جانب حوض کا ضلع ڈھلواں ہے وہاں اس کی موری رکھی گئی ہے۔ اور اس کے منہ پر جالی لگی ہوئی ہے اس جالی سے پانی چھنکر موری کی راہ سے پہنچ کر چاہ میں فراہم ہوتا ہے اور چاہ کے منہ پر ایک کھڑکی لگی ہوئی ہے۔ وہ کھڑکی بند رہتی ہے۔ اور اس کے منہ پر قفل لگا رہتا ہے۔ صبح کو گاؤں والے قفل کھول کر پانی تقسیم کرتے ہیں۔ ایک ایک گھڑا پانی کا گھڑا بھیج دیا جاتا ہے اس میں سب خانہ داری کا سامان کرنا ہوتا ہے اب اگر خزانے فضل کیا۔ بارش ہو گئی تو وہ لوگ دیہات میں مقیم ہیں۔ اور اگر بارش نہ ہوئی تو وہ لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر گاؤں سے نکل

کھڑے ہوتے ہیں۔ زراعت کی کیفیت ہے کہ اُس ملک میں زراعت اونٹوں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے نہ گاوؤں کا کام نہیں۔

بعض جگہ بل بھی نہیں جوتے جاتے فقط لاکھوں سے ریت کے ٹیلوں پر تخم پاشی ہوتی ہے۔ قدرت خدا کو ملاحظہ کرنا چاہئے کہ وہ ملک ایک فصدہ بارانی زراعت ہوتی ہے۔

قسم غلہ سے باجرہ موٹھ پیدا ہوتی ہے۔ اسارہ کے مہینے میں ایک چھینٹا پانی کا پڑا اور ان لوگوں نے تخم پاشی کی۔ باجرہ کا درخت گھوڑے سوار کے قد سے زیادہ تجاوز کرتا ہے اور سیر بھر کی درخت میں بال آتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس موٹھ بھی زمین میں ایسی پھلتی ہے کہ چھتے کے چھتے ہو جاتے ہیں لاکھوں میں موٹھ باجرہ پیدا ہوتا ہے اور باجرہ کس قدر شیریں ہوتا ہے کہ گندم اور برنج کی کچھ حقیقت نہیں وہاں کے باشندوں کی وہی خوراک ہے۔ باجرہ کی روٹی اور موٹھ کی وال اور وہ ایسی خوش ذائقہ ہوتی ہے کہ اُس کے آگے پلاؤ۔ بریانی کی کچھ اہل نہیں۔ طرفہ ماجرایہ ہے کہ اگر اُس ملک میں گندم برنج کا زیادہ استعمال کیا جائے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

مولشی اس ملک کے نہایت توانا۔ گائے بھینس وغیرہ دودھ افراط سے دیتے ہیں اور دودھ چکنا ہوتا ہے۔ گھی بہت نکلتا ہے۔

بھیریل جیسی خوبصورت یہاں ہوتی ہیں کہیں نہیں دیکھیں۔ سفید براق رنگ ہوتا ہے۔ چشم نہایت باریک ہوتی ہے کہ پارچہ بانی میں بہت کارآمد ہوتی ہے۔ گوشت بھیر بکری کا خوش ذائقہ۔ چرب۔ فریہ۔ بھر بھرا مثل مرغ و ماہی ہوتا

ہے۔ اور سرلیج البھنم ہے ایسا لذیذ گوشت ہندوستان بھر میں نہیں ہوتا۔
 ایک قسم کا تر بوز خود ریگستان میں ہوتا ہے جس کو متیرہ کہتے ہیں سبحان اللہ کیا
 سرد و شیریں و کلاں ہوتا ہے۔ اُس کا شربت مثل قند شیریں اور خوش گوار ہوتا ہے
 ایک سوار اور گھوڑا ہنگام تشنگی میں میراب ہو جاتا ہے وہ اکثر ریت کے ٹیلوں
 پر خود روہوتے ہیں اور ریت میں دیے ہوئے پڑے رہتے ہیں جن لوگوں کو
 اُن کا حال معلوم ہوتا ہے۔ وہ برآمد کر لیتے ہیں ہنگام سفر میں پانی تو کوسوں نہیں
 ملتا۔ متیرہ مل جاتا ہے اُس کو نکالا اور ایک جانب اس میں روزن کیا اور تاس
 وغیرہ یا اور کوئی ظرف پُر کر لیا۔ آپ پیا اور گھوڑے کو بھی پلا دیا۔ مجھے ہنگامِ دور
 اکثر اتفاق ہوا ہے کہ تشنگی غالب ہوئی ہے اور سوار ان ہمراہی سے کہا گیا ہے اور
 وہ ڈھونڈ کر جنگل میں سے لے آئے ہیں اور اس کا شربت استعمال کیا گیا
 ہے۔

آدمی اس ملک کا محنت کش صاحبِ ارادہ۔ صاحبِ ہمت اور کماد ہوتا
 ہے۔ خصوصاً فرقہ ہماجن اور اسی وجہ سے وہ لوگ متمول ہیں۔ شیخانی کا آدمی
 سوائے ملک پور بے تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہے اور کمائی کر کے لاتے
 ہیں اور مکانات اور عمارات عالی شان بنواتے ہیں۔
 میں تین سال برابر اس ملک میں برسرِ حکومت رہا ہوں۔

نواب

ریاست ٹونک کی ملازمت

ٹونک میں دھوم ہے کل سے کہ ظہیر خستہ
سرگزشتِ دل محروں میں سنانے والے

بعد انتقال ہمارا جہ صاحب ہمارا جہ رام سنگھ جی بکینٹھ باشتی تین سال تک میں
ملازم ریاست جے پور رہا بعد خانہ نشین ہو کر دو ڈہائی سال بے روزگار پریشان سرگردا
رہا۔ بعد نواب احمد علی خاں صاحب کی رفاقت میں چھ سال بسر کئے۔ اس اثنا میں
شعرو سخن کا بہت چرچا رہا۔ بہت سا کلام فراہم ہو گیا۔ بعد انتقال نواب احمد علی خاں
صاحب بہادر نواب مستطاب نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں صاحب امین الدولہ
صولت جنگ فرما کر دئے ریاست ٹونک خلد اللہ ملکہ کی طرف سے فقیر کی طلب ہوئی
اور عاجز صاحبزادے احمد سعید خاں صاحب عاشق محرم سلسلہ ہوئے اور نواب
احمد علی خاں صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے کے نام حکم آیا کہ استاد ظہیر کو ٹونک
بھیج دو۔ اس واقعہ سے پیشتر مجھے اکثر اوقات ٹونک جانے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا

اور نواب صاحب مرحوم کی خدمت میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اکثر صاحبزادے میرے شاگرد ہو چکے تھے۔ اور عمائد شہر میرے معتقدین میں تھے۔ اول باوجود مجھے ٹونک جانے کا اتفاق ہوا تھا تو نواب عبید اللہ خاں صاحب وزیر جنگ نے مجھے اپنے بڑے ^{صا}جزاؤ کی شادی میں مدعو کیا تھا اور نہایت احترام سے میری ہمانداری کی تھی میں نے قصیدہ تہنیت شادی لکھا تھا وقتِ نخصت پچاس روپے اور دو شالہ صلہ میں دیا تھا۔

غرض کہ میں حبیب ٹونک میں پہنچا ہوں تو اپنے ایک شاگرد کے مکان پر فروکش ہوا اور پیشتر نائب صاحب سے ملاقات کی نائب صاحب کمال اعزاز پیش آئے اور فرمایا آپ نے بہت راہ دکھائی حضور پر نور کو بہت انتظار تھا۔ اس کے بعد منشی محمد ^{سفن} صاحب میرمنشی خاص اور کپتان سید نور الدین صاحب فصیح الملک جو نواب صاحب بہادر کے مصاحبین میں تھے اور میری طلبی کے بارہ میں وہی واسطہ تھے ان سے ملا اور انہوں نے میرا کلام سنا۔ چونکہ یہ دونوں صاحب نہایت سنجیدہ اور فہمیدہ سخن سنج سخن فہم اور خود سخنور تھے اور مذاق سخن سے خوب آگاہ تھے۔ وہ نہایت محفوظ ہوئے اور کہا کہ جیسی شہرت سنی تھی اُس سے بدرجہا نادر پایا اب کل انشاء اللہ تعالیٰ حضور میں چل کر نذر گزارا ہے۔ دوسرے روز محبت ہر دو صاحبان میں نواب صاحب بہادر خداوند نعمت کی خدمت میں پہنچا۔ نذر گزارانی حضور بہت خوش ہوئے۔ اپنا کلام مجھے سنایا میں نے تعریف کی۔ فرمایا جب تم نے پسند کیا تو میری دانست میں بلا شک مقبول عام و خاص ہو گا۔ اس کے دوسرے روز صاحبزادے اسحاق خاں صاحب برادر حقیقی نواب صاحب کے مکان پر مشاعرہ تھا حکم ہوا کل مشاعرہ میں حاضر ہو کر اپنا کلام عرض کرو۔ دوسرے روز مشاعرہ میں ایک ہجوم کثیر صاحبزادگان راکین دولت کا

فراہم ہوا۔ نواب صاحب پس پشت سرچہ تشریف رکھتے تھے۔ قنات کے دروازوں
 پر چلمیں پڑی ہوئی تھیں۔ غزلخوانی شروع ہوئی اور نواب صاحب بہادر کی غزلیں پڑھی
 گئیں۔ اور بہت سی تعریف ہوئی اور بعد سلیمان خاں صاحب اسد شاگرد شعی منظر علی
 صاحب اسیر مرحوم نے نائب صاحب کی غزل پڑھی۔ کیونکہ نائب ان کے شاگرد
 تھے۔ بعد سلیمان خاں صاحب نے اپنی غزل پڑھی۔ میں نے تعریف کی آپ کا کلام
 بہت اچھا ہے۔ بعد مجھے حکم ہوا تو غزل پڑھ میں نے غزل کا مطلع پڑھا۔ میں مطلع
 سننے ہی مشاعرہ میں شور برپا ہو گیا۔ نواب صاحب بہادر نے تین تین چار چار مطلع
 کو پڑھوایا۔ بعد وہ سر مطلع پڑھا۔ اس پر بھی یہی کیفیت ہوئی۔ تیسرا مطلع پڑھا وہ
 اس سے بڑھا ہوا تھا۔ اس وقت ایک صاحب زادے نے ان کا نام بھی بھول گیا ہوں
 اور وہ انتقال فرما گئے (افسوس ظہیر صاحب بھی رحلت فرما گئے) انہوں نے مشاعرہ
 میں کھڑے ہو کر یہ آواز بلند یہ بات فرمائی سلیمان خاں صاحب شعر اسے کہتے ہیں
 کہ خود بخود درو دیوار سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہے۔ غرض کہ تمام غزل پر یہی کیفیت
 رہی۔ بعد میرے اور حفصہ نے غزلیں پڑھیں مشاعرہ ختم ہوا۔ نواب صاحب بہادر کے
 مجھے اندرون قنات بلا کر بہت قدر افزائی فرمائی۔ اس کے بعد جلسہ سالگرہ نواب
 صاحب بہادر کا ہوا۔ اس تقریب میں شامل رہا۔ حسب قاعدہ نذر ہوئی اس کے تیسرے
 روز صاحب زادے احمد یار خاں کے مکان پر مشاعرہ ہوا۔ میں نے قصیدہ سالگرہ کا پڑھنا
 شروع کیا۔ اور تحسین و آفرین کا غل مج گیا۔ میں حلقہ کے برابر بیٹھا ہوا قصیدہ سنا رہا
 ہوں اندرون مکرہ سے حضور تعریف فرماتے جاتے ہیں اور باہر عوام تعریف کر رہے
 ہیں جب میں قصیدہ سنا چکا تو اندرون نواب صاحب اپنے جلسے کے لوگوں سے جو

قصر میں تھے۔ ان سے صلاح لینے لگے کہ اس قصیدہ کا صلہ کیا تجویز کیا جائے۔ یہ
 قصیدہ استادوں کے قصائد سے ملتا جلتا ہوا ہے۔ میرزا محمد علی خاں صاحب اور
 نواب نجف خاں صاحب نمبرانِ کونسل نے عرض کی کہ ظہیر تو ذوقِ زندہ ہے اور
 حضور بہادر شاہ اب صلہ کا اختیار حضور کو ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ پانسو روپہ
 دلا دینے چاہئیں۔ اس وقت میری بد نصیبی سے دو حشاد بھی موجود تھے انہوں نے
 عرض کی کہ حضور قصیدہ تو ذوق کا ہے آپ صلہ کس بات کا دیتے ہیں مگر سبحان اللہ
 حضور نواب صاحب بہادر کی دیادلی فرمایا کسی کا ہو ہے تو میری مدح میں مجھے صلہ
 دینا واجب ہے۔ خیر اچھا تو ڈھائی سو روپہ دلا دو۔ خیر وہ حکم لکھوا دیا گیا۔ اسی وقت
 میرزا محمد علی خاں صاحب نے باہر آکر مجھ سے یہ ماجرا بیان کیا کہ یہ معاملہ پیش آیا
 جب بعد تین ماہ کے وہ صلہ کے روپے معرفت نائب صاحب کے مجھے وصول ہوئے
 عرصہ چار ماہ تک میں امیدوار رہا۔ اس عرصہ میں دیب ارداری بھی رہی اور ہمیشہ جلسے
 شاعروں کے بھی ہوتے رہے میں ہر شاعرہ میں شامل ہوتا رہا۔ صحبتِ شعر و سخن ثبات
 روزِ مسرکار میں گرم رہتی تھی بعد میں نے ایک روز نائب صاحب سے کہا کہ میں کب
 تک امیدواروں میں بسر کروں میں مسافر ہوں۔ نائب صاحب نے کہا میں تم کو
 رخصت کرانے دیتا ہوں میں نے یہ تذکرہ منشی محمد یوسف سے کیا انہوں نے بیان
 کیا کہ تم ہرگز ایسا نہ کرنا تم نواب صاحب کے حسبِ الطلب آئے ہو تم نوکر ہو تو
 تمہیں تنخواہ ملے گی۔ نائب صاحب تمہارا رہنا نہیں چاہتے وہ سلیمان کے ساعی ہیں
 چنانچہ بعد چار ماہ کے ایک روز حافظ عبدالرحمن صاحب مختار سے جناب نواب
 صاحب نے مجھے اور سلیمان خاں صاحب کو بلا کر دو دو ماہی کی تنخواہ برابر دی اور

کہا کہ چوتھے مہینے تم کو اسی حساب سے تنخواہ ملا کرے گی یہ وہی سال اور وہی دن ہیں
 کہ جس سال دارغ صاحب حیدر آباد میں کامیاب ہوئے اور یہاں ہی میرے نام
 دارغ صاحب کا خط پہنچا ہے کہ یہاں میں نوکر ہو گیا ہوں۔ اس کے جواب میں خبر ملنے
 پر میرے خط کی تحریر ہے تو اس کا بھی یہی مضمون تھا۔ کہ میں بھی نوکر ہو گیا ہوں۔ اسی اثنا
 میں نواب خاتون زمانی بیگم صاحبہ ہمیشہ زادی نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم محل
 خاص حضور نواب صاحب بہادر خداوند نعمت میری شاگرد ہوئیں اور کچھ تنخواہ میری
 وہاں سے بھی مقدر ہو گئی اور بیگم صاحبہ کی شہنوی اصلاح کو آنے لگی خیر میں اپنے خوش
 و غوم رہنے لگا میں خاصی اچھی طرح بسر کرتا تھا۔ اُدھر میں نوکر اور میرا بیٹا نوکر تھا۔
 وہ تھانے دار تھا۔ بعد میں دو تین سال وہ معطل ہو گیا تھا کچھ پرہا کی بات نہ تھی۔
 میں نوکر تھا۔ اسی اثنا میں میری منجھلی رطکی کی شادی ہوئی اور وہ رخصت ہو کر دہلی چلی
 گئی۔ میرا ارادہ سیروسیاحت کا ہوا۔ میں ٹونک سے تین ماہ کی رخصت حاصل کر کے
 بڑوہ ہوتا ہوا بمبئی پہنچا اور حیدر آباد میں وارد ہوا۔ اکثر عائد سے ملاقات ہوئی۔ ہمارا
 بھگوان سہائے بہادر میرے شاگرد ہوئے اور دو تین آدمی شاگرد ہوئے۔ خانساں
 محمد ابوسعید خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ مجھ سے نہایت اخلاق سے پیش
 آئے۔ مجھے امیدوار کیا تم بھڑوہ میں حضور میں تذکرہ کروں گا۔ میرے حضور کے واسطے
 لکھوائے۔ جموں لکھوایا۔ غریبیں اکثر لے جاتے تھے۔ غرض کہ لیت و لعل میں پانچ
 مہینے گزر گئے۔ ٹونک سے تاکید طلبی کی ہوئی۔ تار آیا اُدھر رطکے کا خط آیا ہم کو آپ
 کی کمائی دکھائی نہیں آپ چلے آئے میں یہاں سے چلا گیا۔ ٹونک میں پہنچا تو میرے
 بعد چچاہ میں تنخواہ تقسیم ہوئی ہے مجھے نہ ملی۔ بلکہ دوسری چھ ماہی میں ملی نہایت

درجہ کی زیر باری ہو گئی۔ نو سو روپیہ کا قرض دار ہو گیا۔ خدا خدا کر کے وہ قرضہ ادا کیا۔
اب چرخ جھاکار دل آزار نے ایک تیر ستم تاک کر ایسا دل پر لگایا کہ دل اور جگر کو پھوڑ
کر پار ہو گیا۔ یکا یک گھر سے خط پہنچا کہ منجھلی لڑکی بیمار ہو کر دلی سے جے پور میں آئی
تھی۔ اُس کا انتقال ہو گیا۔ اس خط کو دیکھتے ہی روح تن سے پرواز کر گئی۔ رویا۔
پٹیا لیکن کیا کر سکتا تھا گھر پر آیا بی بی کو دیکھا تو وہ دیوانی ہو رہی تھی اُسے سمجھایا اپنے
دل پر پتھر رکھا گیارہ بچوں میں یہ چار پر وان پڑھے تھے۔ جوان ہوئے تھے۔ سب
بڑا لڑکا تھا اور یہ تین لڑکیاں تھیں۔ ایک چھوٹی لڑکی کی ہنوز شادی نہیں ہوئی تھی
وہ منجھلی لڑکی مرنے والی پانچ ماہ کی ایک دتر نہایت خوبصورت چھوڑ کر مر گئی تھی۔
اس کی پرورش کی گھر میں نہایت تاکید کی کہ بجائے توفیہ کے اس کو سمجھو۔ انا
دودھ پلانے پر نو کر لکھ کر پھر نو کری پر روانہ ہوا۔ برس روز بعد اُس بچی کا انتقال ہو
گیا۔ اور زخم پر زخم لگا۔ اور وہ داغ کہن دوبارہ تازہ ہو گیا۔ اُس پر بھی صبر کیا۔
اُن روزوں میں ٹونک میں تھا کہ میری بی بی ٹونک میں میرے پاس پہنچیں صاحبہ جڑ
احسان اللہ خاں ہمشیرہ زادہ و داماد نواب صاحب بہادر میرے شاگرد تھے اُن
کی والدہ صاحبہ یعنی خواہر نواب صاحبہ کے پاس جا کر میں بیگم صاحبہ نے
نہایت خاطر مدارات فرمائی۔ بعد ایک ماہ کے وہاں سے رخصت ہوئیں تو مجھ سے
کہا کہ مجھے گھر پہنچاؤ۔ خیر میں نے شکرم کا کر یہ دیا اور شکرم کا نیچے کا درجہ لیکر
اس میں نصف شکرم میں پروہ ڈال دیا۔ اُس میں انہیں اور ایک نیک بخت مغلانی
خاتون زمانی بیگم صاحبہ کے ہمراہ ہی دونوں کو بٹھا دیا۔ اور آپ باہر ہو بیٹھا۔ اور
سب سامان اپنا شکرم کی ماچی پر بند ہوا دیا۔ اور تین مزدور میرے پاس باہر

بیٹھے تھے۔ اور چند آدمی شکرم کے اوپر کے درجے میں تھے۔ میرے پاس تلوار
 بہت عمدہ تھی میرے پاس رکھی ہوئی تھی جب ہم ندی سے پار تر کر شکرم پر
 سوار ہوئے ہیں تو مغرب کا وقت تھا اور جب تین کوس راہ اوسط کی ہے۔ تو
 دس بجے رات کا وقت تھا کہ یکایک دھڑا دھڑا کی آواز آنی شروع ہوئی اور یو
 مار یو کا غل مچا اور غارتگروں نے آکر شکرم کو گھیر لیا اور لٹھ مارنے شروع کئے مارے
 لٹھوں کے کو چوان کو اور محافظ شکرم کو بھی گرا دیا۔ اور شکرم کے اوپر کے چھپرے
 لٹھ مارنے لگے اور ایک عورت اور ایک مرد شکرم کی پشت کے تختے پر بیٹھے تھے
 مارے لٹھوں کے ان کا چورا کر دیا۔ اب یہ کیفیت ہوئی کہ ایک پر ایک شکرم کے اندر
 گرتا ہے۔ میں تین آدمیوں کے نیچے دب گیا۔ ادھر ادھر کے درجہ والے جو گھبرا کر
 اتر اترتے ہی ان کو بھونکا کر دیا۔ ایک جوان انگریزی سپاہی تھا وہ جوان بھرتی کر
 آیا تھا اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اس غریب نے پانچ چار ڈنڈے مارے ایک کو
 اس نے بھی گرا دیا تھا۔ مگر اکیلا کیا کر سکتا تھا وہ چالیس آدمی تھے اس کے سر پر
 بہت سے لٹھ پڑ گئے۔ آخر غش کھا کر گر گیا۔ ادھر میں تڑپ کر آدمیوں کے نیچے
 سے نکلا۔ تلوار کو ٹوٹا ہوں تلوار کا پتہ نہیں میں شکرم سے نکل کر تختے پر آیا ہوں کہ
 ایک شخص نے برابر سے لٹھ دیا میرے کاندھے پر پڑا دوسرے نے لٹھ مارا سر پر
 پڑا۔ سر کھوٹ گیا تیسرا لٹھ جو برابر سے مارا میری نظر ادھر تھی۔ وہ میں نے خالی یا
 پرے کو گردن کر لی وہ لٹھ تختے کی زنجیر پر پڑا وہ لٹھ میں نے تقام لیا ایک طرف سے
 میرے ہاتھ میں دوسرا سرا غارت گر کے ہاتھ میں تو اور دو تین آکر مجھے لپٹ گئے
 تختے پر سے نیچے گرا دیا۔ اوپر سے اور چاہتا تھا کہ میرے لٹھ مارے کہ میری بی بی

میرے اوپر گر پڑی ایک بولا۔ اسے ڈوگری ہے ڈوگری مر جائے گی۔ اب میرا ہاتھ
پکڑ کے دو تین نے کھڑا کیا اور میرا بدن اور کمر ٹوٹنے لگے میں نے کہا کہ میرے پاس
کچھ نہیں۔ وہ تینوں مجھے گھسیٹتے ہوئے کوئی دس قدم کے فاصلہ پر لے گئے اٹھ اٹھ
جا کر کنکروں پر پھینک دیا اور دو آدمی لٹھ لے کر میرے سر پر کھڑے ہو گئے اٹھ کہا
ڈوگرے تو یہاں سے ہلا تو تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ میری بی بی روتی ہوئی
میرے پاس آئی اور کہا اے فارت گر گاڑی والوں کو مار ڈھا کر رہے ہیں۔ اور
پلوئیں باندھ باندھ کر اسباب کی لئے جاتے ہیں۔ ادا ہم دونوں بیٹھے ہوئے یہ سماں
دیکھ رہے ہیں۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں وہی میری تلوار ہے اور وہ اچھلتا پھرتا ہے
اور کہتا ہے اس تلوار سے سب کا سر کاٹ لیا گا۔ ادھر گاڑی کے اندر کے آدمیوں کو
سب کو باہر نکال کر سب کی تلاشی لے لی کسی کے پاس ایک پیسہ نہ چھوڑا اور اس
عورت مغلانی کے پاس پانسو چھ سو کا مال اسباب تھا سب چھین لیا۔ ایک برہمنی کے
پاس زیور تھا سب اتار لیا فقط پاؤں کے کڑے نہ اتر سکے۔ جب وہ تلوار ہلاتا ہوا
ادھر آئے میری بی بی روتی اور چکی چکی مجھ سے کہتیں خدا کے لئے تم یہاں سے
بھاگ جاؤ تمہاری جان تو بچ جائیگی میں نے کہا بھاگ کر جاؤ تو اس سے کہیں جان
بچ سکتی ہے۔ اسی اثنا میں ایک شخص اور مسافر آرا اس کو دیکھتے ہی یہ دونوں شخص
جو میرے سر پر کھڑے تھے انہوں نے برابر سے جا کر اس کی پشت پر دو لٹھ مارے
وہ گر گیا اس کی جیب میں سے پانچ روپے نکال لئے اور تلوار چھین لی۔ اسی اثنا
میں کچھ دوڑنے کی آواز آئی تو وہ سب کے سب فرار ہو گئے پھر جا کر دیکھا تو سب
کے چوٹیں لگی ہوئی تھیں۔ سب کے پاس کچھ نہ چھوڑا سب لوٹ کر لے گئے۔ اتنی

دیر میں گاؤں والے آگئے اُن سے ہرچند کہا گیا کہ تم اُن کا تعاقب کر و سرگند
 نہ مانا کہ جب تک پولیس کا آدمی ہمراہ نہ ہو ہم کھوج نہیں نکالتے میرا سب سامان کپڑا
 زیور وغیرہ سب لگے۔ کچھ نہ چھوڑا فقط ایک پرانا برقعہ جو پرانے کپڑے کا سفر کرنے
 کے واسطے بیا تھا وہ چھوڑ گئے۔ رات بھر اُسی جگہ سب پڑے رہے صبح اٹھ اٹھ
 کر اُن چوروں کا سراغ دیکھنے لگے کہ کدھر کو گئے ہیں میں بھی ڈھونڈھتا ہوا کوئی دو
 سو قدم گیا تو وہاں دیکھا کہ میرے دونوں صندوقے ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں۔ اور
 پاندان بھی ٹوٹا ہوا پڑا ہے۔ بیگ پھٹے ہوئے پڑے ہیں۔ کپڑے نثار دے۔ زیور نقد زخم
 وغیرہ کچھ نہیں مگر وہ ڈاکو میرے سر پر ایک احسان کر گئے کہ آج تک اُن کا سرگزار
 ہوں میں نے صدعا دعائیں اُن کو دیں کہ خدا اُن کا بھلا کرے میری ساری عمر کی کمائی وہ
 چھوڑ گئے میرے جواہرات میں سے ایک نگینہ انہوں نے نہیں لیا میں کیا دیکھتا ہوں
 کہ جزدان جو نیا چھینٹ کا میں نے سلوایا تھا وہ تو اتار کر لے گئے اور میرے جتنے
 مسودات غزلوں اور قصائد کے اور قلمی دیوان میرا ایک جا رکھ کر اوپر پتھر رکھ گئے۔ اسی
 کی تلاش میں میں نکلا تھا۔ بس یہ دیکھ کر مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ حد سے بے حد گویا
 میرا سب مال اسباب مجھ کو مل گیا میں نے خوشی خوشی وہ کاغذات اپنے اٹھائے اور باقی
 سب سامان اپنا وہیں پڑا رہنے دیا۔ اور دماں سے آکر سب آدمیوں سے کہا کہ بھائی میری
 دولت تو مجھے مل گئی وہ پوچھنے لگے کیا دولت ملی میں نے کاغذات دکھائے اور
 کہا جا کر اپنی چیز تلاش کرو سب پہنچ گئے۔ جو کچھ ٹوٹا پھوٹا پرانا جس جس کا تھا وہ
 سب پہچان لیا اور اسی طرح پڑا رہنے دیا سہ پہر کو جب صاحبزادے عبدالرحیم خاں
 صاحب فوجدار ریاست موقع واردات پر پہنچے ہیں تو وہ اٹھوایا گیا۔ پھر واپس لوٹ

کو جانا پڑا۔ فوجدار سی میں اٹھا رکھا۔ آٹھ روز کے بعد گھوڑا گاڑی میں گھر کے
 آدمیوں کو سوار کر کے ٹونک کو آیا۔ سال بھر کے بعد میرے پاس گھوڑی تھی۔ وہ
 فروخت کرنے کو جے پور کے میلے میں لے گیا تھا۔ وہ میلے میں بندھی ہوئی تھی
 ایک دن صبح کا وقت ہے چاکر گھوڑوں کو مل رہے ہیں۔ پچھاڑی میں گھوڑوں کی
 الاؤ تھا۔ اس پر میں بیٹھا ہوا چلے پکار رہا تھا۔ آدمی دودھ لینے کو گیا ہوا تھا کہ ناگیاں
 میرے دامن کو آگ لگی۔ اور وہ دامن بھڑک گیا۔ میں نے ہاتھوں سے اُسے بجھایا۔
 دوسرا دامن بھڑک اٹھا میں بجھانے لگا مگر پے انگر کھا بھڑک اٹھا میں اُٹھ کر بھاگا سا
 سائیس گھوڑے مل رہے تھے۔ اُن سے کہا۔ ارے دیکھتے ہو تم بجھاتے نہیں انہوں
 نے دوڑ کر میرے کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے۔ انگر کھا کر تہ سب جل گیا۔ پیٹ اور
 کمر اور شانے اور دونوں ہاتھ ٹھک کر کباب ہو گئے اور اب ہوا لگی اور اُس میں سوزش
 پیدا ہو گئی اور مجھے غش آ گیا۔ جیون علی میرے داماد موجود تھے جلدی سے شفا خانہ
 میں دوڑے گئے اور دہل ایک ہنڈیا میں کچھ پانی میں ملی ہوئی دوالائے اور زخموں
 پر ملی۔ اور کچھ دوالائے۔ مجھے پانی کہ مجھے تسکین ہوئی اور کرایہ کی گاڑی کر کے مجھے
 مجھے گھمرائے۔ گھر میں دیکھتے ہی رونا پینا پڑ گیا۔ تمام لپشت پر ایک بڑا آبلہ پڑا ہوا تھا
 غرض کہ شفا خانہ کا علاج ہوا تین ماہ میں تندرست ہوا تمام دنیا میں موت کی خبر اُڑ
 گئی تھی۔ جسے کہ ٹونک میں بھی خبر پہنچ گئی تھی کہ وہ مر گیا۔ لیکن خدا نے فضل کیا۔ جب
 میں ٹونک گیا ہوں تو سب میرے دوست ملنے آئے اور والی نہایت خوش ہوئے
 میرے بدن کی کھال جہاں جہاں سے جلی تھی وہ سب اُدھر ٹکٹی تھی۔ پچھون تک
 ہاتھوں کا چمڑا سب اُتر گیا تھا۔ فقط گوشت و استخوان رہ گئے تھے اس علالت

میں میر جیون نے میری بڑی خدمت کی مجھے اٹھانا، بٹھانا، کھانا کھانا سب وہی کرتے تھے۔ کیا خدا کی قدرت ہے کہ میری تو خبر گیری اُس بندہ خدا نے پوری پوری کی۔ مگر اُن کی خبر میں نہ لے سکا میں جب ٹونک گیا وہ بیمار پڑ گئے پندرہ روز کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ ہنوز پہلے زخمِ دل کے بھرنے نہ پائے تھے کہ یہ صدمہ عظیم و اما د کا ہوا چار بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ کیا صدمہ ہوا کہ مکرٹوٹ گئی۔ یارب العالمین میں بوڑھا مرنے کو تیار بیٹھا ہوں۔ جوان بیٹی بیوہ ہوئی۔ یہ بچے کیونکر پرورش پائیں گے۔ بس اسی صدمہ میں تھک کر غدار ستم گار نے کہا کہ اس پر

سجاد مرزا کی وفات

صبر کئے بیٹھا ہے۔ ایسا صدمہ جان کاہ اور زخمِ شمشیرِ دل شکاف لگایا جیسے کہ زندگی تلخ ہو جائے۔ میر جیون علی کے مرنے کے بعد ایک سال کے چھوٹی لڑکی کی شادی قرار پائی تھی۔ سجاد مرزا جب سوائی مادھو پور میں آئے میں نوکری پر تھانے مجھے لکھا آپ کچھ سامان اور زیور پارچہ وغیرہ کا کر کے بھجھے اور میں بھی کچھ بند و بست کرتا ہوں۔ اور میں رخصت لے کر گھر کو جاتا ہوں۔ اور آپ یہ سامان وغیرہ لے کر گھر پر آجائیے۔ لڑکی کی شادی ہو جائے بغرنکہ میں نے بند و بست روپیہ وغیرہ کا کر کے کچھ زیور چاندی کا اور کوئی اتنی روپیہ کا کپڑا لیشی۔ گلبدن۔ طلسم وغیرہ کچھ سفید خرید اور پچاس روپے کا گوٹہ کناری وغیرہ بہم کر لیا اور کچھ اور روپیہ کا انتظار تھا۔ وہ فرض نکلوا یا تھا کہ وہ دستیاب ہو جائے تو میں جے پور چلا جاؤں۔ وہ کمبخت ساموکار ایسا ملیح تھا کہ روز آج کل آج کل کرتا تھا۔ اس اثنائیں مجھ سے پہلے وہ رخصت لے کر جے پور پہنچ گیا۔ وہاں جاتے ہی جنرل سپرنٹنڈنٹ نے اس کی بدلی بو روانے کی کر دی۔ ہر چند اُس نے عذر کئے کہ میری بہن کی شادی ہے

میں نہیں جاسکتا سپرنٹنڈنٹ درپے ہو گیا کہ ایک مہینے کے واسطے چلا جا۔ پھر
 جے پور کی تبدیلی ہو جائے گی۔ فضا سر پر سوار تھی میرے خط کی بھی راہ نہ دیکھی۔
 اُس کی ماں نے ہر چند روکا کہ تو نہ جاتیرا باپ اب آتا ہے۔ شادی ہو جانے دے پھر
 جاتیو ایک نہ مانی۔ یہی کہا کہ اباجی کے آنے میں دیر ہے میں جیت تک ہواؤں گا۔ وہ
 یہاں سے سوار ہو کر ندراؤنی مقام کھنڈیلہ پہنچا اور میں نے وہ سامان زیور اور
 پارچہ گوٹہ کناری عبدالقادر خاں صاحب رسالدار کے بھائی کی معرفت گھر کو روانہ کیا اور
 کہلا بھیجا کہ اسی ہفتہ میں آتا ہوں۔ اور دھرم سجاد مرزا کھنڈیلہ میں پہنچا وہاں جا کر سنا کہ ڈپٹی
 صاحب تو مرگئے۔ یہ حیران ہوا۔ میں یہ کیا معاملہ ہوا۔ ابھی تو ڈپٹی صاحب نے مجھے بلوایا ہے
 میری تبدیلی کرائی۔ یہ کیا ہوا وہ مقام کھنڈیلہ سے پانچ سات کوس پر بودہ در یہ میں ہے
 دور وزجد وہاں پہنچا تیسرے روز سجاد مرزا اور دوسرا ہلکار واسنگھ جس کی تبدیلی پر
 یہ گیا تھا وہ اور ڈپٹی کا بھائی یہ سب کھنڈیلہ میں آئے۔ اُس شب کو سب ڈپٹی صاحب
 کے مکان پر پڑے۔ دوسرے روز ڈپٹی کا بھائی اپنے بھائی کے استخوان سوختے لے
 کر گنگا کو گیا اور سجاد مرزا کو کہہ گیا۔ کہ میں واپس آکر اپنے بھائی کا سامان تم سے
 لے لوں گا تم حفاظت سے رکھنا۔ وہ تو وہاں سے رخصت ہوا اور سجاد مرزا نے
 واسنگھ سے کہا کہ اب تم دفتر مجھے بٹھلاؤ۔ واسنگھ نے کہا کہ ایک دور دور
 تم صبر کرو۔ میں دفتر بٹھلاؤں گا۔ سجاد مرزا نے کہا وجہ حجت کی کیا ہے۔ تمہاری
 تبدیلی ہو گئی اب دفتریوں نہیں بٹھلاؤ تے۔ جاؤ تم اپنے علاقہ پر جاؤ۔ میرا دفتر مجھے سپرد
 کرو۔ کہا آج تو نہیں بٹھلاؤ تا کل بٹھلاؤں گا۔ اس میں زیادہ کھراہ کی نوبت پہنچی سجاد
 میرا کو لوگوں نے خفیہ طور پر مشتبہ کر دیا تھا کہ اُس نے ڈپٹی کو زہر دے کر مارا ہے

اُس کمبخت (سجاد مرزا) کے مُنہ سے نکل گیا۔ سیدھی طرح دفتر سنبھلا دو ورنہ ہتکڑی
 بیڑی ڈال کر شہر جے پو پھجوں گا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کو خبر ہو گئی ہے، ڈپٹی کے مارے
 جلنے کی آؤ اس کا کام بھی کرو۔ پس اُس نے یہ چالاکی کی کہ پہلے تو اُس آدمی کو جو سجاد مرزا
 کے پاس تھا بہکا کر نکال دیا کہ وہ نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ اب یہ دو بچے رہ گئے اور
 سجاد مرزا بشارت حسن اور اشتیاق حسین یہ دونوں چھوٹے چھوٹے تھے۔ اُس
 دن سجاد مرزا تو دائرہ میں ایک ڈپٹی دوسرے رہتے تھے ان سے ملنے گیا اور
 بشارت حسن گوشت بھون رہا تھا کہ واسنگھ آیا اور کہا کہ پانی ڈال گوشت جلتا ہی
 یہ اُٹھ کر پانی لینا گیا اور اس ظالم بے رحم نے سنکھنے کی پڑیا دی گچے میں ڈال دی اور چمچے
 سے چلا دی۔ جب یہ آیا تو وہ چچا ہانڈی میں پھیر رہا تھا۔ اس نے پانی ڈال دیا۔ اور
 وہ اُٹھ کر چل دیا شام کو جب سجاد مرزا آیا ہے تو اُس نے پوچھا بچوں سے روٹی
 پکالی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ماموں روٹی پکالی ہے۔ ان تینوں نے بیٹھ کر روٹی
 کھالی۔ بس کھاتے ہی تھے اور دست لگ گئے۔ آدھی رات گئے ذرا قے دست
 ٹھیرے ہیں کہ واسنگھ نے پوچھا۔ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ کہا دل پر جلن
 ہے۔ کہا سکجین پی لو میں لاتا ہوں دو بارہ پھر اور سنکھیا سکجین میں ملا کر پلا دی۔
 بس دوبارہ سنکھیا دینے سے حال تغیر ہو گیا۔ اب خیال کیا چاہئے کہ کیا عالم بچا رگی
 اور بے بسی کی موت ہے۔ عالم غربت۔ نہ کوئی دوست نہ شفیق رفیق نہ تیمار نہ
 طبیب غمخوار نہ عزادار۔ سوائے بے کسی کے کوئی پرسان حال نہیں سوائے دو بچوں
 خورد سال کے کہ وہ بھی اُسی حال میں گرفتار ہیں انہیں بھی قے دست لگے ہوئے ہیں
 غرض صبح ہوتے اُس کا کام تمام ہو گیا۔ کھانہ دارا و منشی کھانہ نے آکر تجھیز و تکفین کی اور

اُن دونوں بچوں کو تھانہ میں لے جا کر دوا درمن کی کہ بیچارے جان بڑھو گئے۔
 ورنہ ان کا کام بھی تمام ہو جاتا۔ دوسرے روز منشی تھانہ نے ایک اونٹ کرایہ
 پر لے کر اور ایک سوار کی حفاظت میں ان بچوں کو جے پور روانہ کیا اور دوسرے روز
 شام کے وقت بچے گھر کو آئے۔ جب بچے محلے میں پہنچے ہیں اور سجاد مرزا مرحوم
 کے ناموں احمد مرزا جان ایک دوست سے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے انہوں نے
 بچوں سے پوچھا تمہارا ناموں کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مرگیا۔ یہ سنتے ہی وہ بیہوش
 ہو کر گر پڑے اور محلہ میں ایک فریاد برپا ہو گئی زن و مرد ہمراہ ہوئے۔ بچے جب گھر
 میں آئے تو تمام محلے کی عورت جمع ہو گئیں۔ باہر مردوں کا اجتماع ہو گیا۔ اب سب
 بچوں سے حقیقت پوچھتے ہیں کیا ہوا کہو تو سہی۔ اب غیب بچے سمجھے ہوئے اپنی مصیبت
 میں آپ گرفتار ہیں۔ دبی زبان سے کچھ حقیقت بیان کی۔ ایک حشر برپا ہو گیا۔ صبح کو
 احمد مرزا خاں نے مجھے خط لکھا کہ تم خط دیکھتے ہی چلے آؤ سجاد مرزا کا حال غیر ہے
 اس خط کو دیکھتے ہی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ اسی وقت سرکار میں جا کر رخصت
 طلب کی۔ شام کو اونٹ گاڑی میں سوار ہو کر جے پور روانہ ہوا کسبت اونٹ ایسے
 ناقص تھے کہ وہ ایک چوکی بھی نہ چل سکے۔ رستہ میں وہ تھک کر بیٹھ گئے۔ گاڑی بان
 دوسرے اونٹ لینے گیا۔ اس عرصہ میں نصف شب گزر گئی۔ گاؤں والوں نے
 شکرم کو روک لیا کہ اس وقت روانہ ہونے دیں گے پہلے شکرم ٹٹ چکا ہے صبح
 کو شکرم روانہ ہوئی نوابی میں جا کر اونٹ بدلوائے گئے ہیں نے کچھ کھانے کو بازار سے
 لیا کھانے کو تھا مگر نوالہ حلق میں پھنسنے لگا منہ سے نہ چلا۔ اسی اثنا میں ایک برات محلہ
 والوں کی جے پور سے ٹونک کو جاتی تھی۔ وہ مجھے ملی میں نے اپنے بچوں کا حال پوچھا انہوں

نے کچھ دینی زبان سے ایسا بیان کیا کہ اور بھی اوسان پر آگندہ ہو گئے۔ غرض کہ پھر شکرم
 روانہ ہوئی مگر اونٹ بہت خراب تھے وہ دوسرے روز صبح کو جے پور میں پہنچے
 اور میں شکرم میں سے اتر کر گھر پر پہنچا میری بی بی نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی
 تذکرہ کچھ نہ کرنا میں گھر میں گیا تو سب خاموش تھے۔ اسی وقت احمد مرزا خاں کو اور احمد سلطان
 کو بلوایا میں ہر چند پوچھتا ہوں کوئی نہیں بتاتا یہی کہتے ہیں وہ کھندیہ میں ہے جب
 سب مرد جمع ہو گئے تو میں نے کہا خدا کے واسطے تاؤ تو سہی ماجرا کیلئے میں سمجھ
 گیا کہ بلا شک سجاد مرزا مر گیا جو یہ سب خاموش ہیں مجھ سے مضبوط نہ ہو سکا میں نے زور
 سے زمین پر سر دے مارا کہ میرے دماغ سے خون جاری ہو گیا اور میں نے کہا کہ اگر
 حقیقت بیان نہیں کرتے تو میں اپنے کو اسی وقت ہلاک کئے دیتا ہوں۔ تب عزیزوں
 نے میرے ہاتھ پکڑے اور کہا صبر کرو۔ ہم بیان کرتے ہیں۔ جب احمد مرزا خاں
 نے یہ حقیقت زبانی بچوں کی بیان کی تو میں حنفی مار کر رونے لگا میری بھتیجی نے
 سجاد مرزا کے دونوں بچوں کو لا کر میرے آگے بٹھا دیا۔ وہ چھوٹا بچہ کوئی سو برس
 کا تھا۔ اس نے کبھی مجھے نہ دیکھا تھا اور نہ میں نے اسے دیکھا تھا۔ مگر خوش خون
 کی تاثیر دیکھو کہ وہ گھٹنیوں چل کر آ کر مجھ سے پیٹ گیا میں نے اسے چھاتی سے
 لگایا اور دوسرا بچہ کہ وہ چار برس کا تھا اس نے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیے۔
 میں نے دونوں کو چھاتی سے لگایا تو جو آگ میرے سینہ میں بھڑک رہی تھی فی الجملہ
 تسکین ہوئی۔ احمد سلطان صاحب نے کہا کہ اب سجاد مرزا ان بچوں کو سمجھو۔ یہ
 ان کی نشانی ہے تمہاری نسل قائم رہے گی اب انکی پرورش کرو اگر تم بھی اپنے کو ہلاک
 کر دو گے تو یہ بچے کیونکر ملیں گے۔ غرض کہ بعد دو چار گھڑی کے جب میرے اوسان

درست ہوئے تو میں نے کہا کہ میں اب حکام کے پاس جا کر فریاد کرتا ہوں میری
بی بی کہنے لگی جو کچھ ہوا اب صبر کرو۔ مردے کی مٹی غریزہ کر دے قبر کھود کر نعش
نکلوانی جائے گی میرا دل تو گوارا نہیں کرتا ناش فریاد نہ کرو۔ یہ لوگوں نے ڈرایا تھا۔
غرض کہ کسی نے مجھے کچھری نہ جانے دیا میں نے کہا اس کی فاتحہ درود تو کرو کہا کہ
کل صبح تمہارے آنے سے پہلے رسم پھولوں کی ہو چکی کل سب عورات فراہم ہوئی
تھیں اور باہر سب عزیز واقارب دوست آشنا جمع ہوئے تھے بعد قرآن خوانی
کے ختم پڑھوایا تھا پھول کل ہو چکے ہیں غرض میں تو اپنی مصیبت میں مبتلا رہا۔ لوگ
آتے تھے رسم فاتحہ ادا کرتے۔ دوسرے روز کچھری سے ہرکارہ آیا اور مجھ سے
کہا کہ بچوں کو سپرنٹنڈنٹ جی نے بلایا ہے تم ان کو لے کر چلو۔ غرض یہ کہ میں نے ان
دونوں لڑکوں کو سجاد مرزا کے ہمراہ تھے لے جا کر کچھری میں پہنچا۔ سپرنٹنڈنٹ کو
اس امر کی اطلاع پیشتر ہی ہو چکی تھی اور آدمیوں نے ہمارا جہ صاحب کو منتظر میں
بھی بندر جہ تار اطلاع دے کر اجازت قبر کھولنے کی منگا کر تحقیقات کے واسطے حکم
بھیج بھی دیا تھا۔ یہ بچے گئے تو ان کو واسادے کر رہا ہستی سب حال دریافت کیا اور
اظہار لکھوائے اور تحقیقات جاری ہوئی۔ عند تحقیقات عمل ڈاکٹر می سے مقدمے
متوفی سے منکھیا برآمد ہوا خون بے گناہ ثابت ہوا جب میں نے جا کر کونسل میں
عرضی دی کہ میرا بیٹا جو ان نوکری سرکار میں مارا گیا ہے میں اس خون کا قصاص چاہتا
ہوں اور مرحوم کی بی بی اور دو بچے خورد سال ہیں ان کی پرورش ہونی چاہئے۔
اس عرضی پر حکم ہوا کہ بعد تکمیل مثل مقدمہ سائل کی دادرسی ہونی چاہئے اور قتل کی تحقیقا
قول محکمہ گرامی میں ہوئی اور جنرل سپرنٹنڈنٹ نے اپنے مواجہ میں ایسی تحقیقات کی

کہ باید و شاید اور پھر نظامت میں مسل گئی۔ اور پھر فوجداری میں آئی اور مجھے اور بچوں
 کو طلب کیا گیا اور مسل کی تصدیق کی گئی۔ بعد اس کے میں اس کے بچوں کو ہمراہ لے
 کر بابو راؤ کا متی چندر بہادر کے مکان پر پہنچا اور کہا کہ میرا بیٹا جو ان بے قصور نوکری راج
 میں مارا گیا ہے۔ اور میں بوڑھا ہوں۔ کوئی دن کا ہمان ہوں۔ ان بچوں اور اس کی بیوہ
 کی پرورش کون کرے گا۔ بابو صاحب نے اس وقت دو ممبر کونسل کے ان کے پہلو
 میں بیٹھے تھے۔ ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ ان دونوں نے متفق اللفظ
 بیان کیا کہ اس کا بیان راست ہے کوئی شک نہیں۔ ہمارے یہاں اطلاع آگئی ہے
 اسی وقت بابو صاحب نے فرمایا کہ ظہیر الدین تورو نہیں۔ جسے پور کا راج بے انصاف
 نہیں ہے۔ تیری اور تیرے بچوں کی پرورش کی جائے گی۔ اور قاتل کو ایسی سزا دی
 جائے گی کہ تیرے آنسو چھ جائیں گے۔ تیرا بیٹا نہیں مارا گیا ہے۔ میں خود مدعی ہوں
 نیز صاحب ممبر کلکٹر موجود تھے۔ ان کو حکم دیا کہ کاغذات دفتر کونسل کے نکلا کر دیکھو
 ایک بار مہاراج رام سنگھ جی نے اس کے بیس روپے ماہوار تصبیخہ روزینہ داران
 جاری کرنے کا مجھ کو حکم دیا تھا۔ وہ کاغذات نکلا کر وہ بیس روپیہ جاری کر دو۔ پھر میں
 نے عرض کی کہ میں اپنے بیٹے کے خونہا میں ایک پیسہ نہیں چاہتا۔ اگر کوئی لاکھ روپے
 نقد اور ہزار روپیہ مہینہ مجھے دے گا تو بھی میں نہ لوں گا۔ میرا حل بے بہا مارا گیا ہے
 ہاں اگر راج کو پرورش منظور ہے تو اس کے بچوں اور بیوہ کی پرورش کروے تو بابو
 صاحب نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ چار ماہ تک دفتر کونسل میں ان کاغذات کا شس
 کیا گیا کچھ پتہ نہ چلا۔ چونکہ عرصہ کثیر منقضی ہو چکا تھا اور دفتر کئی جا منتقل ہو گیا تھا۔
 وہ کاغذ برآمد نہ ہوئے۔ آخر الامر بابو صاحب نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ میں مجبور ہوں

تیرے بچوں کی تقدیر سے وہ کاغذات تو دستیاب نہیں ہوئے اور تجھے منظور نہیں
اب جو سجاد مرزا کی تھانہ داری کی تنخواہ تھی اس کا نصف بارہ روپیہ دو آنہ تیرے
بچوں کا مقرر کیا گیا۔ اٹھارہ سال کی عمر تک بعدہ راج سے پرورش روزگار کی ہوگی
چنانچہ اس حکم کی نقل بطور سند مجھے مل گئی میرے پاس موجود ہے۔ اس سند میں
لکھا ہوا ہے کہ مبلغ دوازدہ روپیہ نصف روزینہ داران بنابر پرورش بیوہ و اطفال
سجاد مرزا متوفی ظہیر الدین کو ملتے ہیں اور بعد وفات ظہیر الدین اس کے بچوں کو اٹھارہ
برس کی عمر تک ملیں گے۔ وہ روزینہ میرے بچوں کو گھر پر ملے جاتا ہے۔ اور مسمیٰ ان گھ
قاتل سجاد مرزا کی نسبت سزا سے وائٹم المجلس تجویز ہو کر جیل خانہ سپرد کیا گیا۔ وہ
محبوس ہے۔

بس اس صدمہ جانکاہ نے میری کمزور دی اور زندگی تلخ کر دی ہوش و حواس
میں اختلال واقع ہو گیا۔ دل و دماغ منتشر ہو گئے۔ لطف زندگی جاتا رہا۔ اس
روز سے میری بصارت اور سماعت میں فرق آگیا۔ اب آنکھوں سے سو جھتا نہیں
کالوں سے بالکل بہرا بند ہو گیا ہوں۔ جسم پر سوائے استخوان اور پوست کے گوشت
کا نام نہیں رہا۔ بے حیائی سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ جائے غور ہے کہ ایسی حالت
میں کوئی شعر کہہ سکتا ہے ؟

اب تادمہ حالات شعر و سخن مقام زمانہ قیام ٹونک
ٹونک میں شعر و شاعری

معرض بیان میں لائے جاتے ہیں۔ ٹونک میں
اکثر شعر و سخن کے لکھنے اور پڑھنے کا اتفاق رہا۔ اور بہت سی غزلیں لکھی گئیں۔
اکثر مشاعرے موجب نواب صاحب بہادر میں ہوئے خدا کی عنایت سے آج تک

کسی کی غزل فقیر کی غزل پر سر نہ ہوئی۔ تمام اہل ٹونک اعلیٰ آؤ نے موجود ہیں۔
 بڑے بڑے زور لگا کر لوگ لکھ کر لائے اور جب اخیر میں میری غزل پڑھی گئی۔
 سب سرو ہو گئے۔ اکثر منصف مزاجوں نے اپنی غزلیں سر مشاعرہ چاک کر ڈالی ہیں
 بلکہ بارہا ایسا ہی اتفاق ہو گیا ہے کہ اکثر حقدار نے اہل بزم کو امتناع کر دیا ہے۔ کہ
 کوئی غزل کی دلاؤ نہ دینا اور پھر جب میں نے غزل شروع کی ہے تو جو لوگ یہ سمجھے
 اہل مشاعرہ کے کھڑے ہیں اُن کا شور تحسین و آفرین ایسا بلند ہوا ہے کہ ستاد کا رنگ
 فق ہو گیا ہے۔ بہت سے معرکہ ایسے بھی گزرے ہیں۔ چنانچہ ایک بار نواب صاحب
 کے مہاجر میں مشاعرہ ہوا اور اہل مشاعرہ نے اچھی اچھی غزلیں پڑھیں میرے شاگردوں
 نے بھی بہت اچھی اچھی غزلیں لکھی تھیں غرض کہ جب افتخار حسین خاں صاحب مضطر
 نے غزل پڑھی ہے تو غزل اُن کی بہت نادر تھی۔ اُن کے جانبداروں میں سے جو
 لوگ تھے۔ اُنہوں نے بڑے نعرے سبحان اللہ کے لگائے اور ہر شعر پر یہ بیان

۱۔ افتخار حسین مضطر خیر آبادی۔ جو سہل خیر آبادی کا گرد امیر بنائی کے چھوٹے بھائی تھے۔
 جے پور میں وکیل تھے نواب ابراہیم خاں پہلے سہل سے اصلاح لیتے تھے اُن کی وفات کے بعد
 مضطر خیر آبادی سے اصلاح لینے لگے مضطر کی یہ غزلیں بہت مشہور ہے ۵

میں وہ قلب مضطرب ہوں جسے کل سو کل نہ آئے

وہ نہال بے شر ہوں جو پھلوں تو پھل نہ آئے

مقطع ہے ۵

نہ تم اُن کو پوچھو مضطر کہ یہ بُت ہیں چند روزہ

تم اُسی خدا کو پوچھو کہ جسے اجل نہ آئے

(نظیر)

ہوتا ہے کہ کیا کہنا ہے۔ کوئی شاعر اب کیا کہے گا۔ قلم توڑ دیا ہے۔ ایک شہرت سی
 شہرت ہو رہی ہے کہ میں کیا بیان کروں۔ حالانکہ میرے شاگرد احمد سعید خاں عاشق
 کی غزل مضطر کی غزل سے کم نہ تھی۔ بلکہ مذاق زبان میں بڑھی ہوئی تھی۔ قصہ کوتاہ
 آخر کو جب میری نوبت آئی تو میں نے بیان کیا کُنو صاحبو! تم صاحبوں کی جوان
 طبیعتیں۔ دلوں میں نئی نئی آئینگیں۔ سب طرح کی فارغ البالی۔ دل و دماغ مہار
 صحیح اور درست ہیں میں بوڑھا آدمی ہوش و حواس تک درست نہیں۔ دل و دماغ
 میں طاقت نہیں۔ سزارا صد مے قلب و جگر پر پڑے ہیں اب کیا شعر کہوں گا۔
 اور مہارے مضمون کہاں سے لاؤں گا۔ مجھے تو معاف ہی رکھئے تو بہت مناسب
 ہے۔ اندر سے نواب صاحب نے حکم دیا انہیں غزل پڑھنی پڑے گی جیسی کہہ
 کر لائے ہو پڑھو۔ مہاری غزل کے واسطے تو شاعر ہی مقررہ ہوا کرتا ہے۔
 غر عنکہ مجبور میں نے غزل شروع کی اور مطلع غزل پڑھا پس غزل کا مطلع سناتے
 ہی ایک شور مچ گیا اور مرزا محمد علی خاں صاحب نمبر کو نسل نے پکار کر کہا۔ کہ
 استاد کی یہ معنی ہیں کہ ایک مطلع ایک دیوان کے برابر ہے۔ وہ صاحب جو
 فرما رہے تھے کہ قلم توڑ دیا ہے۔ اب انصاف سے فرما میں کہ مطلع کہاں پہنچا ہے
 سو سنار کی اور ایک لہار کی وہ مطلع یہ تھا۔

وہ جھوٹا عشق ہے جس میں خیال ہو

وہ کچی آگ ہے جس میں دھواں ہو

اُس وقت افتخار حسین خاں صاحب نے فرمایا کہ انہیں باتوں سے تو یہ لوگ

استاد مانے جاتے ہیں۔ ایسے استعارے سگہ شاعری کا بیٹھتا ہے۔

غرض کہ صد ہا اس قسم کے مصرعے رہے۔ حالانکہ سوائے ایک نواب سلیمان صاحب
استاد اور سہیل صاحب اور مضطر صاحب سب میرے دوست احباب تھے۔
خدا نخواستہ میرے اُن کے درمیان کبھی چشمک یا تنازعہ کسی طرح کا نہیں واقع
ہوا۔ مگر ہاں جہاں حساد لکھنؤ کے نام پر مرنے والے جن کے باپ دادا کو خواب میں
بھی لکھنؤ کی زیارت نصیب نہ ہوئی ہوگی اُن کا یہ عالم تھا کہ رشک و حسد میں جلی کر
کیا بھڑکے جاتے تھے۔ خدا واسطہ کا بیر۔ چنانچہ روز اول جو میں نے قصیدہ
سالگرہ کا سنایا اور جس کی نسبت یہ کہا گیا تھا۔ کہ یہ استاد ذوق کا قصیدہ ہے۔ میرے
شاگرد صاحبزادہ احمد سعید خاں نے اُس کی صبح کو یہ کام کیا کہ کہیں سے دیوانِ ذوق
مانگ کر لائے اور اس کو بجائے خود میرے قصیدہ سے ملا کر دیکھا تو زمین آسمان کا
فرق اُس کی تشبیب میں تھا استاد کے قصیدہ میں غسلِ صحت کی تشبیب تھی میرے
قصیدہ میں سالگرہ کی وہ اُس سے کیونکر مطابق ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں مدح میں
بڑا اختلاف۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ ذرا آپ میری خاطر سے تھوڑی
دور تکلیف کیجئے اور اُن صاحب کے مکان تک چلیے میں نے کہا کہ میاں جانے
بھی دو۔ جتنا ویسا ہی کیا کرتے ہیں وہ مصرعے کہیں لے ہی چلوں گا۔ غرض کہ وہ
مجھے ہمراہ لے کر وہاں پہنچے، اور جا کر کہا کہ لیجئے حضرت وہ چور ڈھور سب موجود
ہیں۔ یہ دونوں قصیدے بھی موجود ہیں اور کہنے والے بھی۔ جو حضرات یہ فرماتے تھے
کہ استاد کا قصیدہ پڑھ دیا ہے۔ وہ کرن صاحب ہیں۔ ایک صاحب بولے کہ ہم ہیں

اے نواب سلیمان خاں! اسد میر مظفر علی اسیر لکھنوی کے شاگرد اور صاحبِ دیوان تھے نواب صاحب
نے ظہیر کی طرح انہیں بھی خاص طور سے نونک بلایا تھا + (تظہیر)

ہم کہتے ہیں۔ احمد سعید خاں آپ کس واسطے استاد کا قصیدہ بتاتے ہیں۔ جواب۔
زبان استاد کی اور متانت اور مضامین پکار رہے ہیں۔ زمانہ حال میں کوئی نہیں کہہ
سکتا ہے اُس وقت وہ وقت قصیدے پڑھوائے گئے اور اُن حضرات کو قائل مقول
کیا گیا ۔

نواب ابراہیم علی خاں بہادر فرمانروائے ٹونک کو خداوند عالم
نواب ابراہیم علی
زندہ اور سلامت رکھے اور اُس کے ملک کو آباد اور سرسبز

نواب صاحب موصوف جمیع محامد ذاتی و صفاتی سے آراستہ پیرستہ ہیں۔ نواب
صاحب ممدوح کو نفوس قدسیہ میں شمار کرنا چاہیے۔ نواب صاحب ساریں شریع
مستقی و پرہیزگار۔ عابد و زاہد با خدا۔ عاشق رسول۔ دیندار شریف پروردگار
رحیم۔ کریم۔ جواد۔ فیاض۔ بہادر۔ سخی۔ دریادل۔ کریم نفس۔ خدا ترس۔ وسیع الاخلاق

۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد نواب محمد علی خاں کی معزولی
کے بعد ۱۸۶۶ء میں مندر آرائے ریاست ہوئے۔ انہیں نعت گوئی کا بھی شوق تھا۔ ذیل میں آپ کی
ایک نعت کے چند اشعار درج کرتا ہوں ۔

دیکھ پائے گرجاںِ روتِ اوراقِ آفتاب	والغلیٰ پڑھنے لگے حیران ہو کر آفتاب
روشنی کا ایک مرکز ہے فلک پر آفتاب	ہیں یہاں ایک ایک جلوے میں بہتر آفتاب
آپ کے پر تو سے اُس نے پانی ہیں آرائیں	ہے حسین صبح پر چاندی کا جھومر آفتاب
آسمان والوں کو بھی پاسِ خاطر آپ کا	اک اشارہ جب کیا آیا پٹ کر آفتاب
آپ ہی کی چاند کو رہتی ہے شب بھر جستجو	آپ ہی کو ڈھونڈتھا رہتا ہے ن بھر آفتاب
آپ محشر میں اگر بہرِ دوزخ مائیں عزم	آفتاب لے کے دوڑے تابہ کوثر آفتاب

دوستدار فی زمانہ دنیا میں نہیں۔ میرے قلم کو طاقت نہیں کہ اُن کے اوصافِ حمید تحریر کر سکے۔ اول تو یہ کہ نواب صاحب بہادر کے ثروت و حشمت دریاست کے باوجود بونے رعوت اور تمکنت پاس ہو کر نہیں نکلی۔ سراپا عجز و انکسار بلکہ خلقِ مجسم کہنا چاہیئے۔ زہد و صلاح کا یہ حال ہے کہ کبھی نمازِ سحر تک قضا نہیں ہوتی اوقاتِ شبانہ روزی یادِ الہی میں بسر ہوتی ہے رشب کو کل چار گھنٹے آرام کرتے ہوں گے چار بجے بیدار ہو جاتے ہیں۔ خدائے کاروں کو حکم ہے کہ مجھے جگادو۔ صبح کو بیدار ہوئے اور حوائجِ ضروری سے فارغ ہو کر نماز میں مشغول ہوئے باغ میں سجدے اُس میں نماز بھی گاتہ باجماعت ادا کرے قسم میں پچھتم خود دیکھا ہوں کہ گھڑیوں سجد میں پڑے ہوئے تضرع و زاری کرتے ہیں رحم و ترحم کا یہ حال ہے کہ شاید کسی خد گکار سے کچھ قصور نہ ہو گیا اور اسے کوئی طمانچہ غصہ میں مار بیٹھے تو پچھلے سحر قصور مغفوت کرتے ہیں کہ میاں اللہ کے واسطے میرا قصور معاف کر دے سخاوت کا یہ حال ہے کہ باوجود اس بے دست گاہی کے کہ پانچزار روپے اُن کے دستِ خرچ کے مقرر ہیں اُس میں بہت سے لوگ بیشِ قرار درباری ہیں۔ اور اُن کی اولاد بھی اُس میں شریک ہے جو کچھ داد و دہش ہوتی ہیں اُس میں گرتے ہیں۔ ریاست کے روپے سے کچھ تعلق نہیں سوائے نقد و غیرہ کے۔ پوشاک اسلحہ جو وقت پر موجود یا بخش دیا۔ زبان پر کبھی کوئی کلمہ تہذیب کے خلاف نہیں آتا۔ مریخ و مرغیاں کسی تنفس کو اُن کے دم سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ عملداری ٹونک میں مقدور ہے کسی کا کہ مرکب منہیات کا ہو جائے مسکرات وغیرہ کا پورا پورا انتظام ہے۔ رمضان المبارک میں کیا مجال ہے کہ بے عذر شرعی کوئی ترکِ صوم و صلوٰۃ کر سکے۔ کوچہ کوچہ محتسب ہوتا ہے جس کو تارکِ الصوم پاتا ہے فی الفور گرفتار کر کے کوٹوالی میں پہنچایا جاتا ہے

اور پھر وہ تمام اختتام ماہ مبارک کو توالی نظر بند رہتا ہے وہاں اس سے روزے رکھوائے جاتے ہیں اور رویت ہلال شوال پر راکھ دیا جاتا ہے۔ زنان فاجرہ کو گرفتار کر کے نکاح کر دیئے جاتے ہیں۔ نواب صاحب بہادر کو مولود شریف کا از حد شوق ہے سال میں ایک بار مجلس مولود شریف منعقد ہوتی ہے۔ علماء و فضلا۔ صاحبزادے۔ عمائد لازم سب فراہم ہوتے ہیں۔ کھانا بہت عمدہ کھلایا جاتا ہے۔ شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ ربیع الاول میں بارہ روز مجلس نبوی منعقد ہوتی ہے اور نظیر باغ کی نہایت طیاری ہو جاتی ہے۔ جھاڑ فانوس گلاس وغیرہ کی روشنی بکثرت ہوتی ہے اور اذن عام ہوتا ہے۔ تمام شہر کی خلقت فراہم ہوتی ہے اور سیر سیر بھی شیرینی سب کو تقسیم ہوتی ہے۔ سات روز تک مروانہ محفل رہتی ہے اور پانچ روز زمانہ مجلس ہوتی ہے۔ اس روز حکم ہے۔ کہ رات کو کوئی فرد گھر سے باہر نہ نکلنے پائے۔ مستورات پر وہ نشین سب مجلس مولود میں جاتی ہیں۔ اور وہ مولود شریف نظم و نثر نواب صاحب کی تصنیف سے ہے۔ اور احادیث و روایات صحیحہ کا ترجمہ ہے۔ اسٹی جزو کی اس کی ضخامت ہے وہ پڑھا جاتا ہے۔ شعر و شاعری کا از حد ذوق ہے اور کلام بھی عمدہ ہے۔ زیادہ توجہ حمد و نعت کی جانب ہے۔ مگر افسوس اس امر کا ہے کہ ریاست کے انتفاع میں بہت نقصان اور تنزل ہو گیا ہے اور ریاست بدرجہ غایت مقروض ہو گئی ہے۔ بائیس لاکھ کی ریاست اور پیداوار نو دس لاکھ کی رہ گئی ہے۔ وجوہات باعث تنزل ریاست واقع ہوئے ہیں۔ بڑی خرابی تو یہ ہے کہ علاقہ ریاست ٹونک کا منتشر پرگنات پر واقع ہوا ہے ایک پرگنہ دوسرے پرگنہ سے علیحدہ ہے اور عملداری ٹائے غیر سے ملحق ہے۔ اور صد ہا

کوس کے فاصلہ سے واقع ہوا ہے۔ بیچ میں اور ریاستیں آگئی ہیں جو عامل و ناظم رہتا ہے۔ اپنی شکم پری سے غرض رکھتا ہے ریاست کی خیر خواہی اور تباہی رعایا سے کچھ مطلب نہیں۔ جب رعیت پر جبر و تعدی ہوتا ہے رعیت برخاست ہو کر اور ریاست میں چلی جاتی ہے۔ مثلاً پرگنہ سروجن علاقہ ٹونک تو برباد ہو گیا اور بھوپال آباد ہو گئی۔ دوم یہ کہ خرچ اخراجات خاندان بہت بڑھ گئے اب گنجائش اتنی نہیں کہ نواب صاحب اپنی اولاد کا کچھ مقرر کریں جن صاحبزادگان کی ماؤں کی جو تنخواہ ہیں۔ وہ اس میں بسر کرتے ہیں۔ ان کی ذاتی کچھ آمدنی نہیں۔ مورث اعلیٰ نواب محمد امیر خاں صاحب اول رئیس ٹونک کے بارہ بیٹے اور کئی بیٹیاں ہیں اور تنخواہ اسی حساب سے تقسیم ہوتی چلی آئی۔ اب ریاست میں کیا رہ گیا ہے خاندان کے مصارف میں برابر ہولی برائے نام ریاست ہے۔ علاوہ ازیں ریل کی سڑک نکلنے سے اور رہ سہاستیا ناس برباد اور تباہ کر دیا۔ مگر تاہم نواب صاحب کا علوم ہمت اور صرف خیر و خیرات نذر دنیا وغیرہ میں کسی طرح فرق نہیں آیا بدستور سابق اب تک ہیں جو مسافر آ جاتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ لے ہی نکلتے ہیں۔ ہمیشہ اغراب بطور گداگر کے آتے ہیں۔ اور روپیہ دخت کہنہ وغیرہ لے جاتے ہیں۔ کوئی ٹوٹا پھوٹا شاعر بھی جا نکلتا ہے۔ اور اس کی نواب صاحب تک رسائی ہو جاتی ہے۔ تو نوکر نہیں ہوتا تو نادارہ مل جاتا ہے۔

نواب صاحب کو شعر و سخن کا شوق از حد ہے قصیدہ بغیر صلہ کے سننا حرام جانتے ہیں بخلاف امرائے حیدر آباد۔ نواب صاحب ممدوح شاعر کی قدر و منزلت و ابراز فرماتے ہیں۔

میں ریاست ٹونک میں بہت اچھی طرح بسر کرتا تھا تیس روپیہ ماہوار نواب
 صاحب دیتے تھے۔ دس روپیہ ماہوار بیگم صاحبہ دیتی تھیں۔ خدمتگار کی تنخواہ
 صاحبزادہ احسان اللہ خاں صاحب دیتے تھے۔ انہیں کے مکان میں رہتا
 تھا۔ کرایہ مکان کا نہ دینا پڑتا تھا۔ سواری احسان اللہ خاں کے یہاں موجود تھی۔
 جہاں چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ ایک تانگہ سرکار میں سے تعینات تھا۔ پندرہ روپیہ
 ماہوار خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب ڈاکہ سے بھیجتے تھے۔ اہل و عیال قریب
 تھے۔ جب چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ نواب صاحب بہادر نہایت اعزاز و احترام
 سے پیش آتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں فاصلہ سے الگ بیٹھا ہوں۔ اور
 نواب صاحب کی نظر پڑی ہے فرمایا یہاں قریب آ جاؤ۔ ہر چند میں نے عذر
 کیا یا ز قدر خود شناس فرمایا تم قریب آ جاؤ تم بہرے ہو۔ میل کلام سمجھ میں نہیں
 آئے گا اور اپنے قریب طلب فرمایا ہے۔ ہر طرح عزت و حرم سے بسر
 ہوتی تھی۔ بیٹے بھائے گردش نصیب کی خواہ مخواہ وطن سے بیوطن ہو کر حسب
 ترغیب بعض اصحاب حیدر آباد میں چلا آیا اکثر دوستوں کے خطوط پہنچے حیدر آباد
 میں آ جاؤ۔ یہاں کے امرا قدردان ہیں۔ شعر و سخن کا چرچا از حد ہے۔ تمہارے کلام
 کے بہت لوگ شاق ہیں۔ شعر و سخن کی بڑی قدردانی ہے۔ غرض کہ میرا قصد بھی
 حیدر آباد کا ہوا۔ زیادہ تر خیال اس امر کا دامنگیر ہوا کہ میری عمر تو پوری ہو چکی ہے
 مگر بچوں کا کچھ فکر کرنا چاہیے اور کچھ نہ ہو گا۔ تو ان کے روزگار کی صورت تو نکل
 آئے گی۔ اس خیال سے قرض دام کا بندوبست کیا کچھ پارچہ پوشیدنی تیار کرائے
 چار ماہ کی رخصت لے کر جے پور ملنے آیا مگر جب میں آیا تو بی بی کی طبیعت علیل پائی

آٹھ روز کے اندر اندران کا انتقال ہو گیا۔ یہ خانہ ویرانی کی صورت پیش آئی جو کچھ
 روپیہ کا بندوبست زادراہ کار کے لایا تھا۔ وہ تجہیز و تکفین میں صرف ہوا اب
 ارادہ فسخ ہو گیا میں نے جے پور سے لکھ بھجیا کہ مجھ پر تو یہ واقعہ گزرا ہے۔
 پھر تحریر گئی مشیت ایزدی میں دخل کیا ہے جو امر تقدیری تھا وہ ہوا مگر
 آپ چلے آئیں +



دسواں باب

حیدر آباد دکن میں ورود

غرض کہ مجبور وہاں سے روانہ ہوا۔ بڑے دوسے ہوتا ہوا یہاں آیا۔ راجہ بھگوان
 سہائے بہادر نے مجھے باغ میں اُتروایا۔ دو آدمی میرے ہمراہ آئے تھے یہ
 سب یار میرا اُن پر پڑ گیا۔ اول اول تو میرا خوجہ اسی نوے روپے کے قریب
 ماہوار کا تھا۔ مگر پھر ایک صاحب کو میں نے رخصت کر دیا۔ اُس کو راجہ بھگوان
 سہائے بہادر نے رخصت کر دیا۔ پورے ایک سال تک راجہ بھگوان سہائے
 بہادر میرے کفیل رہے اور میرے کل اخراجات اُن کے ذمہ تھے۔ اُسی
 ایام میں سرکارِ دولت مدار آقائے نامدار کی نذر ہو گئی میں نے قصیدہ مدحیہ
 سنایا۔ بعد وقت رخصت فرمایا میں پھر تم کو بلواؤں گا۔ اسی اثنا میں روانگی
 دہلی کی تیاری ہو گئی۔ مہاراجہ صاحب اور اعلیٰ حضرت قدر قدرت علی تشریف
 لے گئے۔ اب میل بھی ارادہ ہوا کہ تو بھی واپس وطن کو چلا چل جن لوگوں لے
 یلویا تھا۔ وہ کہنے لگے بے نیل مرام جانا کون دنانی ہے۔ صبر کرو تا وہاں

ہمارا ج کے دہلی سے رہنا چاہیے۔ غرضکہ میں یہاں ٹھہر گیا تین مہینے کے بعد
 ہمارا جہ صاحب بہادر تشریف لائے۔ مولوی برتر صاحب دہلی سے وطن کو
 چلے گئے۔ مجھ سے کہہ گئے تھے کہ میں جا کر رائے رایان بہادر سے کچھ تجویز
 خرچ کرا کے بھیتا ہوں اور یہاں یہ کہہ رکھا تھا کہ کچھ دستگیری ہمارا جہ مرلی منور
 صاحب کی طرف سے ہوگی اور کسی قدر اسے رایان بہادر دستگیری فرمائیں گے
 باقی ہمارا جہ سرکار عالی بہادر مقرر فرمائیں گے۔ ریتیری گزر بخوبی ہو جائے گی وہ
 سب کوری باتیں تھیں۔ ایک سوائے راجہ بھگوان سہائے بہادر کے کسی نے
 بات تک نہ پوچھی۔ اب یہ صورت ہوئی مجھ سے کہا گیا نوکری کا ڈھب لگنا تو مشکل
 ہے مگر رخصت بہت محقول طور سے ہو جائے گی۔ اسی امید میں آٹھ ماہ کا
 عرضہ گزر گیا اور سب کوری باتیں اور دم وٹاں سے ہی نکلے۔ آخر ٹونک سے تحریر
 آگئی کہ تمہارا نام دفتر سے جدا کر دیا گیا۔ اب تم ٹونک آکر کیا کرو گے۔ جب میں
 سب طرف سے مایوس ہو گیا تو جن صاحبوں نے مجھے بلایا تھا وہ منہ چھپانے
 لگے۔ ملنا تک چھوڑ دیا۔ آخر میں نے سرکار خداوند نعمت کو عرضی لکھی اور اپنی
 مصیبت اور انقطاع تعلق ٹونک کا حال لکھ کر سرکار کی خدمت میں بھیجی۔ اور
 نیز داغ صاحب نے بھی سرکار میں لکھا۔ خداوند تعالیٰ سرکار دولت ملکہ کو توابد
 سلامت رکھے کہ سرکار نے بنیال کبر سن اندا۔ بہرا۔ اپاراج۔ لیے کار محض سمجھ
 کر ادرا و ترجم میری پرورش فرمائی کہ اس زمانے میں روٹی نصیب ہوگئی۔ ورنہ
 یار لوگوں نے تو دنیا سے کھونے میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ اب گوشہ عافیت
 میں بیٹھا ہوا جو کچھ وال دلیا اور روکھی سوکھی روٹی نصیب ہوتی ہے بہزار

وقت و پریشانی نصیب اُسے غنیمت جان کر کھاتا ہوں۔ اور اپنے آقائے مدار
خداوند نعمت کو دعا دیتا ہوں۔ اور قدروانی حیدر آباد کی تو بخیر جن لوگوں سے مجھے
توقع تھی وہ اندر اس کا پھل نکلے۔ پھر جو کچھ رہی اسی حالت قدر سخن کی ہے۔ تو
میں اسطنت مدار الملہام ہمارا جہتشن پرشاد شاد کے دم سے ہے۔ البتہ
ہمارا جہ صاحب بہادر اس فن کے قدروان ہیں۔ اور سرکار میں اکثر شہر ملازم
ہیں اور نیز ہمارا جہ صاحب بہادر کا کلام بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔ خود بھی ایسا فرما
ہیں جس کا جواب نہیں نظم و نثر فارسی اردو بہت لا جواب ہے۔ اس کے علاوہ
ہمارا جہ صاحب بہادر جامع الکمال ہیں۔ ہر فن میں مداخلت نام رکھتے ہیں جس
اخلاق کی شہرت تو عالمگیر ہے۔ محتاج شرح و بیان نہیں ہے۔ فیاضی دریا ولی
وداد و دہش و میر شمش و علوی ہمت کا حال اظہر من الشمس ہے۔ سب سے صرف
واصل نذر و نیاز عرس بزرگان و مشائخین کا ہے۔ ان تقریبات میں بیدار
علی الحساب صرف فرماتے ہیں۔ ہزار ہا روپیہ تیاری سامان عرائس میں اور پخت
طعام نیاز میں صرف ہوتے ہیں۔ اور ہزار ہا آدمیوں کو طعام ہائے لذت پر تکلف
کھلائے جاتے ہیں۔ اور تقسیم طعام بے دریغ ہوتی ہے۔

برین نخوان یغما دشمن چہ دوست

عرس مولا علیؑ | ان تقریبات کے علاوہ ہمارا جہ صاحب بہادر جب کوہ
مولا علی پر تشریف لے جاتے ہیں تو کئی کئی مہینے قیام

فرماتے ہیں۔ تمام عملہ سرکاری اور ملازم سرکار اور محلات وغیرہ ہمراہ ہوتے ہیں۔
سب کو طعام پر تکلف دونوں وقت مطبخ سرکار سے بے دریغ عطا ہوتا ہے

اور ہنگام عرس حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا صلوٰۃ اللہ علیہ میں چند روز پیشتر از
 عرس اعلیٰ حضرت قدر قدرت فلک رفعت کیواں حشم جیس شیم رونق افروز
 کوہ مبارک ہوتے ہیں اور تمام حیدر آباد کی خلقت کا از دام ہوتا ہے اس زمانہ
 میں کئی سو آدمی کا اجماع خاص و عام در دولت سرکار پر ہوتا ہے۔ خیمہ لائے
 متحد استاد ہو جاتے ہیں۔ اکثر ارباب نشاط و طوائف وغیرہ بھی حاضر ہوتی ہیں۔
 اس اجماع کثیر و جم غفیر کو طعام سرکار سے تقسیم ہوتا ہے۔ دونوں وقت دیکیں
 کھانے کی پکٹی ہیں اور تقسیم ہوتی ہیں۔ کئی روز تک یہ پخت جاری رہتی ہے۔ اور
 بعد عرس کے انعامات ہمارا سیاں کو علی قدر مراتب مہاراجہ صاحب بہادر شرفیاں
 تقسیم فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ زمان قیام میں دوہین بار
 بنگلہ سرکار پر رونق افروز ہوتے ہیں۔ بزم قص و سرود برپا ہوتی ہے۔ روشنی کا
 سامان بخوبی ہوتا ہے۔ یہ مہاراجہ صاحب بہادر کی دربار دلی اور سیو جٹھی اور بلند و صلیگی
 اور علو ہمت کا ایک نمونہ ہے جو معرض بیان میں آیا۔

آج کسی امیر یا رئیس کی یہ ہمت ہے کہ اس طرح بیدیع صرف کرے گا۔
 حیدر آباد میں بڑی بڑی سرکاریں اور جاگیرداران اولوالعزم ہیں۔ حالانکہ ان کی آمدنی
 جاگیرات مہاراجہ صاحب کی جاگیر سے بدرجہا زیادہ ہے۔ مگر یہ ہمت اور عوصلہ
 کسی کا نہیں کہ اس طرح بے دریغ صرف کرے غور کیا جاتا ہے تو مہاراجہ صاحب
 بہادر حاجت وقت ہیں۔ تو نگری بدل است نہ بال بزرگی بعقلست نہ بسال۔
 کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں ولت والے ان کا بندہ ہوں جو بندے میں محبت والے
 میں حب وطن سے حیدر آباد روانہ ہوا ہوں تو مجھے بڑی بڑی امیدیں قدونی

حیدر آباد سے تقبیل میں جانتا تھا کہ سوائے فات بابر کات اعلیٰ حضرت قدر
 قدرت کے اگر ایک دو امیر کی سرکار میں تیری رسائی ہو گئی تو تیری گذر بخوبی ہو سکتی
 کیونکہ گورنمنٹ حیدر آباد کی سرکار عالی جاہ ہے۔ آج ہندوستان میں سلطنت
 خیال کی جاتی ہے۔ اُس کی برابر کوئی ریاست نہیں اُس کا جاہ و حشم مصر اور
 ایران کی برابر شمار ہوتا ہے۔ وہاں بڑے بڑے امیر کبیر ہیں پچیس لاکھ
 کے جاگیر دار ہیں۔ ہزار ہا روپیہ کے تنخواہ دار تو اہلکار ہیں۔ ایسے مقام پر پانچ
 چار سو روپیہ ماہوار کا روزگار ہونا کچھ دشوار نہیں۔ مجھے خیال ریاستہائے ہندوستان
 کا تھا۔ ہندوستان کے رئیس پانچ پانچ چار لاکھ کے جاگیر دار بیچارے
 آدمی لنگوٹی میں پھاگ کھیتے ہیں۔ ان کو کل لوازمہ ریاست اور تھمل جلوس
 ریاست کا رکھنا پڑتا ہے۔ مصطل میں دس پانچ خاصہ کوتل ہزار روپیہ کی
 قیمت سے لگا کے پانچ ہزار تک موجود ہیں۔ فیل خانہ میں دو چار ہاتھی بھی ہیں
 اُس کے علاوہ سامان جلوس نوبت نقسارہ علم ماہی مراتب فوج سپاہ سوار
 پیدل۔ توپ خانہ۔ مصاحبین اہلکار عملہ وغیرہ سب سامان ریاست موجود
 ہے۔ غرض کہ جب میں یہاں پہنچا ہوں تو میرا گمان فاسد نکلا۔ یہاں مقدمہ
 برعکس پایا۔ قدر دانی تو بالائے طاق رہی روٹیوں کے لالے پڑھ گئے بقول
 سرکار دولت مدار ظہیر صاحب کو کس نے سبز باغ دکھایا۔ کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ
 کر یہاں آکر حیران و پریشان ہوئے ۔

بہ نفس نفیس نہایت دانا مدبر و ہوشیار روشن دماغ
میر محبوب علی خاں

وروشن خیال۔ رحیم۔ رعیت نواز۔ رعیت دوست۔
رعیت پرور۔ خلیق۔ وحیہ۔ خوش رو۔ خوش خو۔ سخن گستر۔ حق پسند بہمہ صفت موصوف

۱۸۶۶ء مظفر الملک فتح جنگ نواب میر محبوب علی خاں نظام الملک آصف جاہ ششم ۱۸ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور ۲۶ فروری ۱۸۶۹ء کو مندر آسے یا ست ہوئے آپ کی تعلیم و تربیت مختلف اوقات میں مولوی محمد خاں شہید مولوی سیح الزمان خاں۔ مولوی انوار اللہ خاں۔ مولوی اشرف حسین۔ مظفریہ خوشنویس۔ مرزا نصر اللہ خاں۔ مسٹر گلارک۔ مسٹر جنگ۔ افسر جنگ۔ ٹو خاں وغیرہ نے کی۔ آپ کو زبان عربی۔ فارسی۔ اردو اور انگریزی پر عبور حاصل تھا۔ فنون سپہ گری کے بھی ماہر تھے آپ علماء و فضلاء اور اہل کماں کے قدردان تھے سینکڑوں اہل علم اور بالکالوں کو آپ سے فیض پہنچا مولوی سید احمد کو فرنگی آصفی کی اشاعت کے لئے زور کھیر دیا۔ آپ ہی نے مولانا شبلی مولانا حالی۔ مولوی ڈاکٹر عبد الحق قدر بگڑی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ مولوی عبد الحلیم شرر۔ ڈپٹی نذیر احمد سید علی بگرامی۔ پروفیسر شہباز۔ مرزا داغ اور مولانا ظفر علی خاں کی سرپرستی کی۔ مرزا داغ کو جو شعر و سخن میں انکے استاد تھے۔ جو عزت۔ شہرت اور عروج حاصل ہوا وہ اردو زبان کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ آخر میں مرزا داغ کی تنخواہ ۵ سو روپیہ ہوا رہتی تعجب ہے کہ حضرت ظہیر صنف کتاب ہذا کی کما حقہ قدر افزائی نہ ہوئی۔ جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

میر محبوب علی خاں آصف تخلص کرتے تھے اور اپنے استاد داغ کے رنگ میں غزل کہتے تھے

ان کی ایک غزل کے دو اشعار لکھتا ہوں ۷

یہ تکتی یہ لڑتی ایمان بہت ہیں

عاشق تیری زلفوں سے پریشان بہت ہیں

ہاں تیری محبت میں پریشان بہت ہیں

کچھ اور ہوسم حضرت آصف کی بلا کو

(ظہیر)

ہیں۔ فی زمانہ ابراہیم بک عادل شاہ ثانی کہنا چاہیے اور نتیجہ رعایا پروری اور
تالیف قلوب کا یہ رنگ ہے کہ تقریب میں رعایا اور ملازمین اپنے پاس سے زر کثیر
صرف کر کے آرائش شہر و روشنی وغیرہ کا سامان فراہم کرتے ہیں اور محافلِ رقص و سرود
گرم کر کے عیش و نشاط مٹاتے ہیں اور دل و جان سے اپنے بادشاہ مہربان پر نثار
اور قربان ہیں۔

رعایا نے حیدر آباد تمام و کمال خورسند و خوشحال متمول و مالا مال ہے کسی
طرح کی شاکی نہیں۔

آبادی شہر | بازار کثرتِ خلایق ایک جہانِ دیگر تصور کرنا چاہیے۔ بیرون
حصار شہر حیدر آباد ہر چار جانب شہر کو سون تک بازار اور
مکانات بنے چلے گئے ہیں۔ آدمیوں کا بن کہنا روا ہے۔ ہزار ہا گھوڑا گاڑی اور
جھٹکے وغیرہ دو گھڑی رات پچھلے سے نصف شب تک شہر میں دوڑتے ہیں۔
سوار یوں کی کثرت سے پیدلوں کو راستہ چلنا دشوار ہوتا ہے۔ شبانہ روز آمد و
رفت خلقت جاری ہے۔

ملازمین کی تنخواہیں نسبت ریاستہائے ہندوستان ازاد نے تا اعلیٰ و
چند چند چار چند ہیں۔ اور دربار میں قرار پاتے ہیں۔ متوسطین طبقہ علیہ
آصفیہ میں طبقہ پر تصور کئے جاتے ہیں۔

طبقہ اعلیٰ طبقہ اوسط طبقہ ادنیٰ

امرائے طبقہ اعلیٰ | وہ امرا اور جاگیردار ہیں جو خاندان شاہی سے نسبت
قربت رکھتے ہیں۔ جیسے نواب شمس الامراء حرم کا

خاندان ہے کہ باون گاؤں کے جاگیردار ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی جاگیردار نہیں
اگلے حضرت قدر قدرت کے ہمیشہ زادہ ہیں۔

اور بعد ازاں اور امرا ہیں۔ جو امرائے قدیم اور جاگیردارانِ موروٹی ہیں۔ مثلاً
راجہ رابان مہاراجہ شیورام بہادر دیانت و نیت آصفیاء ہی۔
ورائے رابان راؤ پھمن راؤ بہادر دیانت و نیت آصفیاء ہی۔

وہاں راجہ راجگان مہاراجہ چند لال بہادر سیکنٹھ باشی کا خاندان و نواب
مختار الملک سالار جنگ بہادر مرحوم کا خاندان۔ اس قدر امرائے دولت آصفیہ
تو طبقہ اول میں تصور کئے جاتے ہیں *

اس طبقہ میں تین لاکھ روپیہ سے لے کر پچاس ہزار
روپیہ کے جاگیردار منصبدار اور اراکینِ دولت پٹنخوار
اور ماہہ دار مثل معین المہمان و دیگر ملازمانِ محکمہ جات و حکام و تعلقہ دارانِ غیر
وغیرہ پانچ ہزار سے لے کر دو سو روپیہ کے تنخواہ دار و منصب دار تک طبقہ دوم
میں شمار کئے جاتے ہیں *

اس طبقہ میں دو سو روپیہ سے لے کر پانچ روپیہ کے
لوکار، ہلکار، محکمہ جات و ملازمین صیغہ فوج سوار و پیدل
اور غیرہ تصور کئے جاتے ہیں۔

حیدر آباد کا سو روپیہ ماہوار کا ملازم اور ریاستِ مائے ہندوستانی کا تیس
روپیہ کا در ماہہ و اہمیت میں برابر ہے۔

حیدر آباد میں جو سو روپیہ میں بسر اوقات کر سکتا ہے وہ شمالی ہندوستان میں

تیس روپیہ میں کر سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سب اشیاء ارزاں
 ہیں حیدرآباد میں گراں اڈل تو روپے کے خوردے میں ڈھائی آنہ کا فرق ہے۔
 اب اجناس کو غور کیجئے گوشت یہاں فی روپیہ چار سیر
 اقتصاد کی حالات | کافرخت ہوتا ہے، ہندوستان میں آٹھ سیر کا

بکتا ہے (لیکن اب وہ وقت نہیں رہا۔ ہر جگہ آٹھ آنہ (۸) یہ کا نرخ ہے۔
 ممکن ہے کہ حیدرآباد میں بھی اضافہ ہو گیا ہو، دو چند فرق ہو گیا۔ غلہ یہاں دس
 سیر کا ہو تو وہاں سترہ اٹھارہ سیر کا ملتا ہے ایک ادنیٰ رقم ہے کہ ایک غریب آدمی
 کے گھر کے کپڑے دھو بی چار آنے مہینے میں دھوتا ہے حیدرآباد میں ایک
 آدمی کے کپڑوں کی دھلائی ایک روپیہ ماہوار طلب کرتا ہے۔ اور مہینے میں
 دو بار مشکل دھو کے دیتا ہے۔ حجام خط کی بنوائی ایک آنہ لیتا ہے۔ (اب دہلی
 میں بھی یہی مقرر ہے) ہندوستان میں غریب آدمی حجامت کا ایک پیسہ دیتا
 ہے۔ آسودہ حال دو پیسے دیتے ہیں یہاں جتنے کمینہ پیشہ ور ہیں سب خوش و
 خرم مرفہ الحال میں۔

اور طبقہ سوم کے شریف ہمدست، دنیا کی قلتِ معاش۔ حیدرآباد کے
 اخراجات ہی حسبِ حیثیت متول حدِ اعتدال سے بدجہا بالاتر ہیں یہاں قلیل المعاش
 کی بسر اوقات غیر ممکن ہے خصوصاً مسافرین امیدوار روزگار نہایت خراب و
 خوار و ذلیل ہوتے ہیں۔ کوئی دروازہ پر آنے کا روادار نہیں ہوتا ہے۔

مولے ذاتِ بابرکات بندرگانِ عالی علیحضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ

وہارا جہ پین اسطنت مدارا المہام بہادر +

امراء کی تمکنت

طبقہ اول و دوم کے امرائے حیدر آباد نازک دماغ تمکنت
دوست عیش پسند شہانہ مزاج ہیں غربا کے حال پر متوجہ

بہت کم ہوتے ہیں۔ بلکہ غربا و شکستہ بال کی باریابی بھی دربار تک خواب خیال
ہے۔

سگ و دربان چو یافتند غریب ایں گریباں گرفت و آں دامن،
ایسے نازک مزاج امراء کو شعر و سخن کا دماغ کہاں کہ وہ اپنے وقت عزیز عیش و
آرام کو ایں کار بیکاران میں صرف فرما دیں۔

اے عندلیبِ ناداں دم و درگلو فرو بند نازک مزاج شائاں تاب سخن ندارد
یہاں شعر و سخن کی کیا وقعت اور شاعر کی کیا قدر و منزلت کسی فن کا اہل
کمال صاحبِ جوہر ہو۔ کوئی پُرسانِ حال نہیں۔

ہاں کسی قدر ہے تو البتہ مرثیہ خوانوں کی عشرہ محرم میں قدر ہو جاتی ہے مگر
انہیں لوگوں کی جو پستی شہرت یافتہ ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کا نام چلا آتا ہے
اُسی اعتبار سے وہ پوچھے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اہل رتبہ کسے ہوں۔ یا نہ ہوں۔

باعتبارِ شہرت ان کی قدر وانی فرمائی جاتی ہے۔ حیثیت ہنر و فنون سے کچھ بحث
نہیں اپنی ناموری و شہرت سے مطلب ہے۔ کہ فلاں امیر نے فلاں مرثیہ خواں

کو بلایا ہے۔ اب ان حضرات کے مقابل میں کوئی عرش کے تارے بھی توڑ لائے
تو کوئی پُرسان نہیں ہوتا۔ سوائے مرثیہ خوانی کے ظاہر کوئی نذر و نیاز وغیرہ معلوم

نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اور شہروں میں امیر غریب علی قدرِ قدرت طعام داری کرتے
ہیں۔ اور غربا و مساکین کو عشرہ محرم میں کھانے کھلواتے ہیں۔ ہزاروں روپے

نذر و نیاز میں صرف کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی فن کے اہل کمال کو کسی سرکاری نوکر ہوتے نہ سنا کسی مخنور کو دو پیسہ صلہ ملتے نہ دیکھے۔ بخلاف اس کے ہندستان کے امرا کو ہر قسم کے شوق ہوتے ہیں کسی کو لہو و لعب کی جانب توجہ ہوتی ہے مثل تنگ بازی۔ کبوتر بازی یا اور کسی قسم کی بازی یا شکار وغیرہ بعضوں کو گھوڑے کی سواری کا شوق ہوتا ہے۔ تو اچھے اچھے ہر ملک اور ہر قوم کے بابا با صے گھوڑے علی قدر حیثیت طویلے میں موجود ہوتے ہیں۔ اُس فن کے آدمی نوکر ہوتے ہیں کسی امیر کو پرندوں کے شکار کا شوق ہوتا ہے تو ہزار مارو پیسا ہی پر صرف ہوتا ہے اُس کے سامان فراہم ہوتے ہیں۔ غرض کہ امیر کو جس فن کا ذوق ہوتا ہے اُس فن کے آدمی بکثرت جمع ہوتے ہیں اور اُن کی قدر مانی کی جاتی ہے اور نہال اور مال مال ہوتے ہیں۔ امرا یاں حیدر آباد یورپین تعلیم یافتہ ہیں۔ انگریزوں کے قدم تقدماً چلتے ہیں کس درجہ مہذب و محتاط ہیں کہ ایک پیسہ کسی بازی میں بجا صرف نہیں فرماتے ہیں۔ کیا مجال کہ کسی فن کا آدمی اپنا اظہار جوہر کر کے ازراہ شعبہ بازی ایک جہ بٹک کر لی جائے۔ یہ ان حضرات کی دانشمندی اور مقتضائے لازم احتیاط خود داری سے پیشتر ہی انسداد اس امر کا رہتا ہے کہ کوئی شخص مسافر دروازے پر نہ آنے پائے۔

اس کے علاوہ اور سب طرح کا فیض عام باداد و دیش و شہر و سخاوت جو شبیہ امارت سے راقم الحروف کے گوش گزار نہیں ہوا۔

اپنے طرز کلام کی وضاحت | راقضائے عالم گشتم بے بسر و دم ایام بہر کے
متع زہر گوشہ یافتہ | زہر غم نے خوشہ یافتہ

میں نے اپنی مدت العمر پر جو غور و نگاہ ڈال کر حساب کیا تو کس طرح پر تقسیم ہوتی ہے۔ ایک حصہ تو زمانہ طفولیت اور نادانی اور لہو و احب کا غنفوانِ شباب اور جوانی تک حصہ حصہ دوم سرگردانی و خانہ بدوشی بیابانِ نوردی و تلاش و معاش و نوکری و صرف اوقاتِ روزگارِ گی میں تصور کیا جاتا ہے۔

باقی ان دو حصص کے ایک ثلث زمانہ کسبِ فنِ سخن و سُخنوری و مشقِ سخن و سُخنگونی و صحبت کا ملین فنِ سخن و حصولِ استفادہ فن تصور کرنا چاہیے۔ سن میرا ستر سے تجاوز کر گیا ہے اول زمانہ طفولیت میں مجھے شعر و سخن کا شوق ہوا اور میں شیخ محمد ابراہیم ذوقِ خاقانی ہند کا شاگرد ہوا تو وہ زمانہ جاہلیت کا تھا۔ مجھے عیبِ صوابِ سخن کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ ہر خند کہ اصلاحِ سخن بہت کم ہوتی لیکن فیضانِ صحبتِ بابرکات سے استفادہ بہت کچھ حاصل ہوا۔ اور بعد انتقال ان بزرگوار کے یارانِ ہم فن کی صحبت سے بہت امتیاز حاصل ہوا۔ بعد زمانہ غدر کے پانچ چار سال کے بعد حبیبِ دہلی واپس آیا ہوں اور چرچا شعر و سخن رہنے لگا تو مفتی صدالین خاں صاحبِ آزرہ و نواب مصطفیٰ خاں صاحبِ شیفتہ اور حافظ غلام رسول صاحبِ ویران کی صحبت کا پیشتر اتفاق رہا۔ اور گاہ گاہ مرزا اسد اللہ خاں صاحبِ غالب کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا مگر اصلاحِ سخن کسی سے نہیں لی لیکن ان بزرگواروں و دیگر کاملین کے کلام کو دیکھ کر بنظرِ غور استفادہ حاصل کیا۔ اور اپنی طبیعت کے زور سے ان تینوں استادانِ وقتِ ذوق۔ مومن۔ غالب کے کلامِ کالب لباب اخذ کر کے اپنی طرزِ جداگانہ اختیار کی۔ شیخ صاحبِ مرحوم کی تو زبان اور محاربت کی پیروی اختیار کی

مومن صاحب کے مضامین اور نازک خیالی و سوز و گداز کا اتباع کیا۔

مرزا غالب صاحب کی بندش و ترکیبات کی تقلید اختیار کی۔

اس کے علاوہ جو کلمات کہ میرے فہم ناقص میں مذموم اور غیر فصیح۔ ناجائز
مفہوم ہوئے اُن سے احتراز کیا اور اُن کو متروکات میں داخل کیا۔ خدا صفا و
دع ماکدر۔ نان بر شیر مال باروغن تلخ گندہ الایجاد بندہ۔ میرا مقصود یہ نہیں
ہے کہ مجددِ وقت ہوں اور حضرات بھی میری تقلید اختیار کریں۔ میں نے کوئی متروکہ
لفظ اپنے کلام میں شامل نہیں کیا اور احباب کو اپنے کلام کا اختیار ہے۔ جائز
رکھیں یا نہ رکھیں۔

بیس سال کامل مجھے ریاست جے پور میں اتفاق روزگار سرشتہ کا ہوا
اس اثنائے مطلق فرصت طبع آزمائی کی نہ ہوئی۔ شانِ اُس عرصہ میں بیس بچپس
غزل اور ایک دو قصیدہ نگاری کا اتفاق حسبِ تقاضائے احباب ہوا ہو تو ہو
مگر بجا جب اُس روزگار سے مستعفی ہو کر خانہ نشین ہوا ہوں اور نواب احمد علی
خال صاحب رونق کی رفاقت اختیار کی ہے۔ جب اس جانب توجہ کی گئی۔
ہے اور میرے کلام کی شہرت ہوئی ہے اور خلائق کی رجوع ہوئی ہے اور
اطراف و جوانب سے لوگ میرے شاگرد ہونے شروع ہوئے اور شوقِ سخن
روز بروز ترقی پذیر ہوتی چلی گئی ہے۔ تاہم غنایتِ ایزدی سے دیوانِ اوّل
گلستانِ سخن اختتام کو پہنچ گیا۔ پہلے دیوان کی اشاعت زمانہ ملازمت ٹونک
میں خداوند مسبب الاسباب نے اُس کے انطبوع کے سامان بھی فراہم کر دیئے
راجہ بھگوان سہائے بہادر اور خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب کی کفالت سے

وہ چھپ کر تیار ہوا اور تمام اطراف و اکناف ہندوستان میں اشاعت پا گیا اور
تازمان انطباع دیوان دوم بھی ترتیب پا گیا مگر بعد اس قدر استطاعت نہ ہوئی
کہ وہ بھی چھپوایا جاتا۔ اب عنایت انیدی سے تین دیوان کا ذخیرہ میرے پاس
موجود ہے اور ایک جلد کے قریب مرثیے۔ سلام۔ رباعیات وغیرہ فراہم ہو
گئے ہیں۔ خداوند تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے کوئی سامان مہیا کر دے گا تو
وہ بھی طبع ہو جائیں گے۔ ظاہر تو کوئی سامان نظر نہیں آتا۔

مدت العمر میری خدمت سلاطین عظام و رؤسائے ذوی الاحترام میں
صرف ہوئی اور جہاں رہا اعزاز و احترام سے رہا۔ رؤسائے اولوالعزم نے میرے
کلام کو نظر و قوت سے ملاحظہ کیا اور جن امرائے عالی ہمت والا نظر نکتہ سخن
شناس کو خداوند عالم نے نگاہ باریک بین و جوہر قابلیت و استعداد سخن شناسی
عطا فرمایا ہے انہوں نے علی قدر قدرت عطایائے صلحیات و خلعت و
الغایات وغیرہ سے میری قدر افزائی فرمائی حتیٰ کہ نو شعر کی غزل کے صلہ میں مجھے
ہزار روپے ایک امیر نے عنایت فرمائے ہیں اور جب نئی غزل لکھ کر لے
گیا ہوں اشرفیاں ملی ہیں۔

نواب احمد علی خاں صاحب رونق تین ہزار روپے مہوار کی معاش کے
آدمی تھے مگر جب میرے کسی بچے کی شادی و پیش ہوتی تھی تو اس تقریب میں
مجھے دوسو روپیہ علاوہ تنخواہ معینہ کے عطا فرماتے تھے اور قصائد کا صلہ علاوہ
عطا موتا رہتا تھا۔ علی بن القیاس شاگردان دیگر راجہ بھگوان سہاسے بہادر گرم و
خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب انیم بھی ہمیشہ دستگیری فرماتے رہے۔ اسی طرح
مدت العمر بسر ہو گئی۔ اب چند روز کی زندگی باقی ہے۔ آفتاب لب بام و
شمع سحر کا عالم ہے۔ ہر کمالے راز والے۔ اب زمانہ انحطاط و تنزلی کا ہے۔

معراجِ کمال تو حاصل ہو چکی ہے۔ تمام ہندوستان میں دیرہ غازی خاں سے لے
کے ڈھاکے بنگالے تک اور کوہ شملہ سے لے کے مدراں تک میرے
شاگرد موجود ہیں۔ جا بجا میرا کلام پہنچ گیا ہے۔ لوگ کلام کے مشتاق رہتے ہیں۔
ایک ایک مصرعہ کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اصلاحات کو آنکھوں سے لگاتے
ہیں۔ کوئی ایسا سخنور نہیں جو مجھے جانتا نہ ہو۔ جو گلدستہ نیا جاری ہوتا ہے،
پہلے درخواست میرے پاس آتی ہے۔ اب اس سے زیادہ کیا آسمان پر پہنچتا
ہے۔ عنایاتِ ایزدی سے میرے شاگردوں کا کلام تدریکاً تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ خود
استاد ہیں۔ ایک ایک کے سو سو دو سو شاگرد موجود ہیں۔ میری اصلاح
کے محتاج نہیں۔ یہ اُن کا حسنِ عقیدت ہے کہ مجھے دکھاتے اور سُناتے
ہیں، ورنہ شعرا کے ہمعصر سے اُن کا کلام رتبہ میں کم نہیں بلکہ خدا چاہے تو
بالا ہی ہو گا۔ اور قصائد نگاری میں تو اپنا جواب آپ ہیں۔ مولوی نادر علی برتہ
منشی بخشم الدین احمد ثاقب بدایونی۔ صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق ٹونگی درجہ
اول میں صاحب ہیں۔ درجہ دوم میں منشی رمضان علی خاں اختر جمیری۔ منشی
ابراہیم دبیر روڑ کوٹی۔ نین میاں انس سکنتہ باٹا دودھ و منشی سلطان احمد ناشاد
سکنتہ ٹکنتہ و نواب خواجہ عبدالرحیم خاں صاحبِ اہم نواب ڈھاکہ و حکیم اسد علی
خاں صاحب دہلوی متخلص بہ مضطر و سید حسن سید بھوپالی و محمود خاں محمود حیدر آبادی
اور درجہ سیوم کا کچھ حساب نہیں اُن کا شمار قیدِ تحریر میں لانا غیر ممکن ہے اُن کے
نام کہاں تک یاد کئے جائیں۔ ان کو بہ نظر طوالت عبارت فرو گذاشت کیا
گیا۔

اب بن میرا ستر سے تجاوہ کر گیا۔ دل و دماغ میں طاقت نہ رہی تو فی مضمحل
ہو گئے۔ ہوش و حواس مختلف سہو و نسیان کی یہ کثرت نہ ہے کہ بات کہتے ہی بھول

جاتا ہوں اولاد کے صدموں سے دل پاش پاش ہو گیا۔ افکار اہل و عیال نے
 آدمیت سے کھودیا۔ کوچ ہر وقت گردن پر سوار ہے۔ کانوں سے بہرا،
 آنکھوں سے اندھا۔ جو شخص ان مصائب میں گرفتار ہو اُس کو شعر و سخن سے
 کیا تعلق۔ باوجود اس تشنہ خاطر کے خون جگر پی کر اور جان کو ہلاک کر کے
 کچھ کچھ کہا گیا تو انجام اس کا سوائے رشک و حسد و حرف گیری کے کچھ نہ
 دیکھا گیا۔ ناقد ری زمانہ کا یہ حال ہے کہ ناقص و کامل ایک نظر دیکھے جلتے
 ہیں۔ کوئی قدر دان کمال نہیں۔ ان وجوہات کے باعث طبیعت اس فن کی
 طرف سے بیزار ہو گئی۔ لامحالہ شعر و سخن کی جانب سے دست بردار ہونا پڑا
 اور شعر و شاعری کو سلام کر کے جہر خموشی دہن پر لگا کر گوشہ نشینی اختیار
 کی ہے

آنانکہ بکنج عافیت بنشتند دندان سگ و دمان مردم بستند
 کاغذ بد ریدند و سلم بشکستند از دست و زبان حرفگیران رستند

شعر و سخن

میں جب وار و حیدر آباد ہوا تو تمام حیدر آباد میں شہرت ہو گئی جو حق
 جو حق و خیل خیل اصحاب ملاقات کو آتے تھے۔ صبح سے رات کے گیارہ
 بجے تک میرے مکان پر مجمع رہتا تھا۔ کلام کی فرمائش ہوتی تھی تعمیل حکم کرنی
 پڑتی تھی۔ اسی اثنا میں میرے شفیق قدیم نواب عبداللہ خاں ضیغم نے ایک
 مشاعرہ قرار دیا۔ اور سب اجاب کو میرے آنے کی اطلاع دے دی
 اُس جلسہ میں بکثرت اجماع خلائی ہوا اور میرے پہنچنے سے قبل مشاعرہ شروع
 ہو گیا تھا۔ غرض کہ جب میں پہنچا ہوں تو سب صاحبوں نے بوجہ عنایت تعظیم دی

اور مشاعرہ تو ہو ہی رہا تھا۔ مگر میں نے یہ کیفیت عجب دیکھی کہ ہنوز ایک غزل
 تمام نہ ہوئی تھی کہ دوسرے صاحب آگے بڑھ گئے اور شمع اپنے آگے
 رکھ کر پڑھنے لگے۔ ہنوز ان کی غزل ختم نہ ہوئی کہ ایک شخص ان کے پہلو
 میں سے اور نکل آئے اور جھٹ غزل شروع کر دی۔ کوئی داد دے
 یا نہ دے پڑھے چلے جاتے ہیں دو دو سو ڈیڑھ سو شعر بے لطف و بے
 مزہ پڑھے جاتے ہیں۔ کسی طرح خاموش نہیں ہوتے۔ ایک پر ایک کرا پڑتا
 ہے۔ خلاف تہذیب اپنی اپنی جائے سے اٹھ کر غزل پڑھنے والے کے
 پیچھے جا بیٹھتے ہیں۔ ایک جا سے شمع کو جنبش نہیں ہوتی اور لطف یہ کہ جو صاحب
 پڑھ چکے ہیں وہ اٹھتے اور گھر کو روانہ ہوئے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ
 کیسے بے تہذیب لوگ ہیں کہ ان کو ذرا خیالِ ادا ب محفل نہیں۔ اپنے دل میں
 نہایت پشیمان ہوا کہ تو اس محفل میں کیوں آیا۔ غرض کہ تمام شب بسر ہوئی صبح کے
 قریب میری غزل کی نوبت آئی تو گنتی کے آٹھ دس آدمی تھے۔ باقی سب چل دیئے
 معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنا کلام سنانے کو آئے تھے میرے کلام کے شائق نہ تھے۔
 خیر جب میری غزل پڑھی گئی ہے تو خدا کی عنایت سے جو ہمیشہ سے میرے
 کلام کا رنگ ہے اور جو کیفیت مشاعروں میں اور جا ہوتی ہے وہی یہاں ظہور
 میں آئی۔ ہر خد کہ اس وقت بہت ہی تھوڑے سے آدمی تھے مگر تمام حیدرآباد
 میں شہرت ہو گئی۔ پھر اور بڑے بڑے معرکے رہے، جو حضرات کہ یہاں
 استادوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے صد ہا شاگرد بھی ہیں اور واقعی کلام
 میں ان کا پایہ استاد کی کو پہنچا ہوا ہے وہ حضرات سب مشاعروں میں شریک ہوتے
 تھے۔ خدا نے ان کے سامنے آبدور کھالی۔ کوئی غزل کسی صاحب کی غزل سے
 انیس نہیں رہی اور یہ قصائد کا حال تمام حیدرآباد پر روشن ہے میرا لکھنا

فضول ہے۔ ان حضرات میں اکثر مشعرائے نامور اہل لکھنؤ سے ہیں۔ دلی والوں میں فقط ہم دو آدمی تھے یاد آغ صاحب یا فقیر ظہیر سودا غ صاحب بذات خاص مشاعرہ میں آتے نہ تھے۔ فقیر البتہ ہر مشاعرہ میں جا موجود ہوتا تھا، انجام اس کا یہ ہوا کہ ان بزرگواروں نے مشاعرہ میں آنا ترک فرمادیا۔ ہمارا جہ مدار المہام بہادر کے مواجہ میں بھی اکثر جلسے ہوئے خدا نے وہاں بھی سُرخرو کیدان جلسوں کی حقیقت حاضرین مشاعرہ کے دل پر منقش ہے مگر افسوس صد افسوس صلہ اور مزد ایسی جانفشانی اور عرق ریزی و خون جگر پینے کا سواے رشک و حسد و نیش زنی و بیخ کنی کچھ نہ دیکھا۔ اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔ آغ صاحب مرحوم و مغفور کی بھی زندگی بھر یہی کیفیت رہی کہ لوگوں کو رشک و حسد رہا۔ اور ہمیشہ خواہی نخواستہ ہی مورد اعتراضات رہے۔ علی ہذا القیاس میں بھی اسی بلا میں مبتلا ہوں۔

بغزو و توبہ تو ال رستن از عذاب خدای ولیک می نتوان از زبان مردم رست
 بھلا داد آغ صاحب سے اگر رشک و حسد تھا تو بجا تھا کہ اُن کو خدا نے صاحب جاہ و منصب کیا تھا۔ مجھ بد نصیب کو تو بیٹ بھر روٹی بھی نصیب نہیں۔ مجھ سے ناحق کا بغض الہی ہے۔ حاصل کلام جس قدر شہرت قدر دانی حمید آباد سُنی گئی تھی اُسی درجہ کساد بازاری پائی گئی۔ بے ہنر اور جمند و عاقل خوار اور میں ذاتِ خدا پر توکل کئے ہوئے بیٹھا ہوں۔ جب تک آب و دانہ ہے بسر کرتا ہوں۔ اپنے خداوند نعمت کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں۔

تمت بالحق میر

اکادمی پنجاب کی چند مطبوعات

مسترت کی تلاش :- اُردو کے نوجوان سنجیدہ نگار وزیر آغا کی تصنیف لطیف - زندگی اور اس کی گونا گوں کیفیات پر ہماری زبان میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہ خیال افروز کتاب ہمارے ادب میں فکر و نظر کے ایک سلسلہ جدید کا آغاز کرتی ہے قیمت دو روپے اراکین اکادمی سے ایک روپیہ آنے

دیوان شیفٹہ :- اُردو کے سگفتہ کلام شاعر نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا مجموعہ سخن، جو ایک عرصہ سے نایاب تھا، اب خوبی تصحیح و تدوین اور حسن طباعت سے آراستہ ہو کر از سر نو شائع ہوا ہے۔ آغاز میں ایک جامع مقدمہ بھی موجود ہے۔ قیمت دو روپے آنے، اراکین اکادمی سے دو روپے۔

پارم رفعت :- اُردو کے منزہ خیال شاعر اثر صہبائی کے منتخب کلام کا ایک دلاویز مجموعہ سارے تین سو صفحات مجلد و مطلع قیمت اڑھائی روپے۔ اراکین اکادمی سے دو روپے۔

نگارِ فطرت :- مرزا عباس بیگ محشر دورِ حاضر کے واحد فطرت پرست شاعر ہیں۔ اور ان کی نیچر شاعری اپنے آہنگ اور جمال میں ایک فروغ بے مثال حاصل کر رہی ہے۔ مجلد و مذہب قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ اراکین اکادمی سے دو روپیہ۔

فتحانِ دہلی یعنی معاصرین غائب و ق کے وہ الم ناک مرثیے جو انہوں نے دہلی کی ویرانی دیکھا ہے۔ لکھے، اسی عہد کے ایک شاعر نغز گو میر تقی میر خاں کو کتب مرثیہ کئے تھے اب اس فراموش شدہ کتاب کو موجود ایڈیشن نے حیات تازہ بخشی ہے قیمت دو روپے۔ اراکین اکادمی سے ڈیڑھ روپیہ۔

ملنے کا تہہ: سنگری - اکادمی پنجاب - ادبی دنیا منزل لاہور

اکادمی پنجاب

اکادمی پنجاب مغربی پاکستان میں سب سے پہلا ادبی وقف
(ٹریسٹری ٹرسٹ) ہے۔

اکادمی پنجاب ایک معیاری دارالمصنفین کی تاسیس میں
مصروف ہے۔

اکادمی پنجاب کے کاروبار میں نفع کا غرض شامل
نہیں ہے۔

اکادمی پنجاب سنجیدہ اور بلند پایہ علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت
میں مصروف ہے۔

اکادمی پنجاب کی رکیت کے قواعد و ضوابط اکادمی کے دفتر
سے طلب فرمائیے۔

صلاح الدین احمد

آنریری سیکرٹری اکادمی پنجاب

ادبی دنیا منزل - لاہور

حیات جاوید

(جدید ایڈیشن)

● "حیات جاوید" سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ کی زندگی اور کام کی کہانی ہے۔
● "حیات جاوید" کے مصنف اُردو کے نامور شاعر اور ادیب مولانا الطاف حسین حالی ہیں۔

● "حیات جاوید" ہمارے کلاسیکی کتابوں میں ایک بہت بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔
● "حیات جاوید" اُردو میں سوانح نگاری کا بہترین کارنامہ ہے۔
● "حیات جاوید" کے مطالعے سے اسلامیانِ ہند کے سب سے بڑے لیڈر کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

● "حیات جاوید" سر سید کے صحیح خیالات و عزائم کا آئینہ ہے۔
● "حیات جاوید" کی ایک جلد ہر گھر اور ہر لائبریری میں موجود ہونی چاہئے۔
● "حیات جاوید" کے جدید ایڈیشن میں ڈاکٹر سید عبداللہ کادیباچہ اور صلاح الدین احمد کا مقدمہ اور رسالہ اسباب بغاوت ہند بطور تفسیر شامل ہے۔

ضخامت تقریباً ایک ہزار صفحات قیمت ساڑھے بارہ روپے
تقطیع کلاں۔ مجلد و مذہب۔ اراکین اکادمی سے سستا پے

کتاب خانہ اکادمی پنجاب۔ ادبی دنیا منزل لاہور

سے طلب فرمائیے۔